علیہ السلام
حسین
اور عرش الٰہی
www.shiabookspdf.com
تالیف
سید عادل علوی
ترجمہ
مولانا سید عدنان نقوی

حسین علیہ السلام

اور

عرشِ الٰہی

www.shiabookspdf.com

تالیف

فقیہ اہل بیت

آیت اللہ سید عادل علوی مد ظلہ العالی

مترجم

مولانا سید محمد عدنان نقوی دام عزہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	حسین علیہ السلام اور عرشِ الٰہی
تالیف	:	علامہ سید عادل علوی مدظلہ العالی
مترجم	:	مولانا سید محمد عدنان نقوی دام عزہ
پروف ریڈنگ	:	سید بادشاہ نقوی
اہتمام	:	توقیر حسین ملک
کمپوزنگ	:	مکتبہ ابوبصیر
سال اشاعت	:	اکتوبر 2020ء
تعداد	:	500/-
ہدیہ	:	600/-

ملنے کا پتا

SAREEL E SAKINA

All rights reserved. This book or any portion thereof may not be reproduced or used in manner whatsoever without the express written permission of the publisher except for the use of brief quotations in a book review.

S1-1/B, Block 6, Federal 'B' Area,
Karachi (75950) Pakistan
+92 (0) 333 2000 464 +92 (0) 333 3589 401
Office No 1-28 Al Latif Center,
Main Boulevard Gulberg, Lahore - Pakistan
+92 (0) 321 4664 333
www.ziaraat.com
webmaster@ziaraat.com fb.com/ziaraatdotcom
whatsapp online bookstore
+92 (0) 348 8640 778

www.shiabookspdf.com

انتساب

یہ کتاب اس لامکان کے نام

جو ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہے

اور

ٹوٹی ہوئی قبروں کے پاس ملتا ہے

ترتیب

❊ انتساب 3
❊ عرضِ ناشر 9
❊ عرضِ مترجم 11
❊ مولف کا تعارف 14
❊ سلسلہ نسب 14
❊ ولادت 14
❊ تعلیم 14
❊ تدریس 15
❊ اساتیذ کرام 16
❊ تصنیف و تالیف 17
❊ مراجع عظام کی تائیدات 19
❊ سماجی اور ثقافتی خدمات 20
❊ سماجی اور فلاحی ادارے 20
❊ مجلے اور اخبار 20
❊ جوامع 21
❊ لائبریریاں 21
❊ امام بارگاہیں 21
❊ مدارس علمیہ 21
22

www.shiabookspdf.com

❊ معرفت کی حقیقت 35
❊ لغوی بحث 35
❊ معرفت کی اصطلاحی تعاریف 36
❊ معرفت کے مراحل 37
❊ جلال 38
❊ جمال 38
❊ کمال 39
❊ معرفتِ برہانیہ 40
❊ معرفتِ شہودیہ 40
❊ معرفتِ ایمانیہ 40
پہلی فصل 56
❊ عرش، در لغت و اصطلاح 56
فصل ثانی 62
❊ عرش، در قرآن کریم 62
فصل ثالث 70
❊ عرشِ علمی 70
❊ عرشِ رحمانی 76
❊ عرشِ تدبیری 78
❊ عرشِ خلقی 81
❊ عرشِ ملکی 84
❊ بحث کا خلاصہ 86
چوتھی فصل 94
❊ عرشِ الٰہی کی وسعت 94

پانچویں فصل 97

❊ عرش میں رنگ 97

چھٹی فصل 108

❊ عرش کا احاطہ 108

ساتویں فصل 114

❊ عقل در عرش 114

آٹھویں فصل 122

❊ عرشِ خدا اور آلِ محمدؐ 122

نویں فصل 185

❊ عرشِ الٰہی کے عوالم و معالم 185

❊ عرش کے بارے میں روایات کا اجمال کا ذکر 218

دسویں فصل 241

امام حسین علیہ السلام چراغِ ہدایت اور کشتیٔ نجات ہیں 241

گیارہویں فصل 245

❊ آیتِ سفینہ و حدیثِ سفینہ اور اِن میں شباہت کا پہلو 245

❊ ۱-کشتیٔ نوحؑ خدا کے حکم سے بنائی گئی 247

❊ ۲-عصمت 251

❊ ۳-ایمان 254

❊ ۴-طہارت 256

❊ ۵-حصولِ ہدایت 259

❊ ۶-نجات 264

❊ ۷-طوفان 265

❊ ۸-نجات کا انحصار 266

www.shiabookspdf.com

❊ ۹-مودت کی حقیقت 267

❊ ۱۰-اِمامت کا تسلسل 268

❊ ۱۱-خلائف الارض 269

❊ ۱۲-امام کی پیروی اور اُس کی خدمت میں حاضر ہونا 285

❊ ۱۳-ناجی فرقہ 289

❊ ۱۴-جو کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہوا وہ صحابی نہ رہا 290

❊ ۱۵-کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہونے والا کافر ہے 292

❊ ۱۶-جو کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہوا وہ ظالموں میں سے ہے 294

❊ ۱۷-جو کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہوا وہ جاہلوں میں سے ہے 296

❊ ۱۸-جو کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہوا وہ گمراہ ہے 298

❊ ۱۹-سفینہ پہ سوار نہ ہونے والا مجرم ہے 300

❊ ۲۰-اکثریت نافرمان اور فاسق ہے 302

❊ ۲۱-اکثریت تکبر مزاج ہے 309

❊ ۲۲-اکثریت معصیت کار ہے 310

❊ ۲۳-اکثریت گمراہ ہے 312

❊ ۲۴-اکثریت اہلِ سو ہے 313

❊ ۲۵-اکثریت حق سے دور بھاگنے والی ہے 314

❊ ۲۶-اکثریت باطل کا سہارا لے کر مجادلہ کرتی ہے 316

❊ ۲۷-اکثریت کا اقلیت پر ظلم، اور اُن کا انجام 317

❊ ۲۸-کشتی پہ سوار نہ ہونے والا اخروی انجام 320

❊ ۲۹-اہلِ ایمان کی قلت 321

❊ ۳۰-قلبِ سلیم 323

❊ ۳۱-صبر و تقویٰ 324

✻ ۳۲۔سلامتی وبرکت 325

✻ ۳۳۔پریشانیوں سے نجات 327

✻ ۳۴۔بقاء ودوام 328

✻ ۳۵۔بسم اللہ سے آغازِ سفر 330

✻ ۳۶۔حکمِ خدا کی خلاف ورزی وتکذیب کرنے والا بصیرت سے محروم ہے 332

✻ ۳۷۔متعدد گروہ 334

✻ ۳۸۔نجات کی کشتی کا سوار انبیاءؑ کے ہمراہ ہوگا 336

بارہویں فصل 338

✻ مولا حسینؑ کی زیارت، گویا عرش پہ خدا کی زیارت 338

✻ خاتمہ 343

✻ زیارتِ عاشورہ کی اسناد ومطالب 343

✻ پہلی سند 343

✻ دوسری سند 346

✻ زیارت کے مفاہیم 348

✻ اِسلام میں، سلام کی اہمیت 350

✻ مخلوق کا خدا کی بندگی کرنا 353

✻ ابوت وبنوت 358

✻ اِبن، درلغت واصطلاح 358

✻ اَب، درلغت واصطلاح 358

✻ کنیت کی اقسام 359

✻ حاصلِ کلام 360

✻ عرشِ الٰہی سے متعلق بحث کا خلاصہ 362

✻✻✻

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

مؤلفات سید عادل علوی ایک عرصہ دراز سے صاحبان ذوق ومعرفت کے لیے ایک درج بے کراں کا کام سرانجام دے رہی ہیں۔ عرب میں تو ان قلمی شاہکاروں کا چرچا زبان زد عام ہے مگر نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ برصغیر کے صاحبان ممبر نہ تو مولف اور نہ ہی ان کی تالیفات کا عوامی تعارف کروا سکے۔

یہاں سید عادل علوی کا تعارف مقصود نہیں اس عمل کے لئے مترجم کتاب سید عدنان نقوی نے علیحدہ سے ایک باب قائم کیا ہے، ہم بطور ناشر حسب معمول اور حسب توفیق اس کتاب کے ترجمے کا پس منظر پیش کرنا چاہ رہے ہیں۔

www.shiabookspdf.com

مؤلفات سید عادل علوی بالخصوص کتاب حاضر (الامام الحسینؑ فی عرش اللہ) تقریباً ایک دہائی سے ہماری فہرست تراجم میں موجود رہی ہیں۔ ادارہ سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا کے قیام سے بہت پہلے جب میں نے یہ کتاب پڑھی تب ہی یہ عہد کیا کہ سیدؒ کی تمام تالیفات کا ترجمہ کرواؤں گا اور شروعات اس کتاب سے ہوگی۔ جیسا کہ حقیر نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ وقت گزرتا چلا گیا اور ہم اس انتظار میں رہے کہ برصغیر کے ممبر سے اس عظیم علمی شخصیت کا تعارف ہو مگر —— خیر۔

امیر کائنات علیہ السلام نے جب ہمیں سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا عطا فرمائی تو برسوں کی تشنہ خواہش نے دوبارہ زور پکڑ لیا اور اس کتاب کے مترجم کی تلاش شروع ہوگئی۔ سید کی تالیفات کے ترجمے میں ایک خاص مشکل یہ پیش آئی کہ چونکہ یہ ایک خاص زبان عرفانی میں لکھی گئی ہیں ہر مترجم اس کا ترجمہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ یہ مسئلہ بھی حل ہوا جب ہم نے سید عدنان نقوی

سے لواعج الاشجان فی مقتل الحسین کا ترجمہ کروایا ـــ اب ہمیں ہماری خواہش پوری ہوتی نظر آنے لگی تھی۔

فاسٹ فارورڈ ٹو 2020 حضرت کرونا کی آمد ہوئی اور ہمارے تمام شیڈول ڈسٹرب ہو گئے۔ پہلے اس کتاب کو یوم آمد سید الشہداء علیہ السلام یعنی تین شعبان کو شائع کرنے کا ارادہ کیا جو نہ ہو سکا، پھر یکم محرم الحرام کو شائع کرنے کا ارادہ کیا تو "الاستبصار" پر ہماری مصروفیت کے باعث یہ بھی ممکن نہ ہوا۔

المختصر یہ کہ اب یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ بھی اسے پڑھیے اور استفادہ حاصل کیجیے اور یہ یاد رکھیے کہ یہ کتاب ہمارے لئے محض کتاب نہیں بلکہ ہماری تشنہ خواہشات کی تکمیل کا پہلا زینہ ہے۔ آنے والے اوقات میں سید عادل علوی کی دیگر کتابیں اور رسائل کے تراجم بھی آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے جن کی فہرست اسماء قارئین کے لیے کتاب کے ورک خلفی پر درج کر دی گئی ہے۔

www.shiabookspdf.com

ہماری قارئین سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے بارگاہ حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ شریف میں ہمارے اور ہمارے اس مقصد ترویج علوم آل محمد علیہم السلام کے لیے مسلسل دعا فرماتے رہیں۔

اللھم عجل لولیك الفرج

فرقان حیدری

ادارہ سبیل سکینہ

پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عرضِ مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى اَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ الْمَعْصُوْمِيْنَ وَ اللَّعْنَةُ الدَّائِمَةُ عَلٰى اَعْدَائِهِمْ مَلْعُوْنِيْنَ مِنْ يَوْمِ عَدَاوَتِهِمْ اِلٰى قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ وَ بَعْدَ يَوْمِ الدِّيْنِ. اَمَّا بَعْدُ: فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الْحُسَيْنَ مِصْبَاحُ الْهُدٰى وَ سَفِيْنَةُ النَّجَاةِ..

بحمدہ تعالیٰ یہ بندۂ ناچیز کا امام عالی مقام حسین بن علی سید الشہداء علیہ السلام کے حوالے سے تیسری عظیم الشان کتاب کا ترجمہ ہے۔ اِس کتاب میں امام حسینؑ کی شخصیت کے عرفانی پہلو کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہ آیت اللہ عادل علوی کی گراں مایہ تحقیق ہے۔ اس کتاب میں مصنف علام نے آئمہ اہل بیتؑ اور بالخصوص امام حسینؑ کی ولایت کے حقیقی معنی کی طرف راہنمائی کی ہے۔ اِس کتاب میں سید نے اِس حدیث نبویؐ کو موضوعِ بحث بنایا ہے: بے شک حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہے۔ صادق آل محمدؑ کا فرمان ہے کہ ہم سب نجات کے سفینے لیکن مولا حسینؑ کا سفینہ، اہل بیت اطہارؑ کے باقی سفینوں کے مقابلے زیادہ تیز اور وسیع تر ہے۔

اِس سفینہ مبارکہ میں اِس قدر وسعت ہے کہ بڑے سے بڑا گناہ گار بھی اِس پہ سوار ہو گا تو اُس کی نجات یقینی ہے۔ لیکن ایک نکتہ جو قابل توجہ ہے وہ یہ کہ خدا کی رحمت کے غضب پر غالب ہونے اور آل محمدؑ کے کمال شفاعت کے مرتبے پر فائز میں کوئی شبہ نہیں، لیکن اِسے بنیاد بنا کر دین و دیانت سے ہاتھ اٹھا لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ دین گھروں کے اندر غلاف میں بند رکھنے کے لیے نہیں، بلکہ عمل کرنے کے لیے آیا ہے۔ خدا نے اِسے ہماری دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے بھیجا ہے۔ اِس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنی بساط کے مطابق دنیا کے سامنے کردار آل محمدؑ پیش کریں۔ تا کہ اہل زمانہ ہمیں دیکھ کر یقین کر لیں کہ واقعاً یہ لوگ وارثان دین کی راہ پر ہیں۔

اور خود فرامین آئمہؑ میں بھی یہی ہدایت دی گئی ہے۔ جیسے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اُسی شخص کا امام ہوں جو میری پیروی کرے۔ لہٰذا ہم اپنا مقصد حاصل کرنے میں اُسی صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ جب ہم ایمان وعقیدہ اور معرفت وعمل، دین کے تمام پہلوؤں کو ایک ساتھ لے کر چلیں اور ہماری روش و رفتار ظہورِ قائم عجل اللہ فرجہ الشریف کی راہ ہموار کرے۔

اِس کتاب کے مطالعہ سے قاری کو اندازہ ہوتا ہے قبلہ محترم معرفت کے کس مقام پر فائز ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ یہ کتاب اُن پر خداوند فیاض کی عنایتِ خاص ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن ایک بات جو ہر وقت ذہن نشین رہنی چاہیے کہ معرفت کے ارتقاء کا تسلسل ابھی ختم نہیں ہوا، نہ جانے کتنے دریچے اور کھلنا ابھی باقی ہیں۔ اِس لیے یہ کتاب اِس موضوع پر حرفِ آخر نہیں، بلکہ یہ معرفت کی طلب کو مزید بڑھاتی ہے۔

کیونکہ یہ ذواتِ مقدسہؑ اِس سے بلند شان کے مالک ہیں کہ ہماری ناقص سوچ اُن کی حقیقت تک رسائی کر سکے۔ جیسا کہ اِن کے ارشادات سے اِس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اور امام حسینؑ کہ جنہیں آلِ محمدؐ میں بھی ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ شیخ محمد حسین کاشف الغطاءؒ کہتے ہیں: ”اگر امام حسینؑ کی شہادت نہ ہوتی تو شریعت بنوامیہ کے طور طریقوں کا نام ہوتا اور دین یزید جیسے فاسق کے نام سے پہچانا جاتا۔ میں یہ بات کہنے حق بجانب ہوں کہ اسلام مولا علیؑ کا مرہونِ منت ہے اور شیعیت مولا حسینؑ کی محتاجِ کرم ہے“۔ اِن کے مقام کا ادراک سب سے کٹھن مرحلہ ہے۔ اِن کی شان کی مختصر سی جھلک روایات میں یہ بتائی گئی ہے کہ جس نے آپؑ کی زیارت کی اُس نے عرش پہ خدائے ذوالجلال کی زیارت کی۔ کامل الزیارات میں ہے:

مولا حسین علیہ السلام عرش کی دائیں سمت موجود ہیں اور اپنی جائے شہادت، وہاں ٹھہرنے والوں اور اپنے لشکر کے مقام کو دیکھتے ہیں۔ آپؑ اپنی زیارت کے لیے آنے والوں کو بھی دیکھتے ہیں اور انہیں اُن کے اسماء، اُن کے باپ دادا کے ناموں اور خدا کے یہاں اُن کے درجات و منازل کو تم سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

امامِ مظلومؑ اپنے اوپر گریہ ونوحہ کرنے والے کو دیکھتے ہیں اور اُس کے لیے گناہوں سے

معافی طلب کرتے ہیں۔ اپنے آباءِ اطہارؑ سے اُس کے حق میں استغفار کراتے ہیں۔ اور اُسے مخاطب کر کے کہتے ہیں:

أَيُّهَا الْبَاكِي! لَوْ تَعْلَمُ مَا أَعَدَّ اللهُ لَكَ لَكَانَ فَرَحُكَ أَكْثَرَ مِنْ جَزَعِكَ

”اے رونے والے! اگر تو جان لے کہ خدا نے تمہارے لیے کیسا اجر تیار کر رکھا ہے تو تمہاری خوشی غم سے زیادہ ہو جائے گی“۔

میدانِ محشر میں آپؑ کے احوال میں ملتا ہے: روایات میں آیا ہے کہ عرش کے سایے میں امام حسینؑ کی ایک خاص مجلس ہوگی۔ جس کا تعلق صرف انہی سے ہے۔ وہ یہ کہ اُس مجلس میں شریک لوگ اُن پہ رونے والے، اُن کی زیارت کرنے والے اور اُن کے کلام کو توجہ سے سننے والے ہوں گے۔ وہ امامؑ کے پاس بیٹھ کر تمام تر سختیوں سے امان میں ہوں گے۔ جنت سے اُن کی بیویاں اُن کی طرف پیغام بھیجیں گی کہ ہم تمہاری یاد میں بے قرار ہیں تو وہ جنت میں جانے سے انکار کر دیں گے۔ اور امام مظلومؑ کی مجلس میں بیٹھے رہیں گے۔[1]

www.shiabookspdf.com

خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقے میں اِس کتاب اور اِس جیسے دیگر آثارِ اہلِ بیت سے کما حقہ استفادہ کرنے کی توفیق عنایت کرے۔ تاکہ ہمارے لیے اِس وقت کے حسین عجل اللہ فرجہ الشریف کے لشکر میں شامل ہونا زیادہ آسان بن جائے۔ ضمناً دعا گو ہوں کہ اِس علمی کاوش کو منظرِ عام پر لانے میں مجھ سمیت جس نے جو جو ذمہ داری انجام دے، مالکِ کائنات اُسے دارین کی بھلائیاں عطا فرمائے۔

و صلی اللہ علی محمد و آل محمد و عجل فرج آل محمد و انصر شیعة آل محمد و ارزقنا رؤیة قائم آل محمد

محتاجِ کرم

سید عدنان نقوی

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۴۱ ہجری

---

[1] (کامل الزیارات: ۸۱، ۸۲؛ بحار الانوار: ۳۵/۲۰۷)

مولف کا تعارف

سلسلہ نسب

آپ کا نسب والد گرامی کی طرف سے اڑتیس واسطوں سے عبداللہ باہر تک پہنچتا ہے جن کی والدہ جناب فاطمہ دختر امام حسنؑ اور امام محمد باقر علیہ السلام ان کے سگے بھائی ہیں۔آپ کی والدہ گرامی جو سید محمد حسینی نجفی کی بیٹی ہیں کی طرف سے آپ کا نسب امام زین العابدین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

ولادت

آپ کی ولادت باسعادت 6 رمضان المبارک 1375 ھ کو بین الطلوعین کے وقت شہر مقدس کاظمین میں دو اماموں حضرت امام موسیٰ بن جعفر اور امام محمد تقی علیہما السلام کی پناہ میں ہوئی۔آپ چونکہ دو بہنوں کے بعد ہوئے تھے اور آپ سے پہلے آپ کا عزیز نامی بھائی اپنے والدین کے لئے ذخیرہ آخرت بن کر فوت ہو چکا تھا اس لئے آپ کی مہربان ماں نے بہت محبت اور شفقت کے ساتھ آپ کی پرورش کی۔آپ کی خاطر بہت سی پریشانیاں برداشت کیں راتیں جاگ جاگ کر کاٹیں یہاں تک کہ آپ اپنے خاندان میں ایک بہترین ماں کے عنوان سے مشہور ہو گئیں۔والدہ کی طرح آپ کے والد گرامی سید علی علوی بھی آپ کا بہت خیال رکھتے تھے ان کو آپ سے ایک خاص طرح کا لگاؤ تھا۔

تعلیم

جب آپ چھے سال کے ہوئے اس وقت عراق پر عبدالقاسم کریم کی حکومت تھی اور آپ کے والد گرامی اس کے ظلم ستم کے خلاف احتجاج کی وجہ سے جیل میں بند تھے آپ نے اپنے

بھائی سید عماد کے ساتھ جو آپ سے ایک سال اور کچھ مہینے چھوٹے تھے کاظمین کے اخوت اسکول میں داخلہ لیا جب آپ نے چوتھی جماعت پاس کی خالصیہ کا مسئلہ پیش آیا جس میں خالصیہ والوں اور آل تمیم دونوں کے کچھ افراد مارے گئے اس وجہ آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ نجف اشرف ہجرت کر گئے وہاں آپ نے اپنے بھائی کے ساتھ علوی اسکول میں پانچویں جماعت میں داخلہ لیا۔جب آپ تقریباً گیارہ سال کے تھے تو والد گرامی مرحوم سید علی کے حکم پر اپنے بھائی کے ساتھ 1387 ھ میں دینی تعلیم بھی حاصل کرنا شروع کر دی تھی آپ نے النحو الواضح کی پہلی جلد کے نو دروس سید اسماعیل صدر کے بیٹے سید حسین صدر کے پاس پڑھے (سید حسین صدران دنوں آپ کے والد کے پاس درس پڑھتے تھے) آپ کے دروس آیت اللہ العظمیٰ شہید محمد باقر الصدر کے گھر پر ہوتے تھے اس طرح آپ کی تعلیم کی ابتداء علم وسیاست اور جہاد و شہادت کے گھر سے ہوئی۔

www.shiabookspdf.com

تدریس

آپ نے بہت سے طلباء کو مقدمات اور سطوح کے دروس پڑھائے۔آپ نے تدریس کا آغاز 1391 ھ میں بغداد مین اپنے والد گرامی کی مسجد (جامع علوی) میں توضیح المسائل اور هداية المستفيد في علم التجويد کے درس سے کیا۔آپ نے شرح الباب الحادي عشر پانچ سے زیادہ مرتبہ، اور شرح التجريد دو مرتبہ مکمل طور پر پڑھائیں اس کے علاوہ شرح اللمعه المكاسب، الكفايه، الشرائع، المغني اور شرح ابن عقيل، سيوطي، جامع المقدّمات، مختصر المعاني، الرسائل، تفسير، شیخ انصاری کی کتاب رسائل، القوانين، بداية الحكمه، نهاية الحكمه و المنظومه بھی پڑھا چکے ہیں۔آپ 1418ھ میں فقہ اور اصول کا درس خارج بھی شروع کیا اور آج تک یہ درس جاری ہیں۔ان کے علاوہ آپ اخلاق اور عرفان کے دروس بھی دیتے ہیں۔دنیا کے مختلف ممالک اور اقوام پانچ براعظموں سے تعلق رکھنے والے افراد آپ کے شاگرد ہیں ان میں ایران، عراق، خلیجی ریاستوں، لبنان، سوریہ، شام، افریقہ، انڈونیشیا، ملائیشیا، ہندوستان، پاکستان، یورپ،

چین، ترکی کے طلاب شامل ہیں آپ کے بہت سے شاگرد آج کل دینی مراکز کے فضلاء میں شامل کیے جاتے ہیں تعلیم، خطابت، تالیف، سیاست جیسے شعبوں میں بہت سی نامور شخصیات کا شمار آپ کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔غرض آپ کی درسگاہ سے سینکڑوں طلباء فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔

اساتیذ کرام

آپ کے نمایاں ترین اساتذہ سید مرعشی، شیخ لنکرانی، اور شیخ جواد تبریزی رضوان اللہ علیہم ہیں اور وہ دوسرے اساتذہ جن کے سامنے آپ نے زانوے ادب طے کیے اور ان سے مختلف علوم وفنون سیکھے میں سے بعض کا تذکرہ ہم یہاں کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان میں سے گذشتگان کی مغفرت کرے اور باقی رہنے والوں کی حفاظت فرمائے۔

علم کلام: عقائد امامیہ اپنے والد گرامی سید علی علوی اور حجت الاسلام شیخ عبدالقائم شوشتری کے پاس اور باب الحادی عشر شیخ علی پناہ سے پڑھی اور شیخ غلام رضا صلواتی سے دوبارہ اسی کتاب کو پڑھا شرح تجرید آیت اللہ شیخ محمد جیلانی کے پاس پڑھی۔

علم اخلاق: جامع السادات اپنے والد اور آیت اللہ العظمیٰ سید مرعشی نجفی سے پڑھی۔

علم النحو والصرف: 1۔ النحو الواضح جلد اول کے نو دروس سید اسماعیل صدر کے بیٹے سید حسین صدر سے پڑھے، پھر یہی دروس دوبارہ اور باقی ماندہ دروس اپنے والد سے پڑھے۔2۔شرح ابن عقیل اپنے والد سے 3۔مغنی اللبیب کا پہلا اور چوتھا باب شیخ غلام رضا عالمی سے

علم معانی وبیان: 1۔البلاغہ الواضحہ اپنے والد سے 2۔ مختصر المعانی آیت اللہ شیخ حسن تہرانی سے 3۔المطول علامہ سید محسن جرجانی سے

علم منطق: 1۔خلاصہ المنطق و منطق مظفر اپنے والد گرامی سے۔
2۔حاشیہ الملا عبداللہ آیت اللہ شیخ زین العابدین باکوئی سے۔

علم فلسفہ: شرح المنظومہ آیت اللہ شہید مرتضی مطہری اور المنظومہ آیت اللہ

شیخ انصاری شیرازی سے پڑھی جبکہ الاسفار آیت اللہ سید رضا صدر سے پڑھی۔

علم اصول فقہ: 1۔معالم الدین اپنے والد گرامی اور آیت اللہ شیخ مرتضیٰ مقتدائی سے۔2۔اصول المظفر آیت اللہ علامہ شیخ حسن تہرانی سے۔3۔التوابین آیت اللہ شیخ محسن دوزدوزانی سے۔4۔فرائد الاصول (الرسائل) آیت اللہ شیخ ابو القاسم محمودی اشتہاردی اور آیت اللہ سید ابوالفضل موسوی تبریزی سے۔5۔کفایۃ الاصول آیت اللہ شیخ محمد فاضل لنکرانی اور آیت اللہ شیخ محمد ستودہ سے۔6۔خارج اصول آیت اللہ شیخ محمد فاضل لنکرانی، آیت اللہ شیخ جواد تبریزی، آیت اللہ شیخ وحید خراسانی اور آیت اللہ سید محمد روحانی سے۔

علم فقہ: 1۔سید حکیم کی منہاج الصالحین اپنے والد گرامی سے۔2-عروۃ الوثقیٰ کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلاۃ دونوں آیت اللہ شیخ حسین تقی اشتہاردی کے پاس۔
3-شرح لمعہ آیت اللہ شیخ مرتضیٰ مقتدائی کے پاس۔4-مکاسب آیت اللہ شیخ ستودہ اور آیت اللہ سید حسین موسوی دونوں کے پاس۔5-درس خارج آیت اللہ العظمیٰ سید محمد رضا گلپائیگانی، آیت اللہ العظمیٰ سید مرعشی نجفی، آیت اللہ العظمیٰ شیخ جواد یزی، آیت اللہ سید رضا صدر اور آیت اللہ العظمیٰ سید محمد روحانی کے پاس۔

علم تجوید اور دوسرے علوم: 1-تفسیر: آیت اللہ العظمیٰ شیخ عبداللہ جوادی آملی۔
2-نہج البلاغہ: آیت اللہ العظمیٰ شیخ حسین نوری۔3 نفسیات اور تاریخ الأدیان: علامہ شیخ محمد آل اسحاق۔4۔علم الھیئۃ: علامہ آیت اللہ شیخ حسن زادہ آملی۔
5 خلاصۃ الحساب: علامہ سید جواد ذھنی۔6 علم درایہ اور علم رجال: آیت اللہ العظمیٰ سید موسیٰ شبیری زنجانی۔

تصنیف وتالیف

سید بزرگوار نے پندرہ سال کی عمر میں ہی تصنیف وتالیف کا کام شروع کر دیا تھا۔جیسا کہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ابھی سن بلوغت میں نہیں پہنچا تھا کہ میرے والد محترم نے میرے وجود میں تصنیف وتالیف کی روح پیدا کر دی۔وہ میری زندگی کے پہلے مربی تھے۔

www.shiabookspdf.com

وہ مجھے بار بار ترغیب دلاتے کہ میں کوئی کتاب لکھوں ۔ حالانکہ اس وقت میری عمر صرف پندرہ سال تھی ۔ میرے خیال میں یہ بات نہیں تھی کہ میں یہ جو کام کرنے لگا ہوں اِس کا نتیجہ کیا ہوگا؟! میرے والد کا مقصد میری تربیت کرنا تھا اور وہ تالیف کے میدان میں مجھے کامیاب دیکھنا چاہتے تھے ۔ وہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا ۔ تو میں نے اُس کی مناسبت سے حج کی فضیلت کے بیان میں چند اوراق لکھ دیے ۔ پھر اُس کی طباعت ہوئی اور اُسے بلا معاوضہ لوگوں میں تقسیم کیا گیا ۔ اُس کے بعد میں نے تسلسل کے ساتھ لکھنا شروع کر دیا ۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے جوانوں سے متعلقہ مسائل کے بارے میں دسیوں صفحات لکھے اور اِسی طرح امام حسینؑ کے انقلاب عاشورہ اور اُس کے آثار کے بارے میں خاصا کام کیا ۔ مگر افسوس کہ جب میں نے عراق سے ہجرت کی تو وہ اوراق وہیں رہ گئے ۔ خدا جانے اُن کا کیا بنا ۔ میں سارا معاملہ اُسی کے سپرد کرتا ہوں وہ سب سے بہترین مددگار ہے ۔

جب میں خدا کی مدد اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لطف کی بدولت حوزہ علمیہ قم المقدسہ میں پہنچا تو وہاں میں نے دینی مناسبتوں کے حوالہ سے مقالہ جات لکھنا شروع کر دیے ۔ یہاں تک میری عمر بیس سال ہوگئی ۔ پھر میں نے آیت اللہ فاضل لنکرانی طاب ثراہ کی تقاریر کو لکھا کہ جو طلب و ارادہ اور جبر و اختیار کے عنوان سے تھیں ۔ وہ کتاب دو جلدوں میں تیار ہوئی اور اُس پر استادِ محترم کے ساتھ میرے والد صاحب بھی تقریظ لکھی ۔ میرے والد نے کہا تھا کہ میری خواہش ہے کہ میں تمہاری کتاب شائع کروں ۔ مگر اِس شرط کے ساتھ کہ لوگوں کی باتیں اور تنقید تمہارے عزم و حوصلے میں کمی نہ پیدا کرے ۔ کیونکہ جو شخص کتاب کا مصنف ہو اُسے بالآخر لوگوں کی تنقید کا ہدف بنا پڑتا ہے ۔ اِس پر میں نے اپنے والد سے عہد کیا کہ اُن کی ہدایات پہ مکمل طور پر عمل کروں گا ۔ تو میری پہلی کتاب طبع ہوئی اور وہ ۱۳۹۸ ہجری تھا ۔ وہ کتاب یہ تھی:

الحق والحقیقة بین الجبر والتفویض

اِس کے علاوہ بھی سید نے بیسیوں کتابیں لکھیں ۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

① احکام دین ② لمحة من حیاة الإمام القائد (امام خمینیؒ کے بارے میں) ③ فقه ومناسک ④ الکوکب الدرّی فی حیاة السیّد العلوی (قدس سرہ)

www.shiabookspdf.com

[اپنے والد محترم کے سوانح حیات] ⑤ السعید و السعادة بین القدماء والمتأخرین ⑥ هذه هي الولاية ⑦ رسالة فی مفهوم العشق ⑧ رسالة المؤمن مرآة المؤمن ⑨ امام و قیام (انقلاب اسلامی ایران کے بارے میں) ⑩ عقائد المؤمنین ⑪ الامام الحسینؑ فی عرش الله ۔ ⑫ علیؑ . فی الکتاب والسنة ⑬ رسالة فی رحاب الحسینیات ⑭ تحفة الزائرین اور دیگر کتب ۔

مراجع عظام کی تائیدات

درج ذیل علماء و مراجع کرام نے آپ کی توثیق کی ۔ اِن کے اجازہ جات کے عکس قبلہ کی ویب سایٹ پہ ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں:

- والد عزیز، آیة الله سیّد علی علوی (قدس سرہ)
- آیة الله محمد تقی ستودة (قدس سرہ)
- آیة الله العظمی محمد فاضل لنکرانی (قدس سرہ)
- آیة الله العظمی سیّد محمد رضا گلپایگانی (قدس سرہ)
- آیة الله العظمی سیّد شهاب الدین مرعشی نجفی (قدس سرہ)
- آیة الله العظمی سید ابو القاسم خوئی (قدس سرہ)
- آیة الله العظمی سید محمد مفتی شیعة (قدس سرہ)
- آیة الله العظمی شیخ ناصر مکارم شیرازی
- آیة الله العظمی شیخ محمد تقی بهجت (قدس سرہ)
- آیة الله شیخ حسین مظاهری
- آیة الله سید محمد حسن مرتضوی لنگرودی (قدس سرہ)
- استاد حسین علی محفوظ (قدس سرہ)
- آیة الله سید محمد بن مهدی حسینی شیرازی (قدس سرہ)
- آیة الله شیخ محمد بن علی رازی (قدس سرہ)

- آیۃ اللہ سیّد جزائری
- آیۃ اللہ العظمیٰ سیّد عبداللہ شیرازی (قدس سرہ)
- آیۃ اللہ العظمیٰ سیّد مہدی اخوان مرعشی (قدس سرہ)
- آیۃ اللہ العظمیٰ سیّد محمد شاہرودی
- آیۃ اللہ سیّد محمود موسوی دھسرخی (قدس سرہ)
- آیۃ اللہ العظمیٰ محمد علی عراقی (أراکی) (قدس سرہ)

سماجی اور ثقافتی خدمات

*

سماجی اور فلاحی ادارے

- موسسہ اسلامی جہانی تبلیغ وارشاد
- کاظمین چینل
- علوی ترجمہ کا مرکز
- علماء اور خطباء کی انجمنیں
- إمام سجاد-علیہ السلام-فلاحی کلینک
- سوالات اور جوابات کا مرکز
- تبلیغ وارشاد کا منشور
- علوی چینل اور سائٹ.نیٹ

مجلّے اور اخبار

- مجلہ کوثر
- اخبار صوت کاظمین
- مجلہ عشاق اھل بیت

www.shiabookspdf.com

جوامع

- جامع علوی بغداد میں
- قم میں مسجد علوی

لائبریریاں

- دار المحققین اور امام صادق (ع) لائبریری
- امام علی بن الحسین (علیہ السلام) لائبریری
- امام کاظم (علیہ السلام) لائبریری
- امام جواد (علیہ السلام) لائبریری
- امام رضا (علیہ السلام) لائبریری

امام بارگاہیں

- إمامین کاظمین-قم
- إمامین الجوادین-مشھد
- دولت آباد میں مقیم کاظمین والے
- تہران میں مقیم کاظمین والے
- کاشان میں مقیم کاظمین والے
- إصفھان میں مقیم کاظمین والے
- حسینیہ أم البنین-قرچك
- اھواز میں مقیم کاظمین والوں کا امام بارگاہ
- حسینیہ إمامین کاظمین-اھواز

مدارس علمیہ

- مدرسہ امامین جوادین (علیہما السلام)
- مدرسہ علوی دینیہ
- حوزہ امام کاظم (علیہ السلام)

خدا سے دعا ہے کہ وہ سید بزرگوار کا سایہ ملت اسلامیہ پہ قائم ودائم رکھے اور انہیں شب وروز دین کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لیے ہیں جس نے اولیاء کو اپنی ذات کے ذریعے اپنی طرف ہدایت دی، مخلوق کو اپنی معرفت کا درس دیا اور لوگوں کی اپنے راستے کی جانب راہنمائی کی۔ خدا درود ہو پوری کائنات سے مشرف سرکار خاتم الانبیاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آل سے ہونے والے معصوم آئمہؑ پر۔ جو تمام خلق خدا سے برتر و بالاتر، ہدایت کے چراغ، نجات کے سفینے اور تقویٰ وطہارت کے انوار ہیں۔ خدا کی ابدی لعنت ہو اُن کے تمام دشمنوں اور فضائل و مقامات کا انکار کرنے والوں پر۔۔۔تا قیامت و بعد قیام قیامت۔۔۔

ارباب خرد پہ مخفی نہیں جیسا کہ علماء اخلاق اور اہل معرفت کے یہاں بھی مشہور ہے کہ انسان کے اعضائے بدن میں دل ایک ایسا عضو ہے جو پورے بدن پر حاکم و امیر ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہو تو بدن کے دوسرے اعضاء بھی ٹھیک ہوتے ہیں اور اپنے امور انجام دیتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین و آئین کے پابند ہوتے ہیں اور بظاہر زندگی وموت کا سکون بھی اسی میں ہے۔

دین اِسلام نے بھی اسی اصول کو اپناتے ہوئے اپنی اصلاحی اور اخلاقی دعوت میں قلب کی تہذیب اور اس کو روحانی ونفسانی امراض اور برے اخلاق و مذموم صفات سے پاک رکھنے کا حد درجہ اہتمام کیا ہے۔ یہ دین اِنسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے قلب کو بری عادات واطوار اور ناپسندیدہ خصال سے دور رکھے اور اچھے اخلاق و پاکیزہ صفات سے آراستہ کرے اور اسے بار صیقل کرتا رہے، یہاں تک کہ اس کی جلاء اپنے عروج وکمال کو پہنچ جائے۔ اِسی کو دوسرے لفظوں میں خدائے ذوالجلال تک پہنچنا، فنافی اللہ ہو جانا اور باقدرت بادشاہ کے حضور میں قوسین ادنیٰ کا قرب حاصل کر لینا کہتے ہیں۔ اس مرحلے میں انسان قلب سلیم کے ساتھ خدا سے ملاقات کرتا ہے اور اُس کے دل میں خدا کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔

اس پر مزید یہ کہ دل زندہ رہنے والی اور دائمی ولازوال شے ہے۔ یہ اپنی نورانیت کے ساتھ خدا کی جانب مسلسل رواں دواں ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ راستے کے پیچ و پر خم تاریکیوں میں بھٹک کر رہ جاتا۔ اس کی زندگی کا دارومدار نور پر ہے۔ اب ہم اس مسئلے کو فرمان معصومؑ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ارشاد ہے: ''علم'' زیادہ سیکھنے کا نام نہیں، بلکہ علم تو ایک نور ہے، خدا جس کی ہدایت چاہتا ہے اُس کے دل میں کو ڈال دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دل کا نور علم ہے۔ معرفت اس کے مترادف یا اس کا لازمہ ہے، اس لیے وہ بھی قلب کا نور ہے۔

جیسا کہ مولا امیر علیہ السلام کا فرمان ہے: ایمان، دل سے معرفت رکھنے کا نام ہے۔ اسی طرح خداوند سبحان ہمیں اپنی کتاب میں ایمان کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

یا ایھا الذین آمنوا آمنوا باللہ و رسولہ

''اے ایمان والو! خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ''۔ ①

www.shiabookspdf.com

اس سے ثابت ہوا ایمان سے مراد معرفتِ قلبی ہے اور معرفت نورِ قلب کا نام ہے۔ لہٰذا ایمان بھی قلب کا نور ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے: المعرفة بنیان النبل ''معرفت، شرافت کی عمارت ہے''۔ المعرفة برھان الفضل ''معرفت، فضیلت و برتری کی واضح ترین دلیل ہے''۔ المعرفة الفوز بالقدس ''معرفت، پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے''۔ المعرفة اصل فرعه الایمان ''معرفت، ایک اصل ہے جس کی فرع ایمان ہے''۔ ②

اِس فرمان الٰہی: لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: فطرھم اللہ علی المعرفة خدا نے لوگوں کو اپنی معرفت پر خلق کیا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد کیا: ایھا الناس! علیکم بالطاعة و المعرفة اے لوگو! تم پر اطاعت اور

① (سورۃ نساء: ۱۳۶)

② (میزان الحکمہ: ۶/ ۱۳۰)

معرفت حاصل کرنا واجب ہے۔[1]

صادق آلِ محمد علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے اِس آیت کریمہ و من یوت الحکمۃ فقد اُوتی خیرا کثیرا کے متعلق فرمایا: الحکمۃ المعرفۃ یہاں حکمت سے مراد معرفت ہے۔[2]

ایک اور مقام پر فرمایا:

اِن الحکمۃ: المعرفۃ و التفقہ فی الدین. فمن فقہ منکم فھو حکیم و ما احد یموت من المؤمنین احب الی ابلیس من فقیہ

(حکمت سے مراد معرفت اور دین کا فہم وشعور حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو بھی دین کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو وہ صاحبِ حکمت ہے۔ مومنوں میں سے جو بھی دنیا سے رخصت ہوتا ہے، ابلیس لعین کو ایک فقیہ کی موت سے زیادہ محبوب نہیں ہوتا۔)

مزید فرمایا: الحکمۃ ضیاء المعرفۃ. و میراث التقوی اور ثمرۃ الصدق

"حکمت معرفت تک پہنچانے والی روشنی، تقوی کی میراث اور صداقت وحق گوئی کا ثمرہ ہے"۔

نیز فرمایا: ان المعرفۃ التصدیق و التسلیم بے شک معرفت نام ہی تصدیق کرنے اور ماننے کا ہے۔

نیز فرمایا:

ان حق المعرفۃ ان تطیع ولا تعصی، و تشکر ولا تکفر. فمن عرف دلتہ المعرفۃ علی العمل

بلاشبہ معرفت کا حق یہ ہے کہ تم اطاعت کرو، حکم کی خلاف ورزی نہ کرو، شکر بجالاؤ اور کفران و انکار نہ کرو۔ جو شخص معرفت حاصل کر لے ہے تو یہ اُسے

[1] (بحار الانوار: ۳/۲۷۹)

[2] (بحار: ۲/۱۰۰)

عمل کی طرف لے جاتی ہے۔

نیز فرمایا:

بعضکم اکثر صلاۃ من بعض، و بعضکم اکثر حجا من بعض، و بعضکم اکثر صدقۃ من بعض، و بعضکم اکثر صیاما من بعض، و افضلکم افضلکم معرفۃ

"تم میں سے بعض دوسروں کی نسبت زیادہ نمازی ہوتے ہیں، بعض دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حج کرنے والے ہوتے ہیں، بعض دوسروں سے بڑھ کر صدقہ کرنے والے ہوتے ہیں اور بعض دوسروں کی نسبت زیادہ روزہ دار ہوتے ہیں۔ لیکن تم سب سے زیادہ فضیلت والا وہ ہے جو تم میں معرفت کے لحاظ سے سب سے بلند ہے۔ (بحار: ۳/۱۴)

نیز فرمایا: افضلکم ایمانا افضلکم معرفۃ تم میں ایمان کے اعتبار سے وہی سب سے افضل ہے جو معرفت میں سب سے آگے ہے۔

www.shiabookspdf.com

امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لا یقبل عمل الا بمعرفۃ. ولا معرفۃ الا بعمل. و من عرف دلتہ المعرفۃ علی العمل، و من لم یعرف فلا عمل لہ

"کوئی بھی عمل معرفت کے بغیر قبول نہیں ہوتا، اور نہ معرفت عمل کیے بغیر حاصل ہو سکتی ہے۔ جو معرفت حاصل کرتا ہے تو یہ اُسے عمل کی طرف لے جاتی ہے اور جس کے پاس معرفت نہ ہو اُس کے کسی عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: انکم لا تکونون صالحین حتی تعرفوا و لا تعرفون حتی تصدقوا "تم اُس وقت صالح نہیں بن سکتے جب تک معرفت حاصل نہ کر لو اور اُس وقت تک تمہیں معرفت نہیں مل سکتی، جب تک تم صدقہ نہ کرو"۔

اِن روایات کا ایک سرسری جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان کی

اصل قدر و منزلت اور دنیا و آخرت میں سربلندی کا راز معرفت کے حصول میں پوشیدہ ہے۔ کیونکہ یہی اُس کو اچھے اور نیک اعمال کی طرف لے کر جاتی ہے۔ تو مبارک ہو اُس شخص کو جس نے اپنے نفس کی معرفت حاصل کر لی۔ جو اِس کی معرفت حاصل کر لے وہ خدا کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور جسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہو جائے وہ ہر چیز کی حقیقت جان لیتا ہے۔ کیونکہ خدا وجودِ مطلق اور مطلق وجود ہے اور خدا میں تمام صفات کمالیہ و جمالیہ و جلالیہ پائی جاتی ہیں۔

زید زراد (زرہ ساز) نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے، آپ نقل کرتے ہیں کہ میرے بابا نے مجھ سے فرمایا: نورِ نظر! ہمارے شیعوں کے مرتبہ کو اُن کے روایات نقل کرنے اور معرفت، کے معیار سے پہچانو۔ بے شک معرفت سے مراد روایت کی سمجھ و درایت ہے۔ روایات میں درایت اور غور و فکر کرنے سے مومن ایمان کے بلند ترین درجوں تک پہنچ جاتا ہے۔ میں نے کتاب علیؑ میں دیکھا ہے وہاں لکھا ہوا تھا کہ ہر شخص کی قدر و قیمت اُس کی معرفت کے مطابق ہوتی ہے۔ (میزان الحکمہ: ۶/۱۳۳)

معرفت کا متعلق اپنے مصادیق و موارد اور متعلقات کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ بہت سی معرفتیں انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں۔ جیسا کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے۔ سب سے بہترین معرفت جس کا متعلق سب سے افضل و اعلیٰ ہے وہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی معرفت ہے۔ لہٰذا معرفت کا پہلا زینہ اُس خدا کو پہچاننا ہے جو مبدء اول ہے، پھر معاد کی معرفت کا مرحلہ آتا ہے۔ اِس کے بعد ابداءِ اولیٰ سے معاد کے مابین خدا کی ظاہر ہونے والی صفات، اُس کے عادل ہونے، نبوت و امامت، دین کے فروعات، احکام و اخلاقیات اور ہر اُس چیز کی معرفت حاصل کرنا جو انسان کی ہدایت و فلاح اور کامیابی کا سبب بنتی ہے۔

پھر نبوتوں، آسمانی شرائع اور وصایا و امامت سب کا مقصد انسان کو معرفت کے اتمام و اکمال تک پہنچانا ہے۔ انسان کا کمال و تکامل ہی زندگی کا فلسفہ اور خلقت کا راز ہے۔ تاکہ انسان زمین میں خدا کا خلیفہ بن کر رہے اور اُس میں خدا کے اسماء و صفات کی تجلی نمایاں ہو۔

خلاصہ یہ کہ انسان اپنے علم و معرفت کی وجہ سے ساری کائنات سے ممتاز و بالاتر ہے۔ جیسا کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی وحی کے کلمات ہیں: پڑھیے! اپنے اُس رب کے نام

سے جس نے خلق کیا۔۔۔ جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی اور انسان کو وہ کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ بھی اِسی علم و معرفت کی بنیاد پر کیا تھا۔ جیسے ارشادِ قدرت ہے: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (اور اُس نے حضرت آدم کو تمام اسماء سکھا دیے۔ سورۃ بقرہ: ۳۱)

انسان اپنے خالق کی معرفت اُسی حساب سے حاصل کرتا ہے جتنی خدا نے اُس میں حس و عقل رکھی ہے۔ اِس کی مدد سے انسان وہ تمام چیزیں درک کر لیتا ہے جنہیں وہ مطلقاً جانتا ہی نہیں یا وہ اُس کی تعلیت سے خارج ہوتی ہیں جیسے فطرات اولیہ کے ادراکات۔

اس بنا پر معرفت ایک مشکک کلی ہے جس کے طولی و عرضی مراتب ہیں اور اُن میں شدت وضعف اور تقدم و تاخر کے لحاظ سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اِس کی اصل علم و دراست ہے۔ جس طرح کہ علم کی اصل تصور و تفہم ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام سے یہی روایت کیا گیا ہے۔ نیز آپؑ نے فرمایا: افضل المعرفة معرفة الانسان نفسه "سب سے افضل معرفت، انسان کا اپنی ذات کی معرفت حاصل کرنا ہے"۔ نیز فرمایا: غاية المعرفة ان يعرف المرء نفسه "معرفت کی انتہا یہ ہے کہ انسان کو اپنی ذات کی معرفت ہو"۔

www.shiabookspdf.com

ایک مقام پر فرمایا: نال الفوز الاكبر من ظفر بمعرفة النفس "جس شخص نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد کیا: من جهل نفسه كان بغيره اجهل "جو اپنے آپ سے بے خبر ہو تو وہ دوسرے کی نسبت زیادہ لاعلم ہوگا"۔ نیز فرمایا: لا تجهل نفسك، فان الجاهل بمعرفة نفسه جاهل بكل شيء "اپنے نفس سے بے خبر نہ رہو، کیونکہ جسے اپنے نفس کی معرفت نہ ہو وہ ہر شے سے جاہل ہوتا ہے"۔ نیز فرمایا: من شغل نفسه بغير نفسه تحير في الظلمات وارتبك في الهلكات، ولم يعرف نفسه "جو خود کو اپنے نفس کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ مشغول رکھے وہ تاریکیوں میں بھٹکتا ہے، ہلاکتوں میں سرگرداں رہتا ہے اور اپنے نفس کو نہیں پہچانتا"۔ نیز فرمایا: من عرف نفسه كان لغيره اعرف "جو اپنے نفس کو پہچان لے وہ اپنے غیر کو زیادہ پہچاننے والا ہوگا۔ نیز فرمایا: من عرف قدر نفسه لم يهنها بالفانيات "جو

شخص اپنے نفس کی قدر پہچان لے تو وہ فنا ہونے والی چیزوں سے اُس کو کمزور نہیں کرتا"۔ نیز فرمایا: من عرف نفسه جاهدها و من جهل نفسه اهملها "جو اپنے نفس کو پہچان لے وہ اُس کے ساتھ جہاد کرتا ہے اور جو اُس سے جاہل رہے وہ اُسے بے کار چھوڑ دیتا ہے۔ نیز فرمایا: من عرف نفسه فقد انتهى الى غاية كل معرفة و علم "جس نے اپنے نفس کی معرفت حاصل کر لی وہ ہر چیز کی معرفت وعلم کی انتہاء کو پہنچ گیا"۔ نیز فرمایا: من عرف الله توحد، و من عرف نفسه تجرد، و من عرف الناس تفرد، و من عرف الدنيا تزهد "جسے خدا کی معرفت ہوگی وہ اُسے واحد و یکتا سمجھے گا، جو اپنے نفس کی معرفت حاصل کر لے وہ تجرد علیحدگی اختیار کرے گا، جو لوگوں کو پہچان لے گا وہ الگ ہو جائے گا اور جو دنیا کو سمجھ جائے گا وہ زہد و پرہیزگاری اختیار کرے گا۔

نیز فرمایا: من عرف نفسه فقد عرف ربه "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے خدا کو پہچان لیا"۔ نیز فرمایا: اكثر الناس معرفة لنفسه اخوفهم لربه "جو سب لوگوں سے زیادہ اپنے نفس کی معرفت رکھتا ہو وہ سب سے زیادہ اپنے رب کا خوف کرنے والا ہوتا ہے"۔

www.shiabookspdf.com

نیز فرمایا: ينبغي لمن عرف نفسه ان يلزم القناعة و العفة ان لايفارق الحزن و الحذر [ان لا يفارقه الحذر و الندم خوفا ان تزل به عند العلم القدم] ان ينزهها عن دناءة الدنيا "جو شخص اپنے نفس کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہو اُس کے لیے لازم ہے قناعت و پاکدامنی اختیار کرے تاکہ حزن وخوف اُس سے جدا نہ ہو، (یا تاکہ اُسے ہمیشہ خوف وندامت کا احساس رہے کہ کہیں علم ہوتے ہوئے بھی اُس کا قدم پھسل نہ جائے)۔ یوں وہ اُسے دنیا کی پستی سے آلودہ ہونے سے بچائے رکھے۔

نیز فرمایا: الكيس من عرف نفسه و اخلص اعماله "عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کی معرفت حاصل کرے اور اپنے اعمال کو (صرف خدا کے لیے) خالص کر دے"۔

نیز فرمایا: من عرف نفسه جل امره "جو اپنے نفس کو پہچان لے اُس کا معاملہ اہم ہو جاتا ہے"۔ نیز فرمایا: معرفة النفس انفع المعارف "نفس کی معرفت سب سے زیادہ

سود مند معرفت ہے۔ نیز فرمایا: معرفة الله اعلى المعارف "خدا کی معرفت تمام معارف میں سب سے اعلیٰ ہے"۔

نیز فرمایا:

لو يعلم الناس ما فى فضل معرفة الله عز و جل ما مدوا اعينهم الى ما متع الله به الاعداء من زهرة الحياة الدنيا و نعيمها، و كانت دنياهم اقل عندهم مما يطؤونه بارجلهم و لنعموا بمعرفة الله جل و عز، و تلذذوا بها تلذذ من لم يزل فى روضات الجنان مع اولياء الله. ان معرفة الله عز و جل انس من كل وحشة، و صاحب من كل وحدة، و نور من كل ظلمة، و قوة من كل ضعف، شفا من كل سقم

"اگر لوگ جان لیں کہ خدا کی معرفت حاصل کرنے میں کتنی زیادہ فضیلت ہے تو وہ ہرگز دنیا کی آسائشوں اور اُن نعمتوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ لگائیں جو خدا نے اپنے دشمنوں کو عطا کی ہیں۔ پھر وہ اُن کی دنیا سے کم تر سمجھیں گے جسے وہ اپنے پاؤں کے نیچے روندتے ہیں۔ اِس کے ساتھ وہ خدا کی معرفت پر قانع ومطمئن رہتے اور ایسی لذت سے بہرہ ور ہوتے کہ جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو خدا کے اولیاء کے ساتھ جنتوں کے باغات میں ہوتا ہے، خدا کی معرفت ہر وحشت میں مونس، ہر تنہائی کا ساتھی ،ہر تاریکی میں نور، ہر کمزوری میں قوت اور ہر بیماری کی شفا ہے"۔

ایک مقام پر فرمایا: ثمرة العلم معرفة الله "علم کا پھل خدا کی معرفت ہے۔ نیز فرمایا: يسير المعرفة يوجب الزهد فى الدنيا "معرفت بڑھتی ہے اور دنیا میں زہد اختیار کرنے کا موجب بنتی ہے"۔

ایک دوسرے مقام پہ ارشاد کیا: من صحت معرفته انصرفت عن العالم الفانى نفسه و همته "جس شخص کی معرفت صحیح ہوتی ہے وہ اُس کے نفس اور خیال کو اِس فنا ہونے والی

دنیا سے دوسری طرف پھیر دیتی ہے"۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: من لم یعقل عن الله لم یعقد قلبه علی معرفة ثابتة یبصرها و یجد حقیقتها فی قلبه "جو شخص خدا سے سمجھنے کی قوت حاصل نہ کرے اُس کا دل ایسی ثابت و محکم معرفت پر قائم نہیں رہتا ہے جسے وہ دیکھ سکے اور جس کی حقیقت کو اپنے دل میں محسوس کر سکے"۔ [1]

حدیثِ معراج میں ہے۔ خدا فرماتا ہے:

.... فمن عمل برضائی الزمه ثلاث خصال: اعرفه شکرا لا یخالطه الجهل، و ذکرا لا یخالطه النسیان، و محبة لا یؤثر علی محبتی محبة المخلوقین، فاذا احبنی احببته و افتح عین قلبه الی جلالی، و لا اخفی علیه خاصة خلقی، و اناجیه فی ظلم اللیل و نور النهار، حتی ینقطع حدیثه مع المخلوقین، و مجالسته معهم و اسمعه کلامی و کلام ملائکتی و اعرفه السر الذی سترته عن خلقی، و البسه الحیاء حتی یستحی منه الخلق کلهم و یمشی علی الارض مغفورا له و اجعل قلبه واعیا و بصیرا، و لا اخفی علیه شیئا من جنة و لا نار، و اعرفه ما یمر علی الناس فی القیامة من الهول و الشدة و ما احاسب به الاغنیاء و الفقراء و الجهال و العلماء و انومه فی قبره، و انزل علیه منکرا و نکیرا حتی یسألاه و لا یری غم الموت و ظلمة القبر و اللحد و هول المطلع، ثم انصب له میزانه و انشر دیوانه، ثم اضع کتابه فی یمینه فیقرأه منشورا ثم لا اجعل بینی و بینه ترجمانا، فهذه صفات المحبین

[1] (الکافی ۱/۱۸)

www.shiabookspdf.com

"جو شخص میری رضا پر کاربند رہے گا میں اُسے تین چیزوں سے نوازوں گا۔ میں اُس کو ایسے شکر کی توفیق دوں گا جس میں جہالت نہ ہوگی، ایسی قوت حافظہ دوں گا کہ اُس سے کبھی بھول چوک نہ ہوگی اور ایسی محبت عطا کروں گا کہ وہ مخلوق کی محبت کو میری محبت پر حاوی نہیں کرے گا۔ جب وہ مجھ سے محبت کرے گا تو میں بھی اُس سے محبت کروں گا اور اُس کے دل کی نگاہ کو اپنے جلال کی طرف کھول دوں گا۔ میں اپنی خاص مخلوق کو اُس سے مخفی نہیں رکھوں گا اور رات کی تاریکیوں اور دن کے اجالے میں اُس کے ساتھ باتیں کروں گا۔ حتیٰ کہ اُس کی مخلوق کے ساتھ باتیں اور اُن کے پاس اٹھنا بیٹھنا ختم ہو جائے گا۔ میں اُسے اپنا اور اپنے ملائکہ کا کلام سناؤں گا اور اُسے وہ راز بتادوں گا جو میں نے باقی مخلوق سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ میں اُسے حیا کی چادر اُوڑھا دوں گا حتیٰ کہ ساری مخلوق اُس سے حیا کرے گی۔ وہ زمین پر اِس حال میں چلے گا کہ اُس کے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ میں اُس کے دل کو باشعور اور دیکھنے والا بناؤں گا، اپنی جنت اور جہنم کو اُس سے مخفی نہ رکھوں گا، میں اُسے اُن سختیوں اور شدائد کے بارے میں بتاؤں گا جن کا قیامت میں لوگوں کو سامنا ہو گا اسی طرح میں اُسے یہ بھی بتاؤں گا کہ میں اغنیاء، فقراء، جہال اور علماء کن کن چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ کروں گا، میں اُسے قبر میں میٹھی نیند سلاؤں گا اور سوالات و جوابات کے لیے منکر و نکیر اُس کے پاس بھیجوں گا۔ وہ موت کی شدت، قبر و لحد کی تاریکی اور ورود کی سختی نہ دیکھے گا۔ پھر میں اُس کے لیے میزان نصب کروں گا اور اُس کے اعمال کا دفتر کھولوں گا۔ میں اُس کا نامۂ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ پر رکھوں گا اور وہ اُس کو کھول کر پڑھے گا۔ اِس کے بعد میں اپنے اور اُس کے درمیان کسی کو بھی بات کرنے

کا وسیلہ نہیں بناؤں گا۔ تو یہ ہیں اہل محبت کے اوصاف۔ ①

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: من سکن قلبه العلم بالله سکنه الغنی عن خلق الله "جو شخص اپنے دل میں خدا کے بارے میں علم رکھے گا خدا اُسے مخلوق سے بے نیاز کر دے گا"۔

ایک اور مقام پر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ینبغی لمن عرف الله سبحانه ان لا یخلو قلبه من رجائه و خوفه طرفة عین "جو شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ اُس کا دل پلک جھپکنے کی دیر بھی اُس سے امید اور اُس کے خوف سے خالی نہ رہے۔

ان یتوکل علیه "وہ اُس پر توکل کرے"۔

کیف لا یشتد خوفه "اُس کے خوف میں شدت کیوں نہ ہو"۔

نیز فرمایا: غایة المعرفة الخشیة "معرفت کا مقصد خدا کا خوف پیدا کرنا ہے"۔

نیز فرمایا: اعرف الناس بالله اعذرهم للناس و ان لم یجد لهم عذرا "وہ شخص سب سے زیادہ خدا کی معرفت رکھنے والا ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کے عذر قبول کرے، اگرچہ اُن کے پاس کوئی معقول عذر نہ بھی ہو"۔

نیز فرمایا: اکثرهم لله مسألة "وہ جو سب سے زیادہ خدا سے دعا وسوال کرتا ہے۔

ارضاهم بقضاء الله عز و جل "وہ جو سب سے زیادہ خدا کے فیصلے پر راضی رہتا ہے"۔

حقیقی عارف وہ ہے جس کے مولا امیر المومنین علیہ السلام نے یہ اوصاف ذکر کیے ہیں:

العارف . من عرف نفسه فاعتقها و نزهها عن کل ما یبعدها و یوبقها

حقیقی معرفت رکھنے والا شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو پہچان کر اُسے آزاد کرے اور اُسے ہر اُس چیز سے پاک کر دے کہ جو خدا کی رحمت سے دور کرنے اور ہلاکت میں ڈالنے والی ہو۔

وجهه مستبشر متبسم . و قلبه وجل محزون "اُس کا چہرہ بارونق اور ہشاش

① میزان الحکمہ)

بشاش جبکہ اُس کا دل خائف وترساں ہوتا ہے"۔

نیز فرمایا:

کل عارف عازف . شخصه مع الخلق و قلبه مع الله . لو سها قلبه عن الله طرفة عین لمات شوقا الیه

(ہر عارف دوسروں سے کنارہ کشی اختیار کرنے والا ہوتا ہے۔ اُس کا جسم لوگوں کے ساتھ مگر دل ہمیشہ خدا کے ساتھ مربوط رہتا ہے۔ اور وہ پلک ہلنے کی دیر بھی خدا سے غافل ہو تو اُس کے وصال کے شوق میں مرجائے)۔

نیز فرمایا: الشوق خلصان العارفین "شوق اہل معرفت کا ہمیشہ پاس رہنے والا ساتھی ہے"۔ نیز فرمایا: الخوف جلباب العارفین "خوف خدا اہل معرفت کا اُوڑھنا بچھونا ہے۔ نیز فرمایا: البکاء من خیفة الله عبادة العارفین "خوف خدا سے رونا معرفت رکھنے والوں کی عبادت ہے۔ نیز فرمایا: لکل شیء معدن و معدن التقوی قلوب العارفین "ہر چیز کی ایک کان ہوتی ہے اور تقویٰ کی کان اہل معرفت کے دل ہیں"۔ ①

www.shiabookspdf.com

اِس باب میں روایات کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ہم نے اُن میں سے بعض کو یہاں اس لیے ذکر کیا ہے تا کہ ہمارے قارئین کو علم ہو کہ یہ موضوع کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ بلکہ یہ اصل اصیل اور ہر چیز کی اساس ہے۔ انسان کی دنیا و آخرت میں جو بھی اہمیت ہو وہ اُس کے معرفت کے معیار کے مطابق ہوتی ہے۔ مبارک ہو اُسے جو اپنے نفس کی معرفت رکھتا ہو۔

اِس وجہ سے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بارے میں یہ جانے کہ وہ کون ہے؟ اپنے رب کو پہچانے کہ وہ کہاں سے آیا اور اُس کا خالق کون ہے؟ یہ جانے کہ اُس کا مقصد کیا ہے اور وہ کہاں ہے؟ کون سی چیز اُسے دین سے خارج کرتی ہے؟ اور آخر کار اُس نے کہاں پلٹ کر جانا ہے؟

اِن کلمات میں اولین و آخرین کا علم جمع ہے جیسا کہ صادقینؑ کی اخبار میں وارد ہوا ہے۔

انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ازلی دشمن کو پہچاننے کی کوشش کرے اور یہ جان

①(میزان الحکمت:۶/۱۳۰تا۱۶۰)

لے کہ دشمن کا ہدف اِسے دین سے نکلوانا ہے۔ وہ اُس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اُسے گمراہ اور دنیا و آخرت میں رسوا کرتا ہے۔ وہ خطرناک لعین دشمن کون ہے جس سے ہم غافل ہیں؟ وہ شیطان ملعون ہے۔ لہٰذا معرفت زندگی کی بنیادی اور اہم ترین ضرورت ہے۔ اِس کے بغیر انسان اپنی تخلیق کے مقصد اور اپنی حقیقت و انسانیت کو کھو دیتا ہے۔ پھر انسان حیوان سے بھی زیادہ پست ہو جاتا ہے اور اُس کا دل پتھر سے زیادہ سخت اور گمراہیوں سے بھر جاتا ہے۔

اِس کے علاوہ معرفت کے مختلف مراتب و مراحل اور کچھ اضافی معانی بھی ہیں کہ جو عارف اور معروف سے متعلق ہوتے ہیں۔

معرفت کی حقیقت

لغوی بحث

لغت میں "معرفت" عُرْفٌ سے ماخوذ ہے۔ معرفت و عرفان سے مراد کسی چیز کے اثر میں گہری سوچ و بچار اُس چیز کا ادراک کرنا ہے۔ اِس کا دائرہ علم کے مقابلے میں محدود ہے۔ اِس کا الٹ انکار کرنا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خدا کی معرفت رکھتا ہے، مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں شخص خدا کو جانتا ہے۔ یہ ایک فعل کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ انسان آثارِ قدرت میں غور و فکر کر کے ہی خدا کی معرفت حاصل کر سکتا ہے، ورنہ کسی نے اُسے ذاتی طور پر تو نہیں دیکھا۔ نیز کہا جاتا ہے کہ خدا فلاں چیز کا علم رکھتا ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ خدا فلاں چیز کی معرفت رکھتا ہے۔ معرفت کا لفظ اُس تھوڑے علم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس تک غور و فکر کے ذریعے پہنچا جاتا ہے۔ اِس کی اصل عرفت سے ہے ای اَصَبْتُ عَرْفَهٗ [ای رائحتہ] (یعنی میں نے اُس کی خوشبو کو پالیا۔) یا اَصَبْتُ عَرَفَهٗ سے ہے یعنی میں نے اُس کا نشان ڈھونڈ لیا۔ کہا جاتا ہے: عَرَفْتُ كَذَا قرآن کریم میں اِس کے شواہد حسب ذیل ہیں:

سورۂ بقرہ میں ارشاد باری ہے: فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ "جب اُن کے پاس وہ چیز آئی جس کی وہ معرفت رکھتے تھے تو بھی انہوں نے اُس کا انکار کر دیا"۔ [1]

سورۂ مبارکہ یوسف میں ہے: فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ "تو جناب یوسف نے انہیں پہچان لیا اور وہ انہیں نہ پہچان سکے"۔ [2]

سورۂ محمد میں ارشاد ہے: وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ "اگر ہم

---

[1] سورۂ بقرہ: آیت (۸۹)

[2] سورۂ یوسف: آیت (۸۵)

www.shiabookspdf.com

چاہیں تو وہ لوگ آپ کو دکھا دیں اور آپ انہیں اُن کی نشانیوں سے پہچان لیں"۔ ①

سورۂ انعام میں آیا ہے: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ۔ "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول اللہ ﷺ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو"۔ ②

معرفت کا متضاد انکار کرنا اور علم کا متضاد جہالت ہے۔ ③

سورۃ النحل میں آیا ہے: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا "وہ خدا کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اُس کا انکار کر دیتے ہیں"۔ ④

تَعَارَفُوا "ایک دوسرے کو پہچاننا"۔ جیسے سورۂ حجرات میں ہے: لِتَعَارَفُوا "تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو"۔ سورۂ یونس میں ہے: یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَھُمْ "وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے"۔)

عَرَّفَهٗ: یعنی اُسے خوشبو دار کیا۔ جنت کے بارے میں ارشاد باری ہے: عَرَّفَهَا لَھُمْ (خدا نے اُن کے لیے جنت کو خوشبو دار و آراستہ کر دیا ہے۔) بقولے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے مومنوں کے سامنے جنت کی صفات بیان کیں، انہیں اس کی تشویق دلائی اور اس کی طرف اُن کی راہنمائی کی۔ ⑤

معرفت کی اصطلاحی تعاریف

اصطلاحِ عرفان میں عارف اُس شخص کو کہتے ہیں جو خدا، اُس کی ملکوت اور حسن معاملہ کی معرفت رکھتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: عَرَفَهٗ کَذَا یا عارف وہ شخص ہوتا ہے جو شہود اور قلب کو

① سورۂ محمد: آیت (۳۰)

② سورۃ الانعام: آیت (۲۰)

③ کیونکہ انکار اُس وقت ہوتا ہے جب کسی چیز کی پہچان ہو جائے اور محض ضد و عناد کی بنا پر اُسے تسلیم نہ کیا جائے۔ لیکن جہالت وہاں ہوتی ہے جہاں علم نام کی کوئی چیز نہ ہو۔ از مترجم

④ سورۃ النحل: آیت (۸۳)

⑤ (مفردات راغب: ۳۳۱)

www.shiabookspdf.com

صیقل کرنے کے ذریعے سے اشیاء کی اصل حقیقت کو جان لیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ایک آئینے کی مثل ہو جاتا ہے جس پر معارف و علوم ابھرتے ہیں۔

علم حدیث میں اِس کا اطلاق معرفت کے نظریے پر ہوتا ہے۔ اِس سے مراد وہی علم کے مترادف ہونا ہے۔ یعنی تمام تر جزئیات و کلیات کا ادراک کرنا، نہ صرف جزئیات کی حد تک رہنا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ علم و معرفت دو ایسی واضح و روشن چیزیں ہیں کہ اِن کے لیے کسی تعریف وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ علم کی کئی ایک تعریفیں کی گئیں ہیں لیکن اُن میں سے کوئی بھی نقد و تنقید سے محفوظ نہیں ہے۔ اُن میں جو تعریف قدیم حکماء کے مابین ہے وہ یہ ہے: حُصُوْلُ صُوْرَةِ الشَّیْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ "عقل میں کسی چیز کی صورت کا آنا"۔

یہ تعریف بھی اشکالات کی زد سے محفوظ نہیں، جیسا کہ اُن کا ذکر اِس موضوع کی مفصل کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً کہا گیا کہ بہتر یہ تھا کہ اِس طرح کہتے: علم میں آنے والی چیز کا عالم کے پاس بلا واسطہ یا بالواسطہ آ جانا۔ اور میرے مطابق اِس میں ان الفاظ کا اضافہ کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ وہ چیز اُسی طرح عالم تک پہنچے جیسے وہ حقیقت میں ہے۔ تا کہ اُسے وہم یا شک بلکہ ظن کا نام بھی نہ دیا جا سکے۔ مزید یہ علم معانی اضافی رکھتا ہے جو عالم و معلوم پر موقوف ہیں۔ یا وہ اُن دونوں کے مابین ایک واسطہ ہے۔

معرفت کے مراحل

معرفت ایک مشکک کلی ہے۔ جس کے طولی و عرضی اور اُفقی و عمودی مراتب ہیں۔ جیسے نور اور وجود۔ اِس میں شدت و ضعف اور اولویت وغیرہ کے اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے۔

میری نظر میں معرفت کی دونوں طرفیں معرفتِ عرشیہ و سماویہ سے عبارت ہیں۔ یہ اِس کا سب سے بلند مرتبہ ہے۔ اِس سے پست معرفت فرشی و ارضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِن دونوں قسم کی معرفت کے مرتبے اِس قدر زیادہ ہیں کہ اُن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ جیسے نورِ حسی۔ مثلاً ہمارے پاس زمین میں شمع نورِ ارضی کا سب سے کم مرتبہ ہے اور دوسری آسمان میں سورج نورِ سماوی کا سب

سے بلند مرتبہ ہے۔ اِن دونوں کے مابین طولی وعرضی مراتب ہیں۔ اِسی وجہ سے علم اور معرفت کلی مشکک کے افراد میں سے ہیں۔ معرفت کے سب سے بنیادی مراحل ومراتب، مزید تین مراتب سے مل کر تشکیل پاتے ہیں۔ جیسے یقین۔ چنانچہ علماء اخلاق کے مطابق یقین کے تین طولی مراتب ہیں:

پہلا علم الیقین: اِس سے مراد کسی چیز کا تصور کرنا اور اُسے عقل میں لانا ہے۔ مثلاً دور سے کوئی آثار دیکھیں اور اپنے ذہن میں تصور کریں کہ وہاں آگ موجود ہے۔

دوسرا عین الیقین: اِس سے مراد کسی چیز کو قریب سے دیکھنا ہے۔ جیسے آگ سے اتنا قریب ہونا کہ اُس کی حرارت محسوس ہونے لگے۔

تیسرا حق الیقین: اِس سے مراد کسی چیز کو مس کرنا اور اُس میں داخل ہونا ہے۔ مثلاً جو شخص آگ میں جائے اور وہ اُس کو جلائے تو اپنے پورے وجود سے اُسے مس کرے گا اور اپنے تمام تر مشاعر وحسیات کے ساتھ اُس کے وجود کا یقین کرے گا۔

بعینہٖ معرفت کے بھی تین مرحلے ہیں: جلال، جمال اور کمال۔

جلال

اِس سے مراد کسی کو اُس کی حد اور مخصوص دائرہ کار تک سمجھ لینا۔ تاکہ اُس میں اور اُس کے غیر میں تمیز کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے اور اُسے شکل، ہندسہ اور اُس کی خاص حدود کے مشخص کیا جا سکے۔ مثلاً کوئی شخص دور سے کسی بلند وبالا پہاڑ کو دیکھے اور ہندسہ و ظاہری شکل میں اُس میں اور اُس کے غیر میں فرق کر سکے۔ اِسی کو معرفتِ جلالیہ صوریہ ظاہریہ کہتے ہیں۔ یہ عقلیات میں جنس قریب اور فصل قریب سے ہوتی ہے اور اِسے حدِ تام کہتے ہیں۔

جمال

اِس سے مراد انسان کا کسی چیز کے باطن کو جاننا، اُس کے جوہر تک پہنچنا اور اُس کی حقیقت و وجود میں داخل ہونا ہے۔ تاکہ وہ اُس کے جمال و رعنائی کو دیکھ سکے۔ جیسا کہ امام علی

زین العابدین علیہ السلام کی مناجات میں یہ کلمات وارد ہوئے ہیں: اللھم ارنی حقائق الاشیاء کما ھی (اے اللہ مجھے اشیاء کی حقیقت دکھا کہ جیسی وہ ہیں)۔ اِسے معرفتِ جمالیہ باطنیہ کہتے ہیں۔ بعض اوقات اِن میں سے پہلی کو معرفتِ ماہیات اور دوسری کو معرفتِ وجود بھی کہتے ہیں۔

کمال

اِس سے مراد عارف کا کسی چیز کے مقصد اور اُس کے مطلوبہ کمال اور اُس کی کنہ وحقیقت کو جاننا ہے۔ تاکہ وہ اُس کے تمام حقائق و وقائع اور نفس الامر کا احاطہ کرے اور اُس کی کمالی و غائی معرفت کا حامل ہو۔

صادق آلِ محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کے لیے حقیقت ثابت ہوتی ہے وہ کسی زوال پذیر شے پر قائم نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ وہ اُس کے اصل مقصد تک پہنچ جاتا ہے۔ [1]

یہ مراحل تمام چیزوں میں ایک جیسے نہیں ہوتے، بلکہ انہیں کم یا زیادہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر ہم اِس آسمانی شریعت کو ہی لے لیں تو کوئی اِس کو فقط حلال وحرام کی حد تک سمجھتا ہے، اِس سے زیادہ نہیں۔ ایسا شخص جلال شریعت کا عارف کہلاتا ہے۔ کوئی ایسا ہوتا ہے کہ احکام کی باطنی صورت ظاہر ہو جاتی ہے اور اپنے سلوک و وجود میں اُن کے اسرار و رموز پر مطلع ہوتا ہے اور اُن کے فلسفہ کو سمجھتا ہے۔ اگر یہ تعبیر درست ہو تو ایسا شخص جمال شریعت کا واقف ہے۔ جیسے بعض علماء نے نماز، روزہ اور حج وغیرہ کے اسرار کے بارے میں کتابیں لکھیں۔ تو یہ لوگ جمال شریعت کے عارف ہیں۔

جو شخص شریعت سے ماورا خدا کو دیکھتا ہے اور اِس کے ساتھ یہ بھی اُس کے باطن میں قائم ہوتی ہے۔ تو ایسا شخص معرفت کے اصل مقصد کو پہچان لیتا ہے اور اُس کے کمال کا ادراک کر لیتا ہے۔ اُسے کمال شریعت کا عارف کہتے ہیں۔

معقول کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے ہم آنکھ کی مثال پیش کرتے ہیں۔ یہ اپنی

[1] (میزان الحکمت: ۱۳۲/۶)

www.shiabookspdf.com

ظاہری شکل میں جلیلۃ النظر ہوتی ہے۔ غور کے ساتھ دیکھتے وقت یہ جمیلۃ العین کہلاتی ہے اور محارم سے اجتناب کی صورت میں کمیلۃ الذات کہلاتی ہے۔ لہٰذا یہ اپنے ہندسہ میں جلالی، اپنے دیکھنے میں جمالی اور حرام منظر کو دیکھنے سے اجتناب کرنے میں کمالی ہوتی ہے۔ اِن مراحل کو وجود و ماہیات سب میں جاری کیا جا سکتا ہے، خواہ وہ واجب ہو یا ممکن۔ ہر ایک اپنے مقامات و غایات کے حساب سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات صوفی جو شریعت، طریقت اور حقیقت کی باتیں کرتے ہیں تو اُن کا تعلق بھی اِسی قبیل سے ہوتا ہے۔

یہاں معرفت کی ایک دوسری تقسیم بھی ہے اور وہ یہ ہے:

معرفتِ برہانیہ

یہ وہ معرفت ہے جو استدلال اور برہان عقلی پر قائم ہوتی ہے۔ جیسا کہ یہ فلاسفہ و مشاء کے یہاں بھی رائج ہے۔ اِن فلسفہ حرکت و مشی میں برہان عقلی (قیاس وغیرہ) کے ذریعے پے در پے استدلالات قائم کر کے حقیقت تک پہنچنے سے متعلق ہے۔ یہ لوگ ارسطو اور شیخ الرئیس بو علی سینا کے نظریے پر چلنے والے follower ہیں۔

www.shiabookspdf.com

معرفتِ شہودیہ

اِس سے مراد نفس کی تہذیب اور قلب کو اِس حد تک صیقل کرنا ہے کہ وہ آئینے کی طرح شفاف ہو جائے۔ تا کہ اُس پر چیزوں کی صورتیں، حقائق اور ذوات ظاہر ہوں ۔ یہ اشراقی حکماء اور اِسی طرح عرفا اور صوفیہ کا طریقہ ہے۔ یہ لوگ افلاطون، شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی اور محی الدین عربی کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

معرفتِ ایمانیہ

اِس معرفت کی نسبت قرآن کریم اور معصومین علیہم السلام کے فرامین کی طرف ہے۔ جب یہ معرفت ثابت ہو اور کسی دوسری چیز کو ثابت کر دے تو اِس میں پہلی دو قسموں کے مقابلے میں خطا کا امکان بالکل بھی نہیں ہوتا۔

اب جبکہ واضح ہوا کہ معرفت کی مختلف زاویوں اور اعتبارات سے بہت سی قسمیں بن سکتی ہیں تو مجھ پر ظاہر ہوتا ہے کہ دین اسلام جس کے بارے میں خداوند تعالیٰ نے اِس طرح خبر دی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کیا، تم پر اپنی نعمت تمام کی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین منتخب کر لیا"۔ [1]

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝85

"جو اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے تو وہ اُس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا"۔ [2]

اِس دین کی توحید کو معرفت جلالیہ کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً جب ہم اپنے نفس کی معرفت کی راستے سے خدا کو پہچاننا چاہتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اندر عجز، جہالت موت، بلکہ تمام نقائص و عیوب موجود ہیں ۔ تو اِس سے ہم سمجھ جاتے ہیں کہ ہمارے وجود کی علت بھی ہماری طرح ناقص نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اُس کا کمال مطلق ہونا ضروری ہے۔ بنابریں اگر انسان عاجز ہے تو اُس کا خدا عاجز نہیں، قادر و توانا ہے، اگر انسان جاہل ہے تو اُس کا رب جاہل نہیں، بلکہ علیم و خبیر ہے، اگر انسان فانی ہے اور اُسے ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے تو اُس کا پروردگار حی و قیوم ہے، اُسے فنا و زوال نہیں ۔ اِسی طرح دیگر صفات کی مدد سے خدا کو پہچاننا معرفت جلالیہ کہلاتا ہے۔

---

[1] (المائدہ: آیت ۳)

[2] (آل عمران: ۸۵)

دین میں معرفت جمالیہ نبوت میں متجلی ہوتی ہے۔ بلا شبہ ہم تمام انبیاءؑ اور اُن کے سلسلہ کو ختم کرنے والے نبی ﷺ کو اِسی معرفتِ جمالیہ ہی سے پہچانتے ہیں۔ کیونکہ نبیؐ خدا کے اسماءِ حسنیٰ اور صفات علیا میں اُس کا جمال ہوتا ہے۔ وہ زمین میں اُس کا نمائندہ، اُس کے جمال کا مظہر، کامل انسان اور تمام اچھی صفات کا جامع ہوتا ہے۔

دین کی معرفت کمالیہ اِس کے امامت و ولایت سے مکمل ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے وقت کے امامؑ کی معرفت کے بغیر مرے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے اور اُس سے خدا کی توحید اور نبی ﷺ کی نبوت کی معرفت کامل نہیں ہوتی۔ امام کی مدد سے خدا کی معرفتِ جمالیہ و کمالیہ ممکن ہوتی ہے۔ اگر نورِ علویؑ نہ ہو، اگر امیر المومنینؑ اور اُن کی ولایت مطلقہ نہ ہو کہ جو ولایت الٰہیہ کے مظہر ہے تو توحید و نبوت (کی معرفت) کامل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس بات کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ولایت دین کی روح اور اُس کے کامل ہونے کی بنیادی شرط ہے۔

بنابریں توحید کا خلاصہ نبوت میں اور نبوت کا خلاصہ امامت میں ہے۔ امامت کمالِ نبوت اور نبوت کمالِ توحید ہے۔ توحید دین کا جلال ہے۔ دین فلسفۂ حیات ہے۔ اور حیات عقیدہ و جہاد، شعور و شعار، فلسفۂ وجود و فلسفۂ عمل، قانون اور تطبیق وغیرہ کا نام ہے۔

پھر قرآن کریم خداوند حکیم و دانا کی کتاب ہے۔ اِس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ اِس میں تمام علوم و معارف کا ذکر ہوا ہے۔ بعینہٖ یہ تمام چیزیں عترتِ نبویؐ کے پاس بھی ہیں۔ کیونکہ ازل تا ابد اُن میں اور قرآن میں جدائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اِس پر متواتر بین الفریقین حدیث کی نص موجود ہے کہ سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّی تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ، كِتَابَ اللهِ وَ عِتْرَتِی اَهْلَ بَیْتِی مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِی اَبَدًا، وَ اِنَّهُمَا لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ

"بے شک میں تم لوگوں کے درمیان دو قیمتی اور گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک تم اُن کے ساتھ متمسک رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں بھی جب تک حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ نہ جائیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی"۔ [1]

اس کتاب کا موضوع آقا و مولا سید الشہداء امام حسین علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی معرفت ہے کہ جو ریحانۂ رسولؐ، سبط انور اور جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ یہاں ہم رسول اللہ ﷺ کی اِس مشہور حدیث اِنَّ الْحُسَیْنَؑ مِصْبَاحُ الْهُدٰی وَ سَفِیْنَةُ النَّجَاةِ کی روشنی میں بحث کریں گے۔ اِس کتاب میں ہم قرآن کریم اور فرامین عترتؑ کی روشنی میں امام عالی مقام علیہ السلام کی معرفتِ جمالیہ عرشیہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں اپنے پروردگار سے امید کامل ہے کہ وہ اِس امر میں اپنی تائید ہمارے شامل حال کرے گا اور ہمیں کنہ معرفت کے سمندر کے ساحل تک پہنچا دے گا۔

جناب مفضلؒ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا: اے مفضلؒ! کیا تم حضرت محمد، مولا علی، جناب سیدہ، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کی حقیقی معرفت رکھتے ہو؟ میں نے کہا: میرے مولاؑ! اُن کی کنہ معرفت کیا ہے؟ فرمایا: جو اُن کی کنہ معرفت حاصل کر لے وہ اعلیٰ درجے کا مومن ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی: میرے مولاؑ! مجھے اس کے بارے میں کچھ

[1] (کتب فریقین)

www.shiabookspdf.com

بتائیں کہ یہ کیا ہوتی ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا:

یا مفضل! تعلم انهم علموا ما خلق الله عز و جل ذرأ و برأ، و انهم كلمة التقوى و خزان السماوات و الارضين و الجبال و الرمال و البحار، و علموا كم في السماء من نجم و ملك، و وزن الجبال و كيل ماء البحار و انهارها و عيونها، وما تسقط من ورقة الا علموها، ولا حبة في ظلمات الارض ولا رطب ولا يابس الا في كتاب مبين، و هو في علمهم، وقد علموا ذلك.

"اے مفضلؓ! کنہ معرفت یہ ہے کہ تم یہ علم رکھو کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ خدا کی پیدا کی ہوئی تمام چیزوں کے بارے میں علم رکھتے ہیں، وہ کلمہء تقوی ہیں اور آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، صحراؤں اور سمندروں کے خازن ہیں۔ وہ آسمان کے ستاروں اور وہاں موجود فرشتوں کی تعداد، پہاڑوں کے وزن، سمندوں کے پانی کی مقدار اور اُن نہروں اور چشموں کا علم رکھتے ہیں۔ اگر کسی درخت کا کوئی پتا ٹوٹ کر گرے تو وہ اُسے بھی جانتے ہیں۔ زمین کی تاریکیوں میں موجود کوئی دانہ اور کوئی خشک و تر ایسا نہیں جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔ وہ اُن کے علم میں ہے اور وہ اِن تمام باتوں کو جانتے ہیں"۔

فقلت: یا سیدی! قد علمت، و اقررت به و آمنت.

یہ سن کر میں نے کہا: "میرے آقا! اب میں جان گیا، میں نے اِن تمام چیزوں کا اقرار کیا اور اِن پر ایمان لایا"۔

قال: نعم یا مفضل، نعم یا مکرم، نعم یا محبور، نعم یا طیب، طبت و طابت لك الجنة و لكل مؤمن بها

"تو امامؑ نے فرمایا: ہاں اے مفضل، ہاں اے مکرم، ہاں اے عالم، ہاں اے طیب، تو مبارک ہے اور تجھے اور اِس معرفت پر ایمان رکھنے

www.shiabookspdf.com

والے ہر مومن کو جنت مبارک ہو"۔ [1]

میں کہتا ہوں کہ اِس طرح کی بلند پایہ معرفت کا صرف علم رکھنا ہی کافی نہیں، بلکہ اِس میں علم کے ساتھ اقرار کرنا اور ایمان رکھنا بھی لازمی ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر اِس معرفت کا انسان کے وجود کی گہرائیوں میں اُترنا ضروری ہے۔ یعنی وہ اپنی عقل سے اِس کا ادارک کرے، زبان سے اقرار کرے اور دل سے ایمان رکھے۔ اِس بنا پر جس کے علم و ایمان کی نعمتیں موجود ہوں۔ اِس کے لیے معرفت کا حامل ہونا انتہائی ناگزیر ہے۔ اِس کے بعد انسان خدا کے یہاں عزت کا اہل قرار پاتا ہے۔ کیونکہ وہ تقوی کے مقام کا ادراک کر لیتا ہے۔ جیسا کہ خداوند سبحان اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

"بلاشبہ تم میں سب سے زیادہ خدا کے یہاں عزت کا حق دار وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ باتقویٰ ہے"۔ [2]

جب انسان کا مسرور و شاد کام اور ذکرِ خدا سے اُس کا دل مطمئن ہوتا ہے تو وہ دنیا و آخرت کی خوبیاں حاصل کر لیتا ہے اور ایک کامیاب و خوش گوار زندگی بسر کرتا ہے۔ ہم لوگوں کو علم و بصیرت کی بنیاد پر اِس معرفت کی دعوت دیتے ہیں۔

واضح رہے کہ جس طرح ہر شخص اہل نجات میں سے نہیں ہو سکتا اِسی طرح ہر شخص علم و معرفت کے اِس مرحلے تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ بالخصوص جہاں تک مولا حسینؑ کی بات ہے تو اُن کے نزدیک ہر شخص اُن کی کشتی پر سوار ہونے کے قابل نہیں، بلکہ وہی سوار ہو سکتا ہے جس کے اندر جذبہ ہو اور جو اُن سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتا ہو۔

ابو بصیر سے روایت ہے، انہوں نے صادق آلِ محمد علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ جب لوگ معاویہ کی طرف جاتے تو حبابہ والبیہؒ امام حسین علیہ السلام کی طرف جاتی تھیں۔ وہ بہت باہمت و باتقویٰ خاتون تھیں۔ عبادت کی کثرت سے اُن کے بدن کی جلد خشک ہو گئی تھی۔ ایک دفعہ وہ

---

[1] (بحار الانوار: ۲۶/ ۱۱۷)

[2] (سورۃ الحجرات: ۱۳)

امامؑ کے پاس گئیں تو اُن کا چچازاد بھائی بھی ساتھ تھا جو اُن کا غلام تھا۔ جب وہ امام عالی مقام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچی تو عرض کی: قربان جاؤں! ذرا اپنی فہرست میں میرے اِس چچازاد کے بارے میں دیکھیے، کیا آپؑ کے مطابق یہ اہل نجات میں سے ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا: ہاں اِس کا نام ہمارے پاس لکھا ہوا ہے اور یہ نجات پانے والوں میں سے ہے۔ ①

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے عبداللہ بن جندب کے نام کے ایک پیغام میں تحریر فرمایا:

إن شيعتنا مكتوبون بأسمائهم و أسماء آبائهم، أخذ الله علينا و عليهم الميثاق، يردون موردنا، و يدخلون مدخلنا، ليس على ملة الاسلام غيرنا و غيرهم.

"ہمارے شیعوں کے نام، ولدیتوں کے ہمراہ ہمارے پاس لکھے ہوئے ہیں۔ خدا نے ہم سے اور اُن سے میثاق لیا ہوا ہے۔ جہاں ہم جائیں گے انہیں بھی وہیں لے جایا جائے گا اور جس جگہ ہم داخل ہوں گے اور وہ بھی وہیں داخل کیے جائیں گے۔ دین اسلام پر ہمارے اور اُن کے علاوہ کوئی نہیں۔ ②

جو لوگ آئمہ اہل بیتؑ سے منسوب اور اُن کے مذہب پہ چلتے ہیں۔ مقام معرفت اور ایمان کے درجات کے اعتبار سے انہیں درج ذیل تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ مخلص شیعہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کی صفات اور فضائل بہت سی روایات میں یوں میں وارد ہوئے ہیں کہ شب بیداریوں کی وجہ سے اُن کی چہرے زرد، کثرتِ گریہ کے سبب بصارت کمزور، کم خوردگی کے باعث پیٹ کمر سے لگے ہوتے ہیں۔ اور اُن کے ہونٹ ہر وقت دعا مناجات

① (بحار: ۲۶؍ ۱۲۲؛ بصائر الدرجات: ۴۷)

② (حوالہ سابق: باب ۷)

میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ سب سے اعلیٰ درجے کے شیعہ ہیں۔

۲۔ حب دار: یہ وہ افراد ہیں جن کے دل اہل بیتؑ کی محبت و مودت سے پر ہوتے ہیں۔ وہ اُنہی کی اطاعت و پیروی کرتے ہیں۔ مگر یہ کہ اُن سے نیکیوں کے ساتھ غلطیاں اور گناہ بھی سرزد ہوتے رہتے ہیں۔

۳۔ آئمہ طاہرینؑ کی خاطر اُن کے دشمنوں سے دشمنی کرنے والے۔

یہ تقسیم بندی ہم نے درج ذیل حدیث مبارکہ کو مدنظر رکھ کر کی ہے: تمہارے دوست تین قسم کے لوگ ہیں: (۱) تمہارا دوست بذاتِ خود۔ (۲) تمہارے دوست کا دوست۔ (۳) تمہارے دشمن کا دشمن۔

تمہارے دشمن بھی تین طرح کے افراد: (۱) دشمن بذاتِ خود۔ (۲) تمہارے دشمن کا دوست۔ (۳) تمہارے دوست کا دشمن۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ نورِ حسی کی مانند معرفت کے بھی مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض شیعہ معرفت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے ہیں اور اِس کی کنہ وحقیقت کو برہانِ ساطع اور قطعی دلائل سے جانتے ہیں۔ جبکہ بعض کی معرفت کا مرتبہ کم ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے سے اوپر والے درجے کے حامل کی تنقیص کرتے ہیں، اُن کے عیب تلاش کرتے ہیں اور اُن سے عداوت رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کو جس چیز کا علم نہیں ہوتا وہ اُس کے دشمن ہوتے ہیں۔ اور اِس کی وجہ سے اُن کے قلوب، معرفت اور ایمان کا کمزور ہونا ہے۔ یہ لوگ دوسروں کے عقائد خراب کرنے کے لیے اُن شبہات کو سامنے لاتے ہیں جو انہیں شیطان کی طرف سے القاء ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جب امامؑ سب کچھ جانتے ہیں کہ وہ ایسا اقدام کیوں کرتے ہیں جس کے نتیجے میں اُن کی شہادت واقع ہو جاتی ہے۔ (جیسے امیر المومنینؑ کا سب کچھ جاننے کے باوجود اُنیس کی

www.shiabookspdf.com

شب کو مسجد میں جانا، یا بعض آئمہؑ کا زہر آلود غذا کھانا۔) رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ حقیقی و معصوم اور علمِ خدا کے عالم امام کی امامت کو دشمنانِ آئمہ جیسا خیال کرتا ہے۔ یوں اُس کی حجت کمزور ہو جاتی ہے اور وہ اپنے امامؑ کی معرفت میں تقصیر کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ پھر وہ اُن افراد کی عیب جوئی کرنے لگتا ہے جنہیں خدا نے برہانِ معرفت عطا کیا ہوتا ہے اور وہ آئمہ اطہارؑ کے امر کو تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے۔

ضریس کناسی سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس اُن کے اصحاب موجود تھے، میں نے سنا آپؑ ارشاد فرما رہے تھے: مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو ہم سے محبت و ولاء رکھتے ہیں، ہمیں اپنا امام سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی اطاعت کی مانند ہماری اطاعت بھی اُن پر فرض ہے۔ لیکن اِس سب کے باوجود وہ اپنے دلوں کی کمزوری کی وجہ سے اپنی حجت توڑ دیتے ہیں اور خود اپنے مخالف بن جاتے ہیں۔ پھر ہمارے حق کی تنقیص کرتے ہیں اور اِس کی وجہ سے اُس شخص پہ طعن و تشنیع کرتے ہیں جسے خدا نے ہمارے حق کی معرفت کا برہان عطا کیا ہوتا ہے اور جو ہمارے امر کو تسلیم کرتا ہے۔ کیا تم اِس بات کو مانتے ہو کہ خدا بندوں پر اپنے اولیاء کی اطاعت فرض کرے اور پھر آسمانوں اور زمین کی خبریں اُن سے مخفی رکھے۔ اور ایسی چیزوں کے بارے میں اُن سے علم روک لے جو اُن کے سامنے پیش ہوتی ہیں، جبکہ وہ علم اُن کے دین کے استحکام کا ذریعہ ہے۔

اِس پر حمران نے کہا: یابن رسولؐ اللہ! آپؑ مولا امیر المومنینؑ کے قیام، امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے خروج، دینِ خدا کو قائم کرنے، اہلِ باطل کی طرف سے درپیش مصائب اور اُن پر غلبے کے بارے میں کیا کہتے

www.shiabookspdf.com

ہیں، حتیٰ کہ انہیں شہید اور مغلوب کیا گیا؟

تو سرکارِ باقر العلوم علیہ السلام نے جواب دیا:

اے حمران! خداوند متعال نے یہ چیز اُن کے بارے میں مقدر کی، اِسے اپنی قضا ٹھہرایا اور انہیں اِس کے بارے میں مکمل اختیار دے کر اِس کو حتمی و نافذ ہونے والا قرار دیا۔ بعد ازاں اِس قضا کو اُن پر جاری کیا۔ بنابریں مولا امیر المومنینؑ اور حسنین کریمینؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِن چیزوں کا علم رکھنے کے بعد قیام کیا۔ اور ہم میں سے اگر کسی امامؑ نے خاموشی اختیار کی تو اُس کی وجہ بھی وہی علم تھا۔ اے حمران! جب اُن پر یہ تکالیف آئیں تو وہ خدا سے اُن کے دور ہونے اور طاغوتوں کی حکومت و امارت کے ختم ہونے کی بددعا کرتے تو وہ ٹوٹے ہوئے ہار سے دھاگے کے نکلنے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اُن کی حکومت ختم کرتا اور انہیں تباہ و برباد کر دیتا۔ انہیں جن جن مصائب کا سامنا ہوا وہ اُن کے کسی گناہ کا نتیجہ یا خدا کی کسی نافرمانی کی سزا کے طور پر نہیں تھے۔ بلکہ اُن کا مقصد خدا کے یہاں عزت و کرامت کے درجات حاصل کرنا تھا۔ لہٰذا تم اِس بارے میں کسی غلط فہمی میں نہ پڑنا۔ (1)

صالح بن عقبہ ازدی سے روایت ہے، اس نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

لوگ ایک امر کے قائل و معتقد ہوتے ہیں، پھر اُسے توڑتے ہیں اور کمزور بنا دیتے ہیں؟ اُن کا گمان ہے کہ خدا نے ایک شخص کو اپنی مخلوق پر حجت بنایا مگر آسمانوں اور زمین کا علم اُس سے پوشیدہ رکھا۔ نہیں! خدا کی قسم نہیں، خدا کی قسم نہیں، خدا کی قسم نہیں۔

میں نے عرض کی: آپؑ اِن طاغوتوں اور مولا حسین علیہ السلام کے امر کے

---

(1) (بحار الانوار: ۲۶ر۱۵۰؛ الخرائج والجرائح: ۲۵۵)

بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تو جواب دیا: اگر آلِ محمدؑ اِس کے بارے میں خدا سے دعا کرتے تو وہ اُن کی دعا مستجاب کرتا۔ اور یہ اتنا جلدی ہوتا ہے کہ جتنا جلدی ڈوری دھاگہ ٹوٹ کر نکلتا ہے۔ لیکن ایسا کیسے ہوتا؟ جبکہ اِس صورت میں ہماری مرضی خدا کی مرضی کے خلاف ہو جاتی۔ ①

شیخ راوندیؒ اِس خبر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یعنی خدا نے اہل بیتؑ کو مجبور کر کے اُن کے بارے میں یہ ارادہ نہیں فرمایا۔ بلکہ انہیں اختیار دیا۔ کیونکہ جبر و اضطرار کی کیفیت حکم دینے کے منافی ہوتی ہے۔ اور ہم بھی ایسا ہی چاہتے ہیں اور خدا کے حکم کی مخالفت نہیں کرتے۔

اِس بنا پر امامؑ جو بھی فعل انجام دیتا ہے وہ خدا کے علم اور مصالح تشریعیہ و تکوینیہ کے بارے میں اُس کے ارادے کے تحت انجام دیتا ہے۔ جس کا علم صرف خدا اور علم میں رسوخ پانے والوں کے پاس ہے۔ بے شک حسل بحرِ زاخر ہوتا ہے، جو کچھ اُس کے پاس ہوتا ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اُس کے عجائبات و کرامات اِس سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے:

علی بن حمزہؒ سے روایت ہے کہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ اتنے میں تیس حبشی غلاموں کو آپؑ کے پاس لایا گیا۔ انہیں آپؑ کی خاطر خریدا گیا تھا۔ امام عالی مقام نے اُن میں سے ایک غلام کے ساتھ کچھ دیر باتیں کیں۔ وہ حبش کا رہنے والا تھا اور اُس کا نام جمیل تھا۔ امامؑ نے کچھ دیر اُس کے ساتھ اُس کی زبان میں باتیں کیں۔ اِس کے بعد امامؑ کو اور جس جس کے پاس جانا تھا، گئے۔ پھر اُسے ایک درہم دیا اور فرمایا: اپنے ہر ساتھی کو ہر مہینے کے شروع میں تیس درہم دو۔ اِس کے بعد وہ امامؑ کے پاس سے چلے گئے۔

میں نے کہا: قربان جاؤں! میں نے دیکھا، آپؑ اِس غلام کے ساتھ اُس کی زبان میں

www.shiabookspdf.com

باتیں کر رہے تھے، آپؑ نے اِسے کیا حکم دیا۔

تو امامؑ نے فرمایا: میں نے اُسے حکم دیا ہے کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آئے اور ہر مہینے کا چاند نظر آتے وقت ان میں سے ہر ایک کو تیس درہم دے۔ اِس کی وجہ یہ ہے جب میں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ ایک عقل مند غلام اُن لوگوں کے آقا کے بیٹوں میں سے تھا۔ میں نے اُسے وہ تمام باتیں بتا دیں جو اُس کے کام آنے والی تھیں۔ تو اُس نے میری وصیت قبول کی۔ اِس کے علاوہ وہ راست گفتاری کی صفت کا حامل بھی تھا۔

پھر فرمایا: تمہیں شاید اِس بات سے حیرانی ہو رہی ہے کہ میں نے اُس کے ساتھ سوڈانی زبان میں باتیں کیں۔ تعجب نہ کرو، امامؑ کے جو حالات تم سے پوشیدہ ہیں وہ اِس سے بھی کہیں زیادہ تعجب خیز اور شمار سے بالا ہیں۔ یہ جو تم نے دیکھا ہے علم امامؑ کے مقابلے میں اِس کی حیثیت یہ ہے کہ کوئی پرندہ اپنی چونچ سے سمندر کے پانی کا ایک قطرہ لے لے! بتاؤ کیا اُس کے چونچ میں پانی بھرنے سے سمندر کا پانی بھی بھلا کم ہو سکتا ہے؟!

نیز فرمایا: بے شک امامؑ کی مثال سمندر جیسی ہے۔ اُس کے پاس جو کچھ ہے وہ ختم نہیں ہوتا۔ اور اُس کے عجائبات و کرامات اِس سے کہیں زیادہ ہیں۔ جس طرح ایک پرندہ اگر سمندر سے پانی کا ایک قطرہ اپنی چونچ میں اٹھا لے تو سمندر کا پانی کم نہیں پڑتا اُسی طرح عالم (یعنی امامؑ) کا بھی نہ تو علم ہوتا ہے اور نہ ہی عجائبات ختم ہوتے ہیں۔ ①

اس لیے ضروری ہے کہ ہم امامؑ کی کماحقہ معرفت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اِسی بدولت انسان قابَ قوسین او ادنیٰ جیسی تقرب کی منازل کو حاصل کر لیتا ہے۔ سورۃ مبارکہ مجادلہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

"خدا تم لوگوں میں سے صاحبانِ ایمان کے اور جنہیں علم دیا گیا ہے اُن کے درجات بلند کرتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے باخبر ہے۔"

---

① (بحار الانوار: ۲۶/۱۹۱؛ قرب الاسناد: ۱۴۴)

مخفی نہ رہے کہ زندگی کا فلسفہ اور خلقت کا راز انسان کو کامل بنانا ہے۔ لیکن اُس کا کمال معرفت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور معرفت کی تکمیل اُس وقت ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے زمانے کے امام کو پہچانے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے:

شیخ صدوق رضوان اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ امام علی زین العابدین علیہ السلام اپنے اصحاب کے پاس گئے اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

اے لوگو! بے شک خدائے عز وجل نے بندوں کو اِس لیے پیدا کیا ہے تا کہ وہ اُس کی معرفت حاصل کریں۔ جب وہ اُس کی معرفت حاصل کریں گے تو اُس کی بندگی کریں گے، جب اُس کی بندگی کریں گے تو اُس کے غیر کی عبادت سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

یہ سن کر ایک شخص نے پوچھا: یابن رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؑ پر قربان جائیں! بتایئے خدا کی معرفت سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہر زمانے کے لوگوں کا اپنے امام کو پہچاننا کہ جس کی اطاعت کرنا اُن پر واجب ہے۔

ارشادِ خدا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ①

سرکارِ باقر العلومؑ نے فرمایا: یعنی اِس لیے تا کہ وہ خدا کی معرفت حاصل کریں۔

اِس سے ثابت ہوا کہ معرفت کے بغیر نہ کوئی عبادت ہوتی ہے اور نہ ہی عبادت کے بغیر کوئی معرفت ہوتی ہے۔ اِن کا آپس میں وہی تلازم اور ربط ہے جو چار اور جفت کا ہے۔ مخفی نہیں ہونا چاہیے کہ ارضی و فرشی معرفت، آسمانی و عرشی معرفت سے مختلف ہوتی ہے اور اِن دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ اِس فرق کو اُس خبر سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے جو دنیا و آخرت دونوں خدا کی رویت بصری کے عدم جواز میں آئی ہے۔ برخلاف اُن مشتبہ فرقہ والے ملحدوں کے کہ جو قیامت میں رویت باری تعالیٰ کے جواز کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ چودھویں کے چاند یا اصحاب تیمی و عدوی کی صورت میں دیکھا جائے گا۔ جیسا کہ محقق فیض کاشانی نے اپنی کتاب القیم

①(اور میں نے جنوں اور انسان کو صرف عبادت کے لیے ہی خلق کیا ہے۔ سورۃ الذاریات: ۵۶)

(الحقائق) میں اِس بحث کی طرف اشارہ کیا ہے۔

توجہ رہے کہ ہم نے جو روزِ قیامت انسان کے درجوں کے بلند کیے جانے کا ذکر کیا ہے وہ معرفتِ تامہ کے ساتھ ہی ہوگا۔ ایک خبر میں آیا ہے کہ قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا: اِقْرَأْ وَارْقَا

یعنی قرآن پڑھو اور اپنے درجے بلند کرتے جاؤ۔

یہاں قرآن پڑھنے سے مراد اُس کی تلاوت کرنا نہیں۔ کیونکہ ایک خبر میں آیا ہے:

رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْآنِ وَ الْقُرْآنُ يَلْعَنُهٗ

"کتنے ہی قرآن کے پڑھنے والے ایسے ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے"۔

اِس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کی تلاوت کریں مگر اُس کی آیات و احکام پر عمل نہ کریں۔ مثلاً جو شخص خمس ادا نہ کرتا ہو اور وہ خمس والی آیت پڑھے تو قرآن اُس پر لعنت ہی کرے گا۔ لہٰذا قرآن کی قرات سے جو درجات کے بلند کیے جانے کا ذکر ہوا ہے اُس سے مراد آیاتِ قرآن پر عمل کرنا ہے۔ اور کوئی بھی عمل معرفت کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہی قرات انسان کے درجے بلند کیے جانے کا سبب بنے گی جو معرفت کے ساتھ ہو، اور عمل صالح بھی ہو کہ جو معرفت کے ساتھ ہو۔

www.shiabookspdf.com

لیکن دوسری طرف آئمہ اطہارؑ کا امر اِس قدر سخت اور دشوار گزار ہے کہ سوائے کسی مقرب فرشتے، فرستادہ رسول اور مومن کے کوئی نہیں برداشت کر سکتا کہ جس کے دل کو خدا نے ایمان کے ساتھ آزما لیا ہو۔ اِس لیے اِس امتحان میں بہت لوگ کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے: وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ①

مظلوم کربلا امام حسین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ عَبِيْدُ الدُّنْيَا وَ الدِّيْنُ لَعِقٌ عَلٰى اَلْسِنَتِهِمْ يَحُوْطُوْنَهٗ اَيْنَمَا دَرَّتْ مَعَايِشُهُمْ فَاِذَا مُحِّصُوْا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّيَّانُوْنَ

①(میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہیں۔ سبا: ۱۳)

"لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین اُن کی زبانوں پر ایک چاٹ کی مانند ہے۔ جہاں اُن کی روزی و مفاد اِس کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں وہ اِس کا پاس رکھتے ہیں۔ لیکن اُن کی آزمائش کی جاتی ہے تو دین دار بہت تھوڑے نکلتے ہیں"۔ ①

مذکورہ بالا مقدمات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جو لوگ اپنے امامؑ کی کماحقہٗ معرفت رکھتے ہیں اُن کی تعداد بہت کم ہے۔ اور دنیا و آخرت کے بلند درجات کا حامل شخص وہی ہوگا جو علم و معرفت میں کامل ہو، عیوب سے پاک دل اور کشادہ سینہ رکھتا اور خدا، رسولؐ اور اہل بیتؑ کے اخلاق سے آراستہ ہو۔

اِس مختصر سے رسالے میں ہم نے لوگوں کو امام حسین علیہ السلام کی عرشِ الٰہی میں معرفت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے تاکہ اس طریقے سے اہل بیت اطہارؑ کے امر کو زندہ کیا جائے۔

چنانچہ ہمارے آقا و مولا سرکارِ رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا اَحْيَا اَمْرَنَا

www.shiabookspdf.com

"خدا اُس بندے پر رحمت نازل کرے جو ہمارے امر کو زندہ کرے"۔

کسی نے پوچھا کہ آپؑ کے امر کو کس طرح زندہ کیا جائے۔

فرمایا:

يَتَعَلَّمُ عُلُوْمَنَا وَ يُعَلِّمُهَا النَّاسَ، فَاِنَّ النَّاسَ لَوْ عَلِمُوْا مَحَاسِنَ كَلَامِنَا لَاتَّبَعُوْنَا

"وہ ہمارے علوم سیکھے اور دوسرے لوگوں کو اُن کی تعلیم دے۔ کچھ شک نہیں کہ اگر لوگ ہمارے کلام کے محاسن و خوبیوں کو جان لیتے تو ہماری پیروی کرنے لگ جاتے"۔ ②

لہٰذا ہم نے جو کچھ بھی اِس کتاب میں ذکر کیا ہے وہ آئمہ اہل بیتؑ کے محاسن کلام میں سے ہے۔ امید کرتے ہیں کہ خداوند متعال اِس کے وسیلے سے ہمیں اُن کے معرفت کے کامل

① کتب مقاتل

② (عیون اخبار الرضاؑ: ۱/۲۱۷)

انوار اور اُن کے علوم حقہ و معارف الٰہیہ تک پہنچا دے۔ بے شک وہی حقیقی مدد کرنے والا، حق سمجھانے والا اور سیدھی راہ پر لگانے والا ہے۔

اِس کتاب میں ہماری بحث چند فصلوں اور ایک خاتمہ میں منحصر ہے۔

پہلی فصل

عرش، در لغت و اصطلاح

کسی بھی علمی موضوع پر بات شروع کرنے سے پہلے بہت اچھا ہوتا ہے کہ ہم اُس کے مفردات وعناوین کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اِس کے مقصد کے لیے اُن کے الفاظ وکلمات کے لغوی معانی کو جانا جاتا ہے کہ جو معاجم وقوامیسِ لغویہ میں مذکور ہوتے ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہوتی ہیں جن کی طرف کسی بھی لفظ کو واضع اول کی وضع کے متعلق جاننے کے لیے رجوع کیا جاتا ہے۔ اور وہی لفظ کا معنی حقیقی وموضوع لہ ہوتا ہے۔

پھر اِن معانی کو وہاں سے اٹھا کر یا از طریق مجاز جدید معانی کی طرف نقل کیا جاتا ہے کہ جنہیں ایک جماعت یا لوگ اپنے لیے بطور اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

یہ اصطلاحی معانی بعض اپنے سابقہ لغوی معانی سے کوئی ربط نہیں رکھتے۔ اسے نقل غیر مالوف کہتے ہیں۔ اور بعض یہ جدید اور اصطلاحی معانی اپنے سابقہ معنی کے ساتھ عمومی یا خصوصی ربط رکھتے ہیں۔ یعنی سابقہ معنی عمومی ہوتا ہے اصطلاح میں آکر اُس کی حد مخصوص ہو جاتی ہے یا اس کے برعکس۔ اِس کو نقل مالوف کہتے ہیں۔

اِس بنا پر ہمارے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے روایات میں وارد ہونے کے لیے کلمہ العرش کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس کے لیے ہمیں لغت، قرآن و احادیث معصومینؑ کی روشنی میں اِس کے لغوی و اصطلاحی معانی کو سمجھنا ہوگا۔ اِس کے بعد ہم قابل ہوں گے کہ اپنے اصل موضوع کو شروع کریں۔

لغت میں عرش، عَرَشَ، یَعْرِشُ سے ہے۔ اصل میں عرش چھت نما چیز کو کہا جاتا ہے۔ اِس کی جمع عُرُوْشٌ ہے۔ ارشادِ خدا ہے: وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا (درحال ایں کہ وہ بستی

www.shiabookspdf.com

اپنی چھتوں کے بل گری پڑی تھی)

اِسی کی مثال ہے کہ جب آپ کوئی چیز چھت کی شکل میں بناتے ہیں تو کہتے ہیں: عَرَشْتُ الْكَرْمَ وعَرَشْتُهُ جس چیز کو چھت نما بنایا جائے اُسے اَلْمَعْرَشُ بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ ... وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ... وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ

ابو عبیدہ کہتا ہے: یعرشون، بمعنی یبنون ہے یعنی وہ بناتے ہیں، تعمیر کرتے ہیں۔ وَاعْتَرَشَ الْعِنَبُ رَكِبَ عَرْشَهُ (انگور کی بیل چھت پر چلی گئی) عرش، عورت کی ڈولی کی طرح ہوتا ہے۔ اور بانس کی لکڑی پر بیل کے چڑھنے سے شباہت رکھتا ہے۔ اور عَرَشْتَ الْبِئْرَ یعنی میں نے کنوے کے اوپر چھت بنائی۔

بادشاہ کی محفل کو اُس کی بلندی کے اعتبار سے عرش کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ...... أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا
نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا...... أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ

اِن موارد میں لفظ عرش سے عزت، سلطنت اور مملکت سے کنایہ کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے: فُلَانٌ ثَلَّ عَرْشُهُ (یعنی اُس کی حکومت ختم ہو گئی)۔

عَرْشُ اللہ کی حقیقت کو انسان نام سے بڑھ نہیں جان سکتا۔ اِس سے مراد وہ نہیں جس کی طرف عام لوگوں کا وہم جاتا ہے۔ کیونکہ اگر اُن کے وہم کو درست سمجھا جائے تو وہ خدا کو اٹھانے والا ہوگا نہ کہ خدا کی قدرت سے اٹھایا ہوا۔ اور خدا کی شان اِس سے بلند تر ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَن تَزُولَا ۚ وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّن بَعْدِهِ

"بے شک اللہ زمین وآسمان کو زائل ہونے سے روکے ہوئے ہے اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی سنبھالنے والا ہوتا تو اب تک دونوں زائل ہو چکے

ہوتے"۔ ①

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عرش سے مراد سب سے اوپر والا آسمان ہے اور کرسی سے مراد ستاروں کا والا آسمان ہے۔ یہ اپنی دلیل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی اس روایت کو پیش کرتے ہیں:

ما السمٰوٰت السبع والارضون السبع فی جنب الکرسی الا کحلقة ملقاة فی ارض فلاة، و الکرسی عند العرش کذلک۔

"کرسی کے مقابلے میں سات آسمان اور سات زمینیں ایک چھلے کی مانند ہیں کہ جو کسی بیابان زمین میں پڑا ہوا ہو۔ اور عرش کے مقابلے میں کرسی کی یہی حیثیت ہے"۔

اس کے علاوہ وہ درج ذیل آیات کو اپنی موقف کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں: وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ (اور اُس کا عرش پانی پر ہے) اس ارشاد باری سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سے عرش بنا اُس وقت سے سطح آب پہ کھڑا ہے۔

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدِ (وہ بزرگی والے عرش کا مالک ہے) رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ (وہ بلند درجوں والا عرش کا مالک ہے)۔

اسی طرح کی دوسری آیات۔ کہا جاتا ہے کہ ان آیات میں خدا کی مملکت وسلطنت کی طرف اشارہ ہے، نہ کہ اُس کی جائے رہائش کی طرف۔ کیونکہ اُس کی ذات ایسی چیزوں سے مبرا ہے۔

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ (یہاں عرش سے مراد کرسیٔ اقتدار ہے۔) جیسا کہ اس فرمانِ الٰہی کا بھی مطلب ہے: أَهَكَذَا عَرْشُكِ (کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟) مفسر کہتا ہے کہ أَهَكَذَا میں چار کلمات ہیں۔ پہلا حرف استفہام، دوسرا حرف تنبیہ، تیسرا حرف تشبیہ اور چوتھا اسم اشارہ ہے۔ یعنی کیا تیرا تخت اس کی مانند ہے؟ یہ نہیں کہا: أَهٰذَا عَرْشُكِ (کیا یہ تمہارا تخت ہے؟) تو اُس نے جواب میں کہا: كَأَنَّهُ هُوَ (گویا یہ وہی ہے) یہ نہ کہا: یہ تو وہی ہے یا یہ

① سورۃ فاطر آ

وہ نہیں۔ اُس کا یہ جواب اُس کی عقل کے منتشر ہونے کا غماز ہے۔ کیونکہ اُس نے احتمال کے مقام کو قطعی نہ قرار دیا۔

فرمانِ خدا: يَعْرِشُونَ کا مطلب ہے کہ وہ گھر کی چھت بناتے ہیں۔

اور مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ میں معروشات وہ بیلیں ہیں جو کسی چیز کے اوپر چڑھتی ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے: عَرَشْتُ الْكَرْمَ میں نے بیل کو ٹٹی پر چڑھا دیا۔ یہ اُس وقت ہوتا ہے کہ جب آپ بیل کے نیچے بانس یا کوئی اور لکڑی رکھیں اور وہ اس پر بلند ہوتی جائے۔ اور غیر معروشات سے مراد باقی تمام درخت ہیں جو بیل کی صورت میں نمو نہیں کرتے۔

اَلْعَرِيْشُ: سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جسے سایہ فراہم کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ اسے کھجور کی شاخوں سے جھونپڑی کی طرح بنایا جاتا ہے۔ اور جب تک کھجور کو کاٹا نہیں جاتا، اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ عریش اسی سے ہے، جیسے مسجد نبویؐ میں سایے کی بات ہوئی تو وہاں عریش موسیٰؑ کا ذکر آیا۔

www.shiabookspdf.com

اَلْعَرِيْشُ: لکڑیوں سے تیار شدہ خیمہ ہوتا ہے۔ اس کی جمع عُرُشٌ ہے۔ جوہری کہتا ہے کہ اسی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے مکہ کے گھروں کو عرش کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ لکڑیاں کھڑی کر کے اُن پر سایہ فراہم کرنے والی کوئی چیز رکھ کر بنائے جاتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے: کان يقطع التلبية اذا نظر الى عرش المكة یعنی جب وہ مکہ کے گھروں کو دیکھتا تو تلبیہ سے اُس کی توجہ ہٹ جاتی تھی۔ یہ معاویہ سے پہلے کی بات ہے۔ ①

عَرْشٌ: بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں۔ اس پر دلیل ملکہ سبا کا تخت ہے۔ خدا نے اُسے قرآن میں عرش کہا ہے۔

اَلْعَرْشُ: گھر کو کہتے ہیں اور عرش البیت، چھت کو کہتے ہیں۔ عرش لکڑیوں کو بھی کہتے ہیں۔

① (مجمع البحرین: ۴/۱۴۲)

عرش سے مراد حکومت بھی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: ثُلَّ عَرْشُہٗ۔ یعنی اُس کی حکومت کی ہوا اکھڑ گئی۔ نیز کہا جاتا ہے: وَھَی اَمْرُہٗ وَ ذَھَبَ عِزُّہٗ

عرش چار چھوٹے ستاروں کو بھی کہتے ہیں۔ یہ چاند کی منزل سے نیچے ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عُجُزُ الْاَسَد ہیں۔

عرش: وہ چیز جس کو سایہ لینے کی غرض سے استعمال کیا جاتا ہے۔

عرش البئر کا مطلب کنوے کو لکڑیوں وغیرہ سے ڈھانپ دینا ہے۔

پاؤں کی پشت کو بھی عرش کہتے ہیں۔ [1]

شیخ مفید کہتے ہیں کہ لغت میں عرش سے مراد حکومت ہے۔ جیسے قولِ شاعر ہے:

اذا ما بنو مروان ثلت عروشهم
و اودت كما اودت اياد و حمير

"جب آلِ مروان کی حکومت کا تختہ اُلٹ جائے گا اور انہیں بھی ایاد و حمیر کی طرح تیڑھا کر دیا جائے گا"۔

شاعر کہنا چاہتا ہے کہ جب بنی مروان کی حکومت ختم ہو جائے گی اور اُن کی بربادی کا زمانہ شروع ہو جائے گا۔

www.shiabookspdf.com

ایک دوسرے شاعر نے کہا: اظننت عرشك لا يزول ولا يتغير کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تیری حکومت ختم اور تبدیل نہ ہوگی؟!

خداوندِ عالم قرآن کریم میں ملکہ سبا کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

(اُسے ہر چیز دی گئی ہے اور اُس کی بہت بڑی حکومت ہے۔ سورۃ نمل)

یعنی: ولها ملك عظيم (اِس کی حکومت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔)

درج بالا وضاحت کی روشنی میں عرش خدا سے مراد اُس کی حکومت و سلطنت اور اُس کا نظامِ حکومت چلانا ہے۔ عرب استیلاء کو استواء سے تعبیر کرتے

[1] (

ہیں۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

قد استوى شر على العراق
من غير سيف و دم مراق

"عراق پر ایک شریر حاکم بن گیا ہے، اِس کے لیے اُس نے نہ تو تلوار اٹھائی اور نہ اُس کے لیے کوئی خون بہا"۔ انتہی کلامہ

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہاں لغوی اور اصطلاحی معنی باہم خلط ملط ہو گئے ہیں۔ کیونکہ سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ عرش لغت میں حکومت و اقتدار کے معنی میں نہیں۔ بلکہ یہ اُس تخت کے معنی میں ہوتا ہے جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے۔

جہاں تک اصطلاحی معنوں کی بات ہے تو یہ بالکل درست ہے کہ تجوز و کنایہ کے طور پر عرش کا اطلاق حکومت اور اس کے مشابہ چیزوں پر بھی ہوتا ہے۔ یہ کنایہ کبھی علاقہ مشارفہ کی بنا پر ہوتا ہے اور کبھی علاقہ ملازمہ کی بنا پر۔ بادشاہ اپنی کرسی پر بیٹھتا ہے جسے عرش کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ بلقیس اور حضرت سلیمانؑ کے واقعہ میں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے اور سورۃ نمل کی آیات اِس کی تفسیر کرتی ہیں۔ حاکم وقت لوگوں کی جانوں اور اُن کی املاک کا مالک ہوتا ہے اور اپنی حکومت و اقتدار کے ذریعے اُن پر اپنی حاکمیت مسلط کرتا ہے۔ یوں گویا عرش اُس کے حکومتی تصرفات کے لیے لازم ہوتا ہے یا اُن کی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔ پس اصطلاحاً عرش کا اطلاق حکومت، عزت، سلطنت اور اِن جیسی دوسری چیزوں پر ہوتا ہے۔ اِس طرح یہ لفظ اصطلاح میں اپنے عمومی معنی سے خاص معنی کی طرف نقل ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم اور روایاتِ شریفہ میں بھی اِس کا ذکر ہوا ہے۔

فصل ثانی

عرش، در قرآن کریم

عرش اور اِس کے مشتقات قرآن کریم میں ۳۳ مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔ اُن میں سے بعض اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور بعض نئے معنی۔ اور وہ ہے: خدائے عز وجل کا عرش۔

پہلے معنی کے موارد حسب ذیل ہیں:

سورۂ مبارکہ نمل میں بلقیس کے حضرت سلیمانؑ کے ساتھ والے قصہ میں ارشادِ خدا ہوا ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿۲۰﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿۲۲﴾ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾ .... قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ

www.shiabookspdf.com

"اور سلیمانؑ نے (ایک دن) پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں کیا وہ کہیں غائب ہے؟ (اگر ایسا ہی ہے) تو میں اسے سخت سزا دوں گا۔ یا اسے ذبح کر دوں گا۔ یا پھر وہ کوئی واضح دلیل (عذر) میرے سامنے پیش کرے۔ پس کچھ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہدہد نے آکر کہا کہ میں نے وہ بات معلوم کی ہے جو آپ کو معلوم نہیں ہے۔ اور میں (ملک) سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو پایا ہے جو ان لوگوں پر حکومت کرتی ہے اور اسے ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا ایک بڑا تخت (سلطنت) ہے۔ آپ نے کہا: اے عمائدین سلطنت! تم میں سے کون ہے؟ جو اس (ملکہ سبا) کا تخت میرے پاس لائے قبل اس کے کہ وہ مسلمان ہوکر میرے پاس آئیں؟ جنات میں سے ایک شریر و چالاک جن نے کہا کہ میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں۔ بے شک میں اس کی طاقت رکھتا ہوں (اور میں) امانت دار بھی ہوں۔ (اور) اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے پھر جب سلیمان نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل و کرم ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو وہ (اپنا نقصان کرتا ہے) میرا پروردگار بے نیاز اور کریم ہے۔ آپ نے کہا اس (ملکہ) کے تخت کی صورت بدل دو تاکہ ہم دیکھیں کہ آیا وہ صحیح بات تک راہ پاتی ہے یا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو صحیح بات تک راہ نہیں پاتے۔ الغرض جب ملکہ آئی تو اس سے کہا گیا کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا یہ تو گویا وہی ہے"۔ [1]

[1] (سورۂ نمل: ۲۰ تا ۴۲)

سورۃ اعراف میں فرعون کے قصہ میں آیا ہے:

وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

"اور ہم نے وہ سب مٹا دیا جو فرعون اور اُس کی قوم کے لوگ بناتے تھے اور جو بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرتے تھے"۔

شہد کی مکھی کو مخاطب کر کے خدا نے ارشاد فرمایا:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

"اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کو یہ وحی کی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور ان چھپروں میں جن پر لوگ بیلیں چڑھاتے ہیں گھر (چھتے) بنایا کر"۔ ①

حضرت یوسفؑ کے اپنے بھائیوں اور والدین کی ملاقات کے بعد واقعہ میں آیا ہے:

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا

"اور حضرت یوسفؑ نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا پھر وہ حضرت یوسفؑ کے سامنے (خدا کے شکر کے) سجدے میں گر گئے"۔ ②

حضرت شعیبؑ کے قصہ میں ہے کہ جنہوں نے خدا سے مردوں کے زندہ کیے جانے کے بارے میں سوال کیا:

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

"یا اُس شخص کی مثال کہ جو ایک بستی سے گزرا جس کے مکانات چھتوں کے بل گرے ہوئے تھے"۔ ③

باغات کا ذکر کرتے ہوئے خدا ارشاد فرماتا ہے:

① (سورۃ النحل)

② (سورۃ یوسف:۱۰۰)

③ ()

www.shiabookspdf.com

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ

"وہ وہی خدا ہے جس نے بیل کی صورت میں اوپر جانے والی نباتات اور بغیر بیل کے نباتات، کھجوریں اور زراعت پیدا کیں۔ ان سب کے ذائقے جدا جدا ہیں"۔ ①

مومن اور کافر کے درمیان مکالمہ کے ذکر میں ارشاد باری ہے:

فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

"تو وہ اس باغ پر اپنے لگائے ہوئے سرمائے (کے ضائع ہو جانے) پر کفِ افسوس ملنے لگا کیونکہ وہ اپنے چھپروں پر گر گیا تھا"۔ ②

سورۃ الحج آیت ۴۵ میں ارشادِ پروردگار ہے:

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

"غرض کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تباہ و برباد کر دیا کیونکہ وہ ظالم تھیں (چنانچہ) وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں"۔

دوسری صورت میں یہ لفظ جدید اور اصطلاحی معنوں میں وارد ہوا ہے۔ خدا نے قرآن کریم میں اپنے عرش کے لیے استعمال کیا ہے۔ کبھی وہ اس پر اپنے استواء کا ذکر کرتا ہے، کبھی اپنی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ وہ عرش کا مالک اور اُس کا رب ہے اور کبھی وہ عرش کے حامل فرشتوں کا ذکر کرتا ہے۔ پہلی صورت کا ذکر درج ذیل آیات میں ہوا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا

"پھر عرش کی جانب متوجہ ہوا (اور کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ پر قابض ہوا) جو

① (الانعام:۱۴۱)

② (سورۃ الکہف:۴۲)

رات سے دن کو ڈھانپ لیتا ہے"۔ [1]

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ

"پھر وہ عرش پر غالب ہوا وہی (کائنات کے) ہر کام کی تدبیر اور اس کا بندوبست کرتا ہے"۔ [2]

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

"پھر وہ عرش پر متمکن ہوا اور شمس وقمر کی تسخیر کی۔ ہر شے ایک مقررہ وقت کے حساب سے چل رہی ہے"۔ [3]

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝

"وہ خدائے رحمن ہے جس نے عرش پر اپنا اقتدار قائم کیا"۔ [4]

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝

"پھر اس نے عرش پر اقتدار قائم کیا۔ وہی (خدائے) رحمن ہے اس کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھو"۔ [5]

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ

"پھر عرش پر متمکن ہوا اس کے سوا نہ تمہارا کوئی سرپرست ہے اور نہ کوئی سفارشی"۔ [6]

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا

[1] (الاعراف: ۵۴)
[2] (سورۃ یونس: ۳)
[3] (سورۃ رعد: ۲)
[4] (سورۃ طٰہٰ)
[5] (سورۃ فرقان)
[6] (سورۃ السجدہ: ۴)

www.shiabookspdf.com

"پھر عرش پر غالب ہوا (اپنا اقتدار قائم کیا) وہ اسے بھی جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور اسے بھی جو اس سے باہر نکلتا ہے"۔ [1]

دوسری قسم کی آیات یہ ہیں جن میں خدا کی یہ صفت بیان ہوئی وہ عرش کا مالک ہے:

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

"اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے"۔ [2]

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝

"(اے پیغمبرؐ!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر اس (خدا) کے ساتھ اور خدا بھی ہوتے جیسا کہ یہ (کافر) کہتے ہیں تو وہ ضرور مالک عرش تک پہنچنے کا کوئی راستہ تلاش کرتے (اور مقابلہ تک نوبت پہنچ جاتی)"۔ [3]

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

"پس اللہ جو عرش کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں"۔ [4]

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

"آپؐ کہئے کہ سات آسمانوں اور اس بڑے تخت سلطنت کا پروردگار کون ہے؟" [5]

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝

"اللہ جو حقیقی بادشاہ ہے (ایسی بات سے) بلند و برتر ہے اس کے سوا کوئی

[1] (سورہ الحدید: ۴)
[2] (سورۃ توبہ)
[3] (سورۃ بنی اسرائیل)
[4] (الانبیاء)
[5] (المومنون)

الہٰ نہیں ہے۔ وہ عزت و عظمت والے عرش کا مالک ہے"۔ ①

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۩

"اللہ کے سوا کوئی الہٰ نہیں ہے جو عرشِ عظیم کا مالک ہے"۔ ②

رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ

"(وہ) بلند درجوں والا (اور) عرش کا مالک ہے"۔ ③

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

"پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار جو عرش کا مالک ہے اس سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں"۔ ④

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ﴿۲۰﴾

"بے شک یہ (قرآن) ایک معزز پیغامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔ جو قوت والا ہے اور مالکِ عرش کے نزدیک بلند مرتبہ ہے"۔ ⑤

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ﴿۱۵﴾

"وہ بڑا بخشنے والا (اور) بڑا محبت کرنے والا ہے۔ وہ عرش کا مالک (اور) بڑی شان والا ہے"۔ ⑥

تیسری قسم کی آیات یہ ہیں جن میں حاملینِ عرش وغیرہ کا ذکر ہوا ہے:

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ

---

① (المومنون)
② (النمل)
③ (غافر)
④ (الزخرف)
⑤ (سورۃ تکویر)
⑥ (البروج)

"اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش (الٰہی) کے اردگرد اپنے پروردگار کی تسبیح (تقدیس) کر رہے ہوں گے"۔ ①

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ

"جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں"۔ ②

وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ ﴿۱۷﴾

"اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آپؐ کے پروردگار کے عرش کو اس دن آٹھ (فرشتے) اٹھائے ہوں گے"۔ ③

یہ ہم نے اس موضوع کی آیات کا ایک اجمالی سا ذکر آپ کے سامنے کر دیا ہے۔ ان کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔ انشاء اللہ

---

① (الزمر ۷۵)
② (غافر: ۷)
③ (الحاقہ)

www.shiabookspdf.com

فصلِ ثالث

عرشِ علمی

ارشاد پروردگار ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦

"(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے وہ غالب و حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین پر اسی کی بادشاہی ہے، وہ زندگی و موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ وہی اول ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ وہ

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر غالب ہوا (اپنا اقتدار قائم کیا) وہ اسے بھی جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور اسے بھی جو اس سے باہر نکلتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس کی طرف چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لیے ہے اور تمام معاملات کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اس (مال) میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو جس میں اُس نے تمہیں (دوسروں) کا جانشین بنایا ہے۔ پس جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور (مال) خرچ کیا اُن کے لیے بڑا اجر ہے"۔ ①

سورۃ حدید ایمان اور دلوں میں ایمان کے نور والی سورۃ ہے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنا، قرض حسنہ دینا، دنیا میں زاہدانہ زندگی گزارنا، معاشرتی عدالت اور زندگی میں تقوی کی حکمرانی اس کے مضامین میں سے ہیں۔ اِس سورۃ مبارکہ کے شروع میں خدا نے اپنے بعض اسماء وصفات کا ذکر کیا ہے جو کہ یہ ہیں: العزیز، الحکیم، المالك، المحی، الممیت، القادر، الاول، الآخر، الظاهر، الباطن، العلیم، الخالق، المحیط اور البصیر۔

وہ اِن ساری ازلی و ابدی و سرمدی صفات کے ساتھ عرشِ علم پر متمکن ہے۔ وہ آسمان و زمین کی تمام باتوں کا علم رکھتا ہے، وہ ہر جگہ اور ہر حال میں ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ ہم ہر وقت اُس کے سامنے ہیں۔ وہ ہمارے ہر قول و فعل کو دیکھ اور سن رہا ہے۔ وہ دلوں کے ارادوں اور سینوں میں پوشیدہ رازوں سے واقف ہے، آسمانوں اور زمین کی حاکمیت اُس کے پاس ہے، وہ سب کا مالک و مختار ہے، تمام امور کی بازگشت اُسی کی طرف ہے۔ اس بیان کی روشنی میں خدا کے عرش سے مراد اُس کا علم ہے جو ہر شے پر محیط ہے۔

---

① (سورۃ الحدید: ۱ تا ۷)

www.shiabookspdf.com

شیخ صدوق رضوان اللہ علیہ اعتقادات میں لکھتے ہیں: کرسی کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ عرش، آسمانوں، زمین اور دیگر تمام مخلوقات کا ظرف ہے۔ یعنی خدا نے جو کچھ خلق کیا وہ سب کرسی میں موجود ہے۔ ایک دوسرے اعتبار سے کرسی سے مراد خدا کا علم ہے۔ چنانچہ صادق آلِ محمدؑ سے جب وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کی تفسیر معلوم کی گئی تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: خدا کی کرسی سے مراد اُس کا علم ہے۔

تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں: عرش سے مراد خدا کا علم اور اُس کے حاملین میں چار اولین کے افراد ہیں اور چار آخرین کے۔ اولین کے چار یہ ہیں: حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔ اور آخرین میں سے جو چار ہیں اُن میں سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپؐ اولوالعزم نبیوں میں سے ہیں اور آپؐ کی رسالت قیامت تک باقی رہنے والی اور سابقہ ادیان کو منسوخ کرنے والی ہے۔ دوسرے مولا علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسین علیہم السلام ہیں۔

یہ ہستیاں اِس لیے عرشِ علمی کی حامل قرار پائیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیاءؑ چار شریعتوں کے پابند تھے۔ جو حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی تھیں۔ ان کے واسطہ سے خدائی علوم و معارف دوسرے نبیوںؑ تک پہنچیں۔ اسی طرح آخرین میں علم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مولا علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسین علیہم السلام کے واسطہ سے دوسرے اماموں تک پہنچا۔

www.shiabookspdf.com

اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ طاہرینؑ خدا کے علم اور اُس کے عرش کے حامل ہیں تمام مخلوقات کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ ہمارے زمانے میں عالم امکان کے قطب، ناموسِ دہر، بقیۃ اللہ الاعظم، امام منتظر، حجت ثانی عشر، صاحب زمان، قاطع البرہان، ترجمان القرآن، محافظ شریعت، محیٔ سنت قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں۔ خدا ہمیں اُن کے اعوان و انصار اور شیعوں میں سے قرار دے اور ہمیں اُن کی رکاب میں اُن کی محبت، ولایت اور دین پر شہادت عطا کرے۔ (آمین بجاہ محمدؐ و آلہ الطاہرین)

کافی میں شیخ کلینی نے اپنی اِسناد کے ساتھ صفوان بن یحیٰی سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ابوقرہ محدث نے مجھ سے کہا کہ میں اُسے امام علی رضاؑ کے پاس لے کر جاؤں۔ چنانچہ

میں نے امامؑ سے درخواست کی تو انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔ ابوقرہ نے امامؑ سے حلال و حرام کے بارے میں سوالات کیے۔ پھر اُس نے کہا: کیا آپؑ یہ مانتے ہیں کہ خدا محمول (یعنی اُٹھایا ہوا) ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا: ہر وہ جسے اٹھایا جائے مفعول ہوتا ہے، اپنے غیر کی طرف نسبت رکھتا ہے اور اُس کا محتاج ہوتا ہے۔ لفظ محمول نقص و عیب کی خبر دیتا ہے، جبکہ حامل، فاعل اور قابل ستائش اسم ہے۔ جیسے اِس کی مثالیں یہ ہیں: اوپر، نیچے، بلند اور پست۔

خدا فرماتا ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (اور اُسی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں سو تم اُسے اِن ناموں سے پکارا کرو۔) اُس نے اپنی کتاب میں یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ محمول ہے اور اُسے کسی نے اٹھایا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تو خود کو بر و بحر میں اٹھانے اور آسمانوں اور زمین کو فنا ہونے سے بچانے والا کہتا ہے۔ محمول، خدا کے علاوہ چیزیں ہیں۔ جو بھی خدا اور اُس کی عظمت پر ایمان رکھتا ہے اُس کی زبان سے کبھی نہیں سنا گیا کہ اُس نے اپنی دعا میں خدا کو مخاطب کر کے کہا: یا محمول.

ابوقرہ نے کہا: تو اِن آیات کا کیا مطلب ہوگا: (وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ) اور (اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ....)؟!

امامؑ نے فرمایا: عرش سے مراد خدا نہیں، اُس کا علم اور قدرت ہے۔ عرش میں ہر چیز موجود ہے۔ پھر اُس نے اُسے اٹھانے کی نسبت اپنے غیر کی طرف دی جو اُس کی ایک خاص مخلوق ہے۔ وہ انہیں عرش کا حامل بنا کر اُن سے بندگی کرانا چاہتا تھا۔ وہ اُس کے علم کے اُٹھانے والے ہیں۔ ایک دوسری مخلوق سے اُس نے اس طرح عبادت چاہی کہ وہ عرش کے گرد اُس کی تسبیح خوانی کرتے ہیں اور اُس کے دیے ہوئے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ فرشتے بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ اہل زمین سے اُس نے چاہا کہ وہ کعبہ کا طواف کر کے اُس کی عبادت کریں۔ خدا اپنے عرش پر متمکن ہے۔ جیسا کہ اُس نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے۔ پس اللہ عرش، اُس کے حاملین اور اُس کے گرد موجود رہنے والوں کو سنبھالنے والا، اُن کی حفاظت کرنے والا اور انہیں تھام کر رکھنے والا ہے۔ وہ ہر شخص کے اعمال پر نگران ہے۔ وہ ہر چیز سے مافوق اور اُس پر حاوی ہے۔ اس کے بارے میں محمول یا اسفل جیسی کوئی مفرد بات نہیں کہی

جا سکتی۔ کیونکہ اِس سے لفظ و معنی دونوں فاسد ہو جاتے ہیں۔

ابو قرہ نے کہا: تو کیا آپؑ اِس روایت کو تسلیم نہیں کرتے کہ جب خدا غضب ناک ہوتا ہے تو اُس کی نشانی یہ ہے کہ عرش اٹھانے والے فرشتے اُس کا بوجھ اپنے کندھوں پر محسوس کرتے ہیں۔ اِس پر وہ سجدے میں گر جاتے ہیں۔ پھر جب خدا کا غضب دور ہوتا اور وہ اُن پر سے اپنا بوجھ کم کرتا ہے تو دوبارہ اپنی سابقہ حالت پہ واپس آ جاتے ہیں؟

یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: مجھے بتاؤ کہ جب سے خدا نے ابلیس پر لعنت کی، اُس وقت سے اب تک وہ اُس سے کب راضی ہوا ہے؟ اِس کے تم بھی قائل ہو کہ وہ اُس سے، اُس کے ساتھیوں سے اور اُس کی پیروی کرنے والوں سے ناراض ہے؟ یہ تم نے کتنی بڑی جسارت کی کہ اپنے رب کے بارے میں اِس بات کو مان لیا کہ اُس کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور اُس میں مخلوق جیسے نقائص پائے جاتے ہیں؟!۔ اُس کی ذات پاک اور ایسی باتوں سے مبرا ہے۔ وہ نہ زائل ہونے والوں کے ساتھ زائل ہوا، نہ متغیر ہونے والوں کے ساتھ تغیر پذیر ہوا اور نہ ہی تبدیل ہونے والوں کے ساتھ تبدیل ہوا ہے۔ اُس کے علاوہ جو بھی ہے وہ اُس کے دستِ قدرت اور اُس کی تدبیر کے زیرِ اثر ہے۔ سب اُس کے محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز ہے۔ [1]

www.shiabookspdf.com

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اِس روایت کے معنی کو بڑی لطافت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تفصیل کے شائقین اُن کی کتاب کی طرف رجوع کریں۔

تفسیر قمی میں وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ کی تفسیر میں آیا ہے کہ حاملین عرش کی تعداد آٹھ ہے۔ اُن میں سے چار اولین کے افراد ہیں۔ اور وہ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں اور آخرین میں سے چار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مولا علی، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام ہیں۔ اور یحملون العرش سے مراد علم ہے۔ (یعنی وہ علم الٰہی کے حامل ہیں۔) [2]

[1] (بحار الانوار: ۱۵/۵۵: الکافی: ۱/۱۳۰)

[2] (بحار الانوار: ۵۵/۲۷: تفسیر قمی: ۶۹۴)

توحید اور معانی الاخبار میں شیخ صدوق نے اپنی سند کے ساتھ حفص بن غیاث سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اِس فرمانِ الٰہی وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: اِس (کرسی) سے مراد خدا کا علم ہے۔ [1]

اِسی سند کے ساتھ عبد اللہ بن سنان سے نقل کیا ہے، انہوں نے صادق آلِ محمدؑ سے اِس فرمانِ خدا: کی تفسیر پوچھی تو آپؑ نے جواب دیا: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کرسی میں ہے۔ عرش سے مراد خدا کا وہ علم ہے جس کا کوئی بھی اندازہ نہیں کر سکتا۔

جناب محمد بن مسلمؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے سرکارِ باقر العلوم علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے سنا، آپؑ نے اِس فرمانِ الٰہی (اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: اِس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مولا علی، امام حسن، امام حسین، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

خدا نے عرش علمی پر معرفت کے رنگ سے یہ تحریر لکھی ہے: اَلْحُسَيْنُ مِصْبَاحُ الْهُدٰى وَسَفِيْنَةُ النَّجَاةِ "امام حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کا سفینہ ہیں"۔ یہ وہ علم جس کا کوئی بھی حساب نہیں لگا سکتا۔ اِس علم کے اُٹھانے والے چار مقرب فرشتے ہیں: حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام، چار افراد اولین میں سے ہیں: حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور چار آخرین میں سے: سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مولا امیر المومنینؑ، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام۔ یہ خلق خدا کے وہ برگزیدہ افراد ہیں کہ ان کی خلقت اور ماسوا اللہ کے بارے میں خدا کے اذن و علم سے تدبیر میں علم الٰہی کی جھلک نظر آتی ہے کہ جس میں مصباحِ حسینیؑ کی چمک دمک اور سفینۂ حسینیہ کی آب و تاب دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنے عرش پہ لکھا ہوا ہے: اَلْحُسَيْنُ مِصْبَاحُ الْهُدٰى وَسَفِيْنَةُ النَّجَاةِ

[1] (توحید: ۲۳۹)

وہ اپنے علم و قدرت سے عرش پر اقتدار قائم کیے ہوئے ہے اور اپنے علاوہ تمام مصنوعات و مخلوقات، خواہ وہ مجرد ہوں یا مادی، علوی یا سفلی، پر نگہبان ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی، سب اُس کا ہے، وہ اپنے علم، قدرت اور رحمت سے اپنی مخلوق اور کائنات کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔ وہ رحمٰن و رحیم ہے۔ ایسے عرشِ رحمانی پر قلمِ قدرت اور ارادۂ ربانیہ سے یہ تحریر لکھی ہوئی ہے:

إِنَّ الْحُسَيْنَ مِصْبَاحُ الْهُدَىٰ وَسَفِينَةُ النَّجَاةِ

"بلاشبہ امام حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کا سفینہ ہیں"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقتِ حسینیہ کائنات کی زندگی کی رگ رگ میں جاری و ساری ہے۔ جو بھی شخص اُن کے سفینۂ رحمانیہ پر سوار ہوتا ہے وہ خدا کی رحمت کے سائے میں چلا جاتا ہے اور رُوحِ حسینیؑ کے وسیلے سے عالمِ امکانی سے متصل و مربوط ہو جاتا ہے۔ پھر اُس کے عرشی علم میں اضافہ ہوتا اور وہ خدا کے ہر فیصلے کو اپنے حق میں اچھا سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ پاک سیرت و ستودہ صفات شہداء کی مقتل کو بھی زینبیؑ نگاہ، حسینیؑ نظر اور عرشِ رحمانی پر سے الٰہی فیوضات کے آئینے سے اچھا ہی دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ابن زیاد لعین نے ثانیہ زہراؑ سے سوال کیا کہ آپؑ کی نگاہ میں خدا نے آپؑ کے بھائی حسینؑ کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ تو بی بیؑ نے فرمایا:
مَا رَأَيْتُ إِلَّا جَمِيلًا "میں نے اچھائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا"۔

رحمتِ رحمانیہ خدا کے خاص اولیاء میں جلوہ نمائی کرتی ہے۔ اسی کی وجہ سے امام حسینؑ نے حرؓ کو معاف کیا کہ جس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ وہ یہ کہ اُس نے امام عالی مقام کا راستہ روکا اور کربلا کے خونین واقعہ کے اسباب میں سے ایک سبب ٹھہرا۔

ان اولیاء و عرفا کی نگاہ میں پوری کائنات جمال سے پر ہے۔ یہ اللہ کے جمال، جلال اور کمال کا مظہر ہے۔ بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ وہ جو بھی کرتا ہے اچھا کرتا ہے۔ لہٰذا وہ جمالِ مطلق اور مطلقِ جمال ہے۔

www.shiabookspdf.com

عرشِ رحمانی

خدائے بزرگ و برتر قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ﴿٥﴾

"وہ خدائے رحمٰن ہے جس کا عرش پر اقتدار قائم ہے"۔ [1]

الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ﴿٥٩﴾

"وہ خدا جس نے آسمانوں، زمین اور اُن کے درمیان موجود چیزوں کو چھے ایام میں خلق کیا ہے، پھر اُس نے عرش پہ اپنا اقتدار قائم کیا۔ وہ رحمٰن ہے، اُس کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے سے پوچھیں"۔ [2]

الرحمٰن اور الرحیم خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ روایات کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے فرق رکھتے ہیں۔ الرحمٰن، اسمِ عام ہے۔ خدا اپنی رحمتِ رحمانیہ سے مومن و کافر کو خلق کرتا ہے اور انہیں دنیا میں رزق دیتا ہے۔ یہ رحمت وسیع ہے اور دنیا میں مومن و غیر مومن سب کے لیے ایک جیسی ہے۔ اس کے علاوہ خدا کی ایک اور رحمت بھی ہے جو اہل ایمان کے لیے مختص ہے۔ اور دنیا و آخرت میں محسنین کے قریب ہے۔ یہ خدا کا خاص لطف ہے، اسے رحمتِ رحیمیہ کہتے ہیں۔

عرشِ رحمانی سے مراد خدا کا وہ علم ہے جو اُس کی رحمتِ رحمانیہ کے بارے میں خبر دیتا ہے۔ اور اُس کے باطن میں رحمتِ رحیمیہ ہے۔

بنا بریں [اِسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ] کا معنی یہ ہوگا کہ خدا کی حکمت، علم اور قدرت سے جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے اُس کی کوئی حد نہیں۔ وہ ہر شے کا عالم اور ہر ایک چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

[1] (سورۃ طٰہٰ)

[2] (سورۃ الفرقان)

عرشِ تدبیری

خدائے مہربان اپنی لاریب کتاب میں ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝

"اللہ ہی وہ ہے جس نے آسمانوں کو کسی ایسے ستون کے بغیر کھڑا کیا جسے تم دیکھتے ہو، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا اور شمس و قمر کو اپنے لیے مسخر کیا۔ یہ سب اپنی مقررہ مدت کے حساب سے چلتے ہیں۔ وہ امورِ کائنات کی تدبیر کرتا ہے اور اپنی نشانیوں کو تمہارے سامنے کھول کر رکھتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات پر یقین رکھو۔" ①

www.shiabookspdf.com

یہ اور اُس کے بعد کی آیات اُس عرش کی معرفت کی جانب ہماری راہنمائی کرتے ہیں جسے ہم عرشِ تدبیری اور عرشِ حکومتی کہتے ہیں۔ اِس سب میں غور و تعقل کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ عقل و تفکر کا نتیجہ یقین میں اضافہ اور اُس کا کامل ہونا ہے۔ اور اِس لیے تاکہ تم اپنے تسخیر و تدبیر کرنے والے اور پوری کائنات پر حکمرانی کرنے والے خدا پر یقین و اعتقاد رکھو۔ وہ اپنے عرش پر غالب و متمکن ہے تاکہ اپنی مخلوق اور بندوں کے امور کے فیصلے کرے۔ وہ لوگوں کے لیے اپنی آیات کھول کھول بیان کرتا ہے تاکہ اُن کا یقین اور زیادہ ہو اور وہ جان لیں کہ عن قریب اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ بے شک انسان اپنے رب کی راہ میں جد و جہد میں لگا رہتا ہے اور بالآخر اُس سے ملاقات کا شرف حاصل کر لیتا ہے۔ جسے اپنے رب کی ملاقات کی امید ہو تو وہ اُس پر ایمان رکھتے ہوئے اَعمالِ صالحہ انجام دیتا ہے۔ خدا اور اُس کی ملاقات پر یقینِ تام اور ایمانِ کامل کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔ تاکہ وہ اپنے صاحب

① (سورۂ رعد)

قدرت خدا کے حضور اچھے مقام پر پہنچ جائے۔ اِس لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ خدائے عزوجل نے قرآن کریم کی کئی ایک آیات میں ایمان و عمل صالح کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے۔

مثلاً: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مدبرِ حقیقی خدا ہی کی ذات ہے۔ چنانچہ سید الساجدینؑ کے دورِ امامت میں مشاہدہ کیا گیا کہ غلافِ کعبہ پر (قلمِ قدرت سے) یہ تحریر لکھی گئی:

لا تدبر لك امرا　　فأولى التدبير هلكى
وكل الامر الى من　　هو اولى منك امرا

"اپنے کام کی تدبیر خود مت کرو، ورنہ میں تمہاری تدبیر کو ہلاکت کی طرف پھیر دوں گا۔ اپنا معاملہ اُس ذات کے سپرد کردو جو تم سے زیادہ صاحبِ اختیار ہے"۔

خدا اپنے بندوں کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ اُس کی ذات پر توکل کریں۔ جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

"اور خدا پر ہی مومنوں کو توکل کرنا چاہیے"۔ ①

جو خدا پر توکل کرے تو خدا اس کا مددگار ہوتا ہے۔ بلاشبہ وہ بہت اچھا مدد کرنے والا اور تمام صفاتِ کمال و جمال کا جامع ہے۔ وہ حی و سرمدی ہے، ہر شے کا جاننے والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ پس وہ جو چاہتا ہے اپنی قدرت سے انجام دیتا ہے اور جس کے بارے میں چاہتا ہے حکم صادر کرتا ہے۔

وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ سب کا مدبر ہے۔ تمام امور کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ دین کا بنانے والا ہے۔ وہ اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے۔ وہ اپنے علمِ مطلق اور رحمت و رحمانیہ

① (سورۃ التغابن: ۱۳)

سے عرشِ تدبیری پر مستوی ہے تاکہ اپنی مخلوق کے امور کی تدبیر کرے اور اپنی حکمتِ بالغہ اور دقیق نظام کے تحت انہیں منظم کرے۔ مگر لطف کی بات یہ ہے کہ اس الٰہی عرش پہ معرفت کے سبز رنگ سے اَلْحُسَیْنُ مِصْبَاحُ الْهُدٰی وَ سَفِیْنَةُ النِّجَاةِ لکھا ہوا ہے۔ تاکہ نورِ حسینیؑ ان کے ہدایت کے چراغ سے تمام مخلوقات میں جاری وساری ہو۔ پھر تمام زمینیں، آسمان اور ان میں موجود ساری مخلوقات آپؑ کی مظلومیت پہ نوحہ کریں۔ جیسا کہ اخبار میں وارد ہوا ہے۔

عرشِ خلقی

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝

”جو عرشِ الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اُس کے گرد موجود ہیں وہ حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں اور ایمان والوں کے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں:) اے ہمارے ربّ! تیری رحمت اور علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تو تو ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی پیروی اختیار کی۔ اور انہیں جہنم کے عذاب سے بچا لے“۔ [1]

www.shiabookspdf.com

وَّالْمَلَكُ عَلٰۤی اَرْجَآئِهَا ؕ وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ ۝

”اور فرشتے آسمان کے کناروں پر موجود ہوں گے اور اُس دن تمہارے رب کے عرش آٹھ افراد اُٹھائے ہوں گے“۔ [2]

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَی الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ

---

[1] (غافر)
[2] (الحاقہ)

الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"اور جن لوگوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا انہیں جنّت کی طرف گروہ در گروہ لے جایا جائے گا حتیٰ وہ اس کے قریب پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے خازنین جنت کہیں گے کہ تم پر ہمارا سلام ہو تم پاک و پاکیزہ ہو سو تم ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ اور وہ کہیں گے شکرِ خدا ہے کہ اس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ کو سچ کر دکھایا اور ہمیں اپنی زمین کا وارث بنا دیا ہے اب جنت میں جہاں چاہیں آرام کریں گے اور بیشک یہ عمل کرنے والوں کا بہترین اجر ہے اور تم دیکھو گے کہ ملائکہ عرشِ الٰہی کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے اپنے رب کی حمد کی تسبیح کر رہے ہیں اور لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر طرف ایک ہی آواز ہوگی کہ الحمدللہ رب العالمین"۔ ①

خدا کا علم ساری مخلوق کی ایجاد سے پہلے اُن سے متعلق ہے۔ ہر چیز اُس کے محضر میں ہے۔ اُس کی رحمت و علم ہر شے پہ چھائی ہوئی ہے۔ خدا نے اِس کائنات اور اِس کے نظام میں علل و معلولات کا قانون جاری کیا ہے۔ اُس نے ہر شے کو کسی نہ کسی سبب کے تابع کیا ہے۔ اُس کی مخلوق میں سے فرشتے بھی ہیں جنہیں خدا نے کچھ چیزوں کا علم سکھایا۔ جیسا کہ حضرت آدمؑ کو بھی وہ باتیں تعلیم کیں جو اُنہیں تعلیم نہیں کی تھیں۔ وہ خدا کے اُس کی مخلوق اور اُس کے امور کے متعلق علم کے حامل قرار پائے ہیں۔ یہ وہ خاص علم ہے جسے ہم عرشِ خلقی کا نام دیتے ہیں جس کے اٹھانے والے مقرب فرشتے اور اللہ کے نیک بندے ہیں۔ اُن کی تعداد آٹھ ہے۔

جیسا کہ آیاتِ کریمہ اور روایاتِ شریفہ وارد ہوا ہے۔ اُن میں سے چار فرشتوں میں سے ہیں اور چار انبیاءؑ و اوصیاءؑ میں سے ہیں۔ وہ خدا کے اُس علم کے حامل ہیں جو اُس کی مخلوق

① (سورۂ زمر: ۷۳ تا ۷۵)

سے متعلق ہے۔ وہ خالق و مخلوق کے درمیان عوالمِ علویہ و سفلیہ میں سب سے اہم واسطہ ہیں۔ وہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے اور وہ ناپسند کرتے ہیں جو خدا ناپسند کرتا ہے۔ اِن میں ارادۂ الٰہی جلوہ فگن ہے اُن کی رضا خدا کی رضا اور خدا کی رضا اُن کی رضا ہے۔ خدا کی نافرمانی اُن کی نافرمانی اور اُن کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ وہ خدا کی بنائے ہوئے اور مخلوق ان کی تربیت و تعلیم محتاج ہے۔ وہ فیوضات میں واسطہ اور فیوضاتِ الٰہیہ اور عنایاتِ ربانیہ کے منتقل ہونے کا واسطہ ہیں۔ وہ وجہ اللہ ہیں جس کی طرف اولیاء متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ باب اللہ ہیں جس سے داخل ہوا جاتا ہے۔ جس نے اُن کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی، جس نے اُن کی نافرمانی کی اُس نے خدا کی نافرمانی کی۔ اُن میں اور خدا میں درمیان یہی فرق ہے کہ وہ خدا کے اہلِ کرامت بندے ہیں۔ اور اُس نے انہیں اپنے دستِ قدرت سے خلق کیا ہے۔

مگر لطف یہ ہے کہ اِسی عرش پر معرفت کے سبز رنگ سے تحریر ہے: اَلْحُسَيْنُ مِصْبَاحُ الْهُدٰى وَ سَفِيْنَةُ النِّجَاةِ اِس بنا پر امام حسینؑ کا حسن اور قدیم الاحسان ہونا خلقِ خدا میں اِس طرح جاری ہے کہ جیسے میں روح چلتی ہے۔

www.shiabookspdf.com

عرشِ مُلکی

خدائے لم یزل ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

"بتحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول ﷺ آ چکا ہے، جس پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے، وہ تمہاری بہتری کا خواہاں ہے، اور مومنوں کے لیے بہت ہی نرم دل اور مہربان ہے۔ سو اگر لوگ روگردانی کریں تو آپؐ کہہ دیں کہ میرے لیے اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُسی پر میں نے توکل کیا ہے۔ اور وہ عرشِ عظیم کا رب ہے"۔ [1]

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

"کہیے کہ سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ وہ کہیں گے: اللہ۔ اس کے جواب میں آپؐ کہیں: تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟!" [2]

ان آیاتِ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ لفظِ عرش خدا کی حکومت وملکوت کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ حکومت ظاہری چیزوں پر ہوتی ہے جبکہ ملکوتیت باطنی چیزوں اور حقائق پر ہوتی ہے۔ خدا کے صاحبِ عرشِ عظیم ہونے سے مراد اُس کا صاحبِ مُلکِ عظیم ہونا ہے۔ جیسا کہ حنان بن سدیر کی خبر میں وارد ہوا ہے۔

چنانچہ شیخ صدوق رضوان اللہ علیہ نے اپنی معتبر سند کے ساتھ جناب حنان بن سدیرؒ سے

[1] (سورۂ توبہ)

[2] (سورہ مومنون)

www.shiabookspdf.com

نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے عرش و کرسی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: عرش کی بہت سی صفات ہیں جو باہم مختلف ہیں۔ قرآن کریم میں اُس کی ہر سبب اور ہر قسم کے اعتبار سے الگ الگ صفات بیان کی گئی ہیں۔ لہٰذا اس فرمانِ الٰہی رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ملک عظیم کا رب ہے۔ اسی طرح اس آیت اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی مملکت پر محافظ و نگہبان ہے۔ یہ چیزوں میں کیفوفیت کی حکومت ہے۔ پھر یہ کرسی کے ساتھ متصل و مربوط ہونے کے باوجود بھی اُس سے جدا اور ممیز ہے۔ (اتصال کی صورت یہ ہے کہ) یہ دونوں غائب اشیاء کے بڑے ابواب میں سے ہیں۔ یہ دونوں غیب ہیں اور غیب ہونے میں ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ کرسی اُس غیب کا ظاہری باب ہے جس سے عدم سے وجود میں لانا ظاہر ہوتا ہے۔ تمام اشیاء کی تخلیق اسی سے ہوئی ہے۔ جبکہ عرش اس کا باطنی باب ہے جس میں کیف و ترک واپس آنے اور آغاز کا علم موجود ہے۔ یہ دونوں علم کے اعتبار ایک دوسرے سے متصل دروازے ہیں۔ لیکن دوسری طرف عرش کی حکومت، کرسی کی حکومت سے الگ ہے اور اُس کا علم کرسی کے علم سے زیادہ غیب ہے۔ اسی لیے اُس نے خود کو رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ کہا ہے یعنی عرش والی صفت کرسی والی صفت کے مقابلے میں بڑی صفت ہے۔ لیکن وہ اِس (یعنی صفت کے ایک ہونے کے) اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

راوی کہتا ہے: میں نے عرض کی: قربان جاؤں! پھر یہ فضیلت میں کرسی کے ساتھ شریک کیوں رہا؟ امامؑ نے فرمایا: یہ فضیلت میں کرسی کے ساتھ اس لیے شریک رہا، کیونکہ اس میں کیفوفیت کا علم موجود ہے۔ جبکہ کرسی میں ابتداء کے ابواب، اُن کی اینیت (مقام ومحل) اور ملنے وجدا ہونے کی حد کے ظاہر کا بیان کیا گیا ہے۔ یہ دو ایسے ساتھی ہیں کہ ایک دوسرے کی تصریف کا حامل ہے (یعنی کلام کو غیر محسوس سے محسوس کی طرف پھیرنا اور غیر محسوس کا محسوس کی مدد سے بیان کرنا۔ اور علماء مثالوں سے بات کو ذہن کے قریب کرتے ہیں۔ تاکہ وہ ان دونوں کے متعلق اپنے دعوٰی کی صداقت پر استدلال کر سکیں۔ بلاشبہ خدا جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ وہ بہت قوت والا اور غالب ہے۔

عرش کی صفات میں اختلاف کی ایک مثال یہ ہے کہ خدا نے فرمایا: رَبُّ الْعَرْشِ [رَبُّ الْوَحْدَانِيَّةِ] عَمَّا يَصِفُوْنَ وہ عرش یعنی واحدانیت کا رب ہے اور اُن باتوں سے مبرا ہے جو وہ لوگ کہتے ہیں ۔ کچھ لوگوں نے اُس کو دو ہاتھوں کا عاجز کہا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: يَدُ اللهِ مَغْلُوْلَةٌ (خدا کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔) کچھ لوگوں نے اُس کے متعلق پاؤں کی بات کی اور کہا: خدا نے اپنا پاؤں بیت المقدس کی چٹان پر رکھا اور وہاں سے اوپر کی طرف چلا گیا۔ کچھ لوگوں نے اُس کے لیے انگلیاں بھی بیان کر دیں۔

بحث کا خُلاصہ

ہم عقیدہ رکھتے ہیں عرشِ الٰہی مجسم نہیں ہے۔ یعنی وہ کرسی یا تخت کی صورت میں نہیں ۔ جیسا کہ مجسمہ فرقہ کے لوگوں کا عقیدہ ہے۔ خدا انہیں غارت کرے، وہ کہتے ہیں کہ خدا اپنے عرش پر اس طرح بیٹھتا ہے جیسے ایک بادشاہ اپنی کرسی یا تخت پر بیٹھتا ہے۔ اور جب وہ عرش پہ بیٹھتا ہے تو وہ زین کی طرح چرچراتا ہے۔ وہ اُس سے اتر کر پہلے آسمان یا دنیا پر آتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے اِس دور میں وہابیوں کا عقیدہ بھی یہی ہے جو ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہیں ۔ ایک دفعہ وہ منبر پہ بیٹھا ہوا تھا اور اُس سے خدا کے عرش اور اُس کے عرش سے نیچے اترنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو اُس نے جواب دیا: ہاں، بالکل! خدا اِسی طرح اپنے عرش سے نیچے آتا جیسے میں اِس منبر سے اترنے لگا ہوں ۔ یہ کہہ کر وہ منبر سے نیچے آگیا۔ عیاذاً باللہ

یہ عقیدہ عقل سلیم اور صحیح روایات سے متصادم ہے۔ کیونکہ اِس سے لازم آتا ہے کہ خدا معاذ اللہ جسم رکھتا ہے اور ایک خاص جہت میں موجود ہوتا ہے۔ اِس نتیجے میں خدا کا محتاج و محدود ہونا لازم آتا ہے۔ یہ چیزیں اِمکانِ ذاتی کی خصوصیات ولوازمات میں سے ہیں ۔ جبکہ خدا اپنی ذات میں واجب الوجود ہے۔ اُس میں تمام صفات جمال و کمال موجود ہیں، وہ غنی بالذات ہے اور اُن باتوں سے بہت بلند ہے جو اِس قسم کے جہلا کہتے ہیں ۔ خدا جسم والا کیونکر ہوسکتا ہے، جبکہ جسم اپنے وجود و ترکیب میں اپنے غیر کا اور دوسرے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے۔ خدا اِن سب باتوں سے منزہ ومبرہ اور لطیف ہے۔

شیخ صدوقؒ نے التوحید میں اپنی سند کے ساتھ جناب سلمان فارسیؓ سے روایت نقل کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نصرانی عالم جاثلیق نے مولا امیر المومنینؑ سے سوال کیا: مجھے اپنے رب کے بارے میں بتایئے وہ اٹھاتا ہے یا اُسے اٹھایا گیا ہے؟ تو مولائے کائناتؑ نے فرمایا: ہمارا پروردگار اٹھاتا ہے، نہ کہ اُسے اٹھایا جاتا ہے۔

نصرانی نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ اُس دن تمہارے رب کے عرش کو آٹھ افراد اٹھائے ہوں گے؟

مولاؑ نے فرمایا: ہاں یہ بات سچ ہے کہ فرشتے عرشِ الٰہی کو اٹھائیں گے۔ لیکن خدا کا عرش کرسی کی طرح نہیں کہ جیسے تو گمان کر رہا ہے۔ بلکہ وہ ایک محدود، مخلوق اور تدبیر شدہ چیز ہے۔ تمہارا رب اُس کا مالک ہے۔ مگر ایسے نہیں کہ جیسے ایک چیز دوسری چیز پر ہوتی ہے۔ اُس نے ملائکہ کو اٹھانے کا حکم دیا ہے لہٰذا وہ عرش کو اُسی قدر اٹھا پائیں گے۔ جتنی خدا نے اُنہیں اٹھانے کی طاقت دی ہے۔

یہ سن کر نصرانی نے کہا: خدا آپؑ پر رحمت نازل کرے، آپؑ نے بالکل سچ فرمایا!

www.shiabookspdf.com

کہا گیا ہے کہ علیت وسببیت کا نظام اِس دنیا کے لیے ایک کلی ضابطہ ہے۔ اور یہاں کے تمام تر حوادثات وظواہر اُس قانون کے تابع ہیں ۔ یعنی ہر معلول کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے۔ پھر یہ علل ومعالیل کا سلسلہ تمام علتوں کی علت کی پر جا کر رکتا ہے۔ وہ خدائے سبحان کی ذات ہے۔ جو زندگی کو فیضِ وجود دینے والا، قدرت عطا کرنے والا اور تمام قوانین کا بنانے والا ہے۔ اِن علتوں اور معلولات میں اختلاف کا موجود ہونا کوئی مخفی بات نہیں ہے۔ لیکن کائنات کے مراحل باہم اختلاف کے باوجود ایک مرحلے پر جا کر ایک ہو جاتے ہیں ۔ اِس مرحلے میں اسباب کی وجہ سے رونما ہونے والے حوادث ختم ہو جاتے ہیں ۔ اور اسباب کا معاملہ اپنے شخصی ونوعی اختلافات کے باوجود ختم ہو جاتا ہے اور مرتبے بنا دیے جاتے ہیں ۔ اِسی کو عرش کہا جاتا ہے۔

اِس بنا پر عرش وہ مقام ہے جہاں تدابیرِ عامہ ختم ہو جاتی ہیں اور جہاں سے اوامرِ تکوینیہ صادر ہوتے ہیں ۔ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ (وہ عرش مجید کا مالک ہے، جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ سورۃ البروج)

تمام واقعات کی صورتیں بھی اِسی میں سے ہیں۔ یہ سب اُس کے سامنے حاضر اور اُس کے علم میں موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا عرش کے متعلق ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ پوری کائنات کی تدبیر کے بارے میں علمِ تام ہے جو تمام چیزوں پر محیط ہے اور ہر شے اُس کے دائرۂ کار کے اندر محدود ہے۔ انہیں تدابیر سے خدا نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا، یعنی کائنات کی تخلیق کا آغاز کیا۔ چونکہ پانی سے زمین کا آغاز ہوا اس لیے عام اسباب اس علت اول کی طرف پلٹتے ہیں۔ جو کہ اپنے آغاز میں علت اصل خداوند عالم کی معلول ومخلوق ہے اسی لیے اس کا عرش پانی پہ ہے۔ جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

"اور وہی وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور اس کا تختِ اقتدار پانی پر تھا"۔ [1]

یعنی خدا کے علمِ تام میں یہ بات طے تھی کہ پانی سے اسباب وحیات کے سلسلے کی ابتداء ہوگی۔

سورۃ انبیاء میں خدا ارشاد فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۚ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

"اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ تو کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لائیں گے؟"

لہٰذا اس وقت عرش کے پانی پر ہونے سے اِس امر کی طرف کنایہ ہے کہ خدا کی حکومت اس پانی پر ہوگی کہ جو حیات کا مادہ ہے۔

رہی بات حاملین عرش کی، تو آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ملائکہ میں سے ہیں اور وَمَنْ حَوْلَهٗ وہ فرشتے ہیں جو عرش کے گرد موجود ہیں۔ جیسا کہ سورۃ زمر میں ارشاد ہے:

[1] (سورۃ ہود: ۷)

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ [1]

لہٰذا حاملین عرش بھی ملائکہ میں سے ہوں گے۔ جیسا کہ روایاتِ شریفہ میں وارد ہوا ہے۔ اُس مقدس مقام سے اُن مقربین کی طرف اوامر واحکام صادر ہوتے ہیں۔

رہی بات کرسی کی تو یہ حکمرانی، تسلط اور غلبے سے کنایہ ہے۔ بعض افراد یہ جو کہتے ہیں کہ خدا کرسی پر بیٹھتا ہے تو یہ نظریہ صحیح نہیں، اور عقلی دلائل، ظواہر قرآن اور نصوصِ اخبار کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ کرسی کی حقیقت یہ ہے کہ یہ علمِ فعلی کا ایک مرتبہ ہے جو آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں پر محیط ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربُ العزت ہے: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (خدا کی کرسی تمام آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔) یعنی اُس کا علم اُس کی ساری مملکت پر محیط ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پھر اُس نے اقتدار سنبھالا [2]

اِس آیت سے عرش وکرسی دونوں ایک امر معلوم ہوتے ہیں۔ جبکہ وہ علم الٰہی کا ایک عظیم مرتبہ ہے۔ اور کرسی عرش کو بھی اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ جیسا کہ اِس فرمان خدا سے ظاہر ہوتا ہے: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ کبھی کبھی کرسی کا اطلاق عرش پر بھی ہوتا ہے اور دونوں لفظوں سے ایک معنی بھی لیا جاتا ہے۔

www.shiabookspdf.com

اِس سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱) عرش وہ مقام ہے جس سے تمام اشیاء کا ظہور ہوتا ہے۔ اور وہ اِس کائنات کے بارے میں تمام تفصیلی تدابیر کا اجمال کا مرکز ہے۔ بالفاظ دیگر یہ مقام مملکت ہے اور اِس سے تدابیر صادر ہوتی ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس سے اشیاء کا ظہور ہوتا ہے۔

۲) کرسی ہر شے کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے اشیاء کی تفصیلات تمام تر تغیرات کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں۔ جو بدا ہوتا ہے وہ بھی اِسی میں ہوتا ہے، عرش میں نہیں۔ یہ تفصیلات وتغیرات نظامِ علیت کے مطابق ہوتی ہیں۔ اور معلولات اپنی علتوں کی

[1] (اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ عرش کے گرد کناروں پر موجود ہوں گے۔ ۷۵)

[2] (سورۃ الاعراف: ۵۴؛ سورۃ یونس: ۳؛ سورۃ الرعد: ۲؛ سورۃ الفرقان: ۵۹)

ترتیب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اِس بنا پر کرسی احاطہ، تدبیر، حفاظت اور علم حضوری کا مقام بھی ہے۔

۳) عرش و کرسی علم غیبی میں دو باب ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ عرش کا ملک کرسی کے علم کی نسبت زیادہ غیب ہے۔ اِسی لیے اُس کی صفت کرسی سے بڑی ہے۔ البتہ یہ غیب ہونے میں ایک دوسرے کے ساتھ یکسانیت رکھتے ہیں۔

ایک خبر میں آیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

عرش کی کئی ایک صفات ہیں جو باہم مختلف ہیں۔ قرآن کریم میں اُس کی ہر سبب اور ہر قسم کے اعتبار سے الگ الگ صفات بیان کی گئی ہیں۔[1] لہٰذا اِس فرمانِ الٰہی رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ملک عظیم کا رب ہے۔ اِسی طرح اِس آیت اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی مملکت پر محافظ و نگہبان ہے۔ یہ چیزوں میں کیفوفیت (کیفیت) کی حکومت ہے۔ پھر یہ کرسی کے ساتھ متصل و مربوط ہونے کے باوجود بھی اُس سے جدا اور ممیز ہے۔ (اتصال کی صورت یہ ہے کہ) یہ دونوں غائب اشیاء کے بڑے ابواب میں سے ہیں۔

یہ دونوں غیب ہیں اور غیب ہونے میں ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ کرسی اُس غیب کا ظاہری باب ہے جس سے عدم سے وجود میں لانا ظاہر ہوتا ہے۔ تمام اشیاء کی تخلیق اِسی سے ہوئی ہے۔ جبکہ عرش باطن والا باب ہے جس میں کیف و ترک اور واپس آنے اور آغاز کا علم موجود ہے۔ یہ دونوں علم کے اعتبار ایک دوسرے سے متصل دروازے ہیں۔

لیکن دوسری طرف عرش کی حکومت، کرسی کی حکومت سے الگ ہے اور اُس کا علم کرسی کے علم سے زیادہ غیب ہے۔ اِسی لیے اُس نے خود کو رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ کہا ہے یعنی عرش والی صفت کرسی والی صفت کے مقابلے میں بڑی ہے۔ لیکن وہ اِس (یعنی صفت کے ایک ہونے کے) اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

راوی کہتا ہے: میں نے عرض کی: قربان جاؤں! پھر یہ فضیلت میں کرسی کے ساتھ شریک کیوں رہا؟ امامؑ نے فرمایا: یہ فضیلت میں کرسی کے ساتھ اِس لیے شریک رہا، کیونکہ اِس

[1] اِس کا ترجمہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے: اِس کی قرآن کریم میں ہر سبب و ضع میں ایک الگ صفت موجود ہے۔ (از مترجم)

www.shiabookspdf.com

میں کیفوفیت کا علم موجود ہے۔ جبکہ کرسی میں ابتداء کے ابواب، اُن کی اینیت (مقام و محل) اور ملنے وجدا ہونے کی حد کے ظاہر کا بیان کیا گیا ہے۔

یہ دو ایسے ساتھی ہیں کہ ایک دوسرے کی تعریف کا حامل ہے (یعنی کلام کو غیر محسوس سے محسوس کی طرف پھیرنا اور غیر محسوس کا محسوس کی مدد سے بیان کرنا۔ علماء مثالوں سے بات کو ذہن کے قریب کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اِن دونوں کے متعلق اپنے دعویٰ کی صداقت پر استدلال کر سکیں۔

بلاشبہ خدا جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ وہ بہت قوت والا اور غالب ہے۔

كَيْفُوْفِيَّة: یہ کیف مصدر سے کیفیت کے معنی میں ہے۔ اِس سے مراد کسی چیز کی حالت کے بارے میں پوچھنا ہے۔ اِس بنا پر مُلکِ کیفیت سے مراد اشیاء کے احوالِ واقعہ اور اُن کی ایجاد کے بعد حاصل ہونے والے امور کا علم ہے۔ یعنی انہیں عارض ہونے والی صفات اور تغیرات کا جاننا ہے۔

چنانچہ اِس حدیث کی رو سے عرش و کرسی اِس لحاظ سے ایک ہیں کہ یہ غیب کا وہ مقام ہیں کہ جس سے اشیاء کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اُس دنیا میں نازل ہوتی ہیں۔ لیکن عرش کرسی کے مقابلے میں فی الجملہ الگ حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ مقام فی نفسہٖ دو مقامات میں تقسیم ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ ایک ظاہری باب ہے جو اِس کائنات پر حاکم ہے وہ کرسی ہے۔ اور ایک باطنی باب ہے جو اِس ظاہری باب پر حاکم ہے اور اُس کو عرش کہتے ہیں۔

بنابریں یہ دو مقامات اجمال و تفصیل اور باطن و ظاہر کے اختلاف کے اعتبار سے ایک دوسرے جدا جدا ہیں۔ لیکن اِن دونوں مقامات کو عرش و کرسی دونوں نام دیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ اِن میں عرش ملک اور کرسیٔ ملک دونوں کی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔

مزید براں عرش کا اطلاق خدا کی تمام صفاتِ عُلیا اور جلالی، جمالی اور کمالی اَسمائے حسنیٰ پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام تر صفات و اسماء خدا کی عظمت و کبریائی کا مقام ہوتی ہیں۔ وہ اِنہی اسماء وصفات کے ذریعے مخلوق کی استعداد اور بندوں کی معرفت کے مطابق اُن کے لیے ظاہر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ مخلوق خود کو اُن الٰہی اسماء وصفات کا مظہر بنا لیتی ہے۔ اور انسانِ کامل یعنی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُلوہیت کے سوا اُس کی تمام صفات و اسماء کا مظہر کامل بن کر سامنے آتے ہیں۔

اسی لیے عرشِ علم، عرشِ قدرت اور عرشِ حیات خدا کے اوصاف میں سے ہے۔ یہ اُس کی ذاتی صفات، بلکہ عینِ ذات ہیں۔ جیسے اُس کے لیے صفاتِ افعال کا عرش بھی ہے۔ لہٰذا وہ عرشِ رحمانیہ، عرشِ رحیمیہ، عرشِ وحدانیہ، عرشِ تقدس اور عرشِ تنزہ کا بھی مالک ہے۔ جیسا کہ کتاب وسنت سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

علامہ باقر مجلسیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے والد گرامیؒ نے اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کی تفسیر میں وارد ہونے والی خبر کی یہ تاویل کی ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہر شے پر اپنا اقتدار قائم کیے ہوئے ہے۔ وہ کسی ایک چیز کی نسبت دوسری چیز کے زیادہ قریب نہیں۔ یہاں عرش سے مراد، عرشِ رحمانیت ہے اور (عَلٰی) ظرف حال کو بیان کر رہا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ عرشِ رحمانی پر رہ کر ہر چیز پہ اپنا تسلط واقتدار قائم کیے ہوئے ہے۔

کیونکہ اگر عرشِ رحیمیہ کی بات کی جائے کہ جو ہدایات وخاص رحمتوں سے عبارت ہے تو اس کے اعتبار سے وہ باقیوں کی نسبت مومنوں کے زیادہ قریب ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ صفتِ رحمانیہ کے ساتھ عرشِ ملک، عظمت اور عرشِ جلالی پر متمکن اور ہر چیز پر اقتدار وغلبہ رکھتا ہے۔ اس تاویل سے حال کے ساتھ مقید ہونے کا فائدہ ہوتا ہے اور اس وہم کا ازالہ ہوجاتا ہے کہ کہیں یہ تسلط اُس کی عظمت وجلالت میں کوئی کمی نہ کرتا ہو۔ [1]

اس بنا پر اَسماءِ حسنٰی اور صفاتِ علیا کے عالم میں خدا کے عرش کا اطلاق اُس کے اسماء و صفات پر ہوتا ہے۔ جس پہ یہ تحریر لکھی ہوئی ہے:

اِنَّ الْحُسَیْنَ مِصْبَاحُ الْهُدٰی وَ سَفِیْنَةُ النَّجَاةِ

یعنی امام حسین علیہ السلام خدا کے اَسمائے حسنی اور صفاتِ علیا کا مظہر ہیں، یہ مظہریت اِس عالم وجود اور دنیائے موجودات میں اپنی تجلی ظاہر کرتی ہے۔ وہ اُن لوگوں کے لیے ہدایتِ تکوینی و تشریعی کا مصباح ہیں جنھوں نے انہیں اپنا امام مانا۔ ہم انہیں خیر پر پاتے ہیں۔ امامؑ عالی مقام گناہوں، نافرمانیوں اور معاصی کے سمندر میں غرق ہونے والوں کے لیے نجات کا سفینہ ہیں۔ تو جو اُن کے سفینے پر سوار ہوتا ہے خدا اُس پر رحم کرتا ہے اور اُسے نجات بخش دیتا ہے۔

[1] (بحار: ۳۸/۵۵)

اس کے علاوہ عرش کا اطلاق انبیاءؑ، اوصیاءؑ اور اُن کے علم وارث علماء اور کامل ایمان والوں کے دلوں پر بھی ہوتا ہے۔ خداوند سبحان اُن کی تنہائیوں میں اُن کے ساتھ باتیں کرتا ہے، اُن کے دلوں کو اپنی محبت وشوق کا مرکز بناتا ہے اور اُن سینوں کو اپنی معرفت وعلم کا معدن بناتا ہے۔

چنانچہ ایک خبر میں وارد ہوا ہے:

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ

مومن کا دل خدا کا عرش ہے۔

حدیثِ قدسی مبارکہ میں آیا ہے، خدا فرماتا ہے:

لَمْ یَسَعْنِیْ سَمَائِیْ وَلَا اَرْضِیْ وَ وَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ

"نہ آسمان مجھے اپنے دامن میں سمیٹ سکا اور نہ زمین۔ لیکن میرے مومن بندے نے مجھے اپنے قلب میں سمالیا"۔

ایسے طاہر ومقدس اور موالی دلوں پر اِنَّ الْحُسَیْنَ مِصْبَاحُ الْهُدٰی وَ سَفِیْنَةُ النَّجَاةِ لکھا ہوا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مومنِ حُسینی کا دل خدا کا عرش ہے۔ ایسے ہی مبارک دل پر یہ حدیث معصومؑ صادق آتی ہے:

اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَیْنِ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَارَةً لَا تُطْفَأُ وَ لَا تَبْرُدُ اَبَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ

"بے شک مومنوں کے دلوں میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی ایسی حرارت ہے جو نہ کبھی خاموش ہوگی اور نہ ہی قیامت تک کبھی ٹھنڈی ہوگی"۔

www.shiabookspdf.com

چوتھی فصل

عرشِ الٰہی کی وسعت

کسی بھی انسان کے بس میں یہ بات نہیں کہ وہ عرشِ الٰہی کی وسعت کو جان سکے۔ کیونکہ عرش نے ہمیں اپنے احاطے میں لے رکھا ہے۔ اور جو چیز کسی کے احاطے میں ہو وہ اپنے احاطہ کرنے والے کا کس طرح ادراک کر سکتی ہے؟! لیکن اہل بیت اطہارؑ بہتر طور پر جانتے ہیں کہ کائنات کے وسیع گھر میں کیا کچھ ہے۔ کیونکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی تخلیق، باقی مخلوقات کے پیدا کیے جانے سے قبل عالم انوار میں ہوئی ہے۔ اس لیے وہ عقلِ اول اول مخلوق ہیں۔

ان معصوم ہستیوںؑ نے مثال کے طریقے سے ہمیں عرش کی وسعت کے بارے میں بتایا جو مقتضائے حال اور حاضرین مجلس کی معیارِ فہم کے مطابق ہوتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اہل بیتؑ نے تشبیہ و مثال کے ذریعے اِن نورانی حقائق سے کچھ پردے ہٹائے ہیں۔ اُس کے نمونے درج ذیل ہیں:

۱) بحار میں خصال، معانی الاخبار، عیاشی اور تفسیر منثور سے منقول ہے، انہوں نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذرؓ! سات آسمانوں میں جو کچھ ہے کرسی کے مقابلے اُس کی حیثیت ایک چھلّے کی سی جو کسی وسیع میدان میں پڑا ہو، اور عرش کو کرسی پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اُس وسیع میدان کو چھلّے پر حاصل ہوگی۔ ①

۲) ابن حمید سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ اُن روایات کے بارے میں گفتگو کی کہ جنہیں لوگ ظاہری آنکھوں سے خدا کو دیکھنے کے بارے

① (بحار الانوار: ۵/۵۵)

www.shiabookspdf.com

میں نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ اصحاب عدوی اور تیمی میں اس قسم کی روایات موجود ہیں تو امامؑ نے فرمایا: سورج کرسی کے نور کا سترواں حصّہ ہے، کرسی عرش کے نور کا سترواں، عرش حجاب کے نور کا سترواں اور حجاب، سر کے نور کا سترواں۔ اگر وہ اپنی بات کے پکے ہیں تو ذرا سورج کی طرف آنکھیں کھول کے دیکھیں بشرطیکہ اُس کے آگے بادل نہ ہوں۔ ①

ایک دفعہ میں حج بیت اللہ کے لیے گیا اور میری نظر خانہ کعبہ پر پڑی تو میں اُس کے گرد لوگوں کے طواف کرنے کے بارے میں سوچنے لگا، پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ آخر کیوں فرشتے چوتھے آسمان پر بیت المعمور اور مقرب فرشتے ساتویں آسمان پر عرشِ الٰہی کا طواف کرتے ہیں؟ نیز یہ کہ فرشتے اجسام لطیفہ رکھتے ہیں اور اپنی حالت و خلقت کے مناسبت رکھنے والے قبلہ کا طواف کرتے ہیں اور اسی طرح مقرب فرشتے۔

اُس وقت میرے ذہن میں آیا کہ خانہ کعبہ محسوس حجم رکھتا ہے۔ یہ مربع نما اس لیے ہے، کیونکہ یہ تسبیحات اربعہ سے مساوات رکھتا ہے، اور ادھر یہ تسبیحات معرفت الٰہی کا خلاصہ ہیں، اور ساری مخلوق اُس کی تسبیح خوانی کرتی ہے اور وہ تسبیح کیا جاتا ہے۔ تسبیح، سبح یا سباحت ہے، اس کا مطلب ہے آگے کی طرف یا کسی امام و قائد کی جانب تمام اعضاء کے ساتھ حرکت کرنا۔

بنا بریں کعبہ چوکور ہے اور مکعبہ کو کسی دائروی صورت میں گھومنے والی چیز کے نقطے کی جگہ شمار کیا جاتا ہے۔ جسے مرکز یا منطلق کہتے ہیں۔ جو بھی اِس میں داخل ہو وہ اِس میں سے اور اِس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور جو اِس سے نکل جائے وہ ہلاک و نابود ہو جاتا ہے۔

پھر اگر ہم اِس کرہ ارضی کی پیائش معلوم کر لیں کہ جیسے علم جغرافیہ میں اس کا بیان ہوا ہے، اور اِس کے ساتھ خانہ کعبہ کی نسبت کو سمجھ لیں۔ پھر اسی تناسب کے ساتھ کرہ ارضی کی پیائش کے حساب سے اِس دائرے کو چار گنا کر دیں۔ اور خانہ کعبہ و بیت المعمور کے باہمی تناسب کو دیکھیں تو ہمیں بیت المعمور اور اِسی طرح عرش خدا کی پیائش معلوم ہو جائے گی جس کے سایے میں قیامت کے دن روز اول سے لے کر آخر تک سارے مومن موجود ہوں گے۔ جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے۔

① (بحار الانوار: ۴۳/۴۴)

واضح رہے کہ یہ حساب اُس صورت میں ہوگا کہ جب ضوئی، نوری اور آلات کی مدد سے حساب کرنا ممکن ہو۔ جیسا کہ اِس فن کے جاننے والوں کے یہاں یہی معروف ہے۔

علاوہ بریں حج وعمرہ سے مراد صرف پتھروں کی زیارت کرنا نہیں، بلکہ یہ ایک معیار ہے جس سے آدمی کو اہل ولایت یعنی محمدؐ و آلِ محمدؑ کے ساتھ اپنی ولایت وعقیدت کو پرکھتا ہے۔ ولایت ہی طواف اور خدا کی جانب حرکت کا مرکزی نقطہ ہے۔ اِسے نقطۂ انطلاق کہتے ہیں۔ جیسا کہ نقطۂ اختتام بھی یہی ہے۔ یہ نقطہ باہ بسملہ کا ہے جو معرفتِ علویہ یعنی امیر المومنینؑ کی حقیقت کو پیش کرتا ہے۔ کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اس بنا پر یہ تمام چیزیں اپنی باطنی وحقیقی صورتوں میں ولایت آل محمدؑ کے گرد محو طواف ہیں۔ اگرچہ اِن میں سے بعض چیزیں اپنے ظاہر میں اِس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔

واضح رہے کہ میں نے یہ جو بات کہی ہے یہ اس نظریے کی طرح ہے جس کی جانچ پرکھ اور علمی موضوع حوالے سے اعتراض ممکن ہے خدا ہماری راہ راست کی طرف ہدایت فرمائے۔

www.shiabookspdf.com

پانچویں فصل

عرش میں رنگ

ہم سب صرف حسی رنگوں سے آشنا ہیں۔ یہ بدیہی التصور ہے۔ ہم اپنی قوت باصرہ، دیکھنے کی حس، روشنی اور نور کی مدد سے چمک والے رنگوں کو دیکھتے ہیں جن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ کیونکہ ان کے طولی وعرضی مراتب اور ایک دوسرے کے ساتھ امتزاج و مرکب ہونے میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

لیکن بنابر معروف بنیادی رنگ سات یا چار ہیں۔ جیسا کہ عرش کی روایات میں وارد ہوا ہے۔ اور وہ چار رنگ یہ ہیں: سفید، زرد، سبز اور سرخ۔ اس بات کو ہم یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اجسام جو عناصر اربعہ (مٹی، پانی، آگ اور ہوا) سے مل کر بنتے ہیں اُن سے جو نئے اجسام وجود میں آتے ہیں اُن کی تعداد شمار سے بالاتر ہے۔ یہی صورت حال رنگوں کی بھی ہے۔

عرش کے رنگوں کا ذکر امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں آیا ہے۔ صاحب تفسیر قمی اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام عالی مقامؑ نے ارشاد فرمایا:

ایک شخص میرے بابا سرکارِ زین العابدینؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ابن عباسؓ سمجھتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی ہر آیت کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ تو میرے بابا نے اُس سے فرمایا:

اُس سے پوچھو کہ یہ آیاتِ کریمہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہیں: [وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝][1]

یہ آیت کس کے بارے میں: [وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ

[1] (سورۃ الاسراء)

اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ]①

اور یہ آیت: [يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ]②

چنانچہ وہ شخص ابن عباسؓ کے پاس گیا اور اُس سے اِن آیات کی بابت سوال کیا تو وہ کہنے لگا: اے کاش! جس نے تمہیں یہ سوالات دے کر بھیجے ہیں وہ خود میرے سامنے آتا تو میں اُس سے پوچھتا کہ خدا نے اپنے عرش کو کس چیز سے بنایا ہے، اُس کا احاطہ کتنا ہے اور وہ کیسا ہے؟

اِس پر وہ شخص واپس میرے باباؑ کے پاس چلا آیا۔ میرے باباؑ نے اُس سے پوچھا کہ اُس نے تمہیں سوالات کے جوابات دیے ہیں؟

اُس نے کہا: نہیں،

تو میرے باباؑ نے فرمایا: مگر میں تجھے علم و نور کی روشنی میں اِن کے جوابات دیتا ہوں۔ جس کا کوئی دوسرا شخص دعویٰ نہیں کر سکتا۔

www.shiabookspdf.com

یہ جو آیت کریمہ ہے: وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (جو اِس دنیا میں اندھا بن کے رہے وہ آخرت میں بھی اندھا اور گم گشتہ راہ ہوگا۔ [الاسراء]) یہ اُس کے اور اُس کے والد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یہ آیت کریمہ: وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ (اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں بھی تو یہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی [ہود])۔

یہ بھی اُس کے اور اُس کے والد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

رہی بات تیسری آیت کی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ (اے ایمان والو! صبر کرو، ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور جہاد کے لیے مستعد رہو۔)③

---

① سورۃ ہود

② سورۃ آل عمران

③ [آل عمران: ۲۰۰]

یہ اُس کے بیٹے اور ہماری شان میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن ابھی اُس جہاد کا وقت نہیں آیا جس کے لیے آمادہ رہنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ عن قریب اس کی تاویل میں ایک مجاہد ہماری نسل سے آئے گا اور ایک (سفاک) اُس کی نسل سے۔

جہاں تک اُس کے عرشِ الٰہی کے متعلق سوال کا معاملہ ہے تو خدا نے اُسے چوکور نما بنایا۔ اس سے پہلے خدا نے صرف تین چیزیں خلق کی تھیں: ہوا، قلم اور نور۔ خدا نے عرش کو مختلف رنگوں کے نور سے خلق کیا کہ جو پہلے خلق شدہ نور سے مختلف تھے۔ (۱) سبز رنگ کا نور: اسی نور سے سبز رنگ وجود میں آیا۔ (۲) زرد رنگ: اسی سے زردی پیدا ہوئی۔ (۳) سرخ رنگ کا نور: اسی سے سرخی بنی۔ (۴) سفید رنگ کا نور: یہ سابقہ تمام انوار پہ حاوی ہے۔ دن کا اُجالا اسی نور کی تجلی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار مضبوط طبق بنائے۔ اِن میں سے ہر طبق کا احاطہ عرش کے اوپر سے نیچے تک تھا۔ اِن میں سے ہر طبق اپنے رب کی تسبیح کرتا ہے اور مختلف آوازوں اور جدا جدا زبانوں میں خدا کی پاکیزگی بیان کرتا ہے۔ اگر اُن میں سے کسی ایک زبان کو بھی اذن ملے اور وہ اپنے نیچے موجود مخلوق میں سے کسی کو کچھ سنائے تو اُس کی آواز کے رعب سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، شہر اور مضبوط قلعے ویرانوں میں بدل جائیں، سمندر پھٹ پڑیں اور تمام مخلوقات تباہ و برباد ہو جائیں۔ عرش کے آٹھ ستون ہیں۔ جن میں سے ہر رُکن کو فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد نے اٹھایا ہوا ہے کہ اُن کا علم صرف ہی کے پاس ہے۔ وہ شب و روز خدا کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور لمحے کے لیے بھی اپنی عبادت نہیں روکتے۔ اگر اُس سے اوپر کسی چیز کی حس کچھ محسوس کرے تو وہ چشم زدن کے لیے بھی وہاں نہیں ٹھہر پائے گی۔ کیونکہ اُس کے اور احساس کے درمیان جبروت، کبریائی، عظمت، قدس، رحمت اور علم کے حجابات حائل ہیں۔

اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس ظالم نے ناقابلِ طمع چیز کے لیے لالچ کا مظاہرہ کیا ہے۔

جان لو کہ اُس کی صلب میں ایک ایسا نطفہ ہے جسے آتشِ جہنم کے لیے بنایا گیا ہے۔ (جب وہ دنیا میں آئے گا تو اُس کے دور میں) لوگ جوق در جوق دین سے نکلیں گے، زمین آلِ محمدؐ کی نسل کے خون سے سرخ ہو جائے گی۔ آلِ محمدؐ کے افراد بے محل خروج کریں گے اور نہ ملنے والی چیز کی

طلب کریں گے۔ لیکن محکم ایمان والے اپنی جگہ جہاد کے آمادہ رہیں گے، صبر اختیار کریں گے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں گے۔ یہاں تک کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کر دے، بے شک وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ [1]

شیخ صدوقؒ نے التوحید میں، شیخ عمر بن عبد العزیز کشی نے اپنے رجال میں اور اسی طرح صاحب اختصاص نے اس روایت کو اپنی اپنی اسناد سے معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ علامہ مجلسی رضوان اللہ علیہ نے اس روایت کی بڑی عمدہ شرح کی ہے۔ جو صاحبان اُس کے خواہش مند ہوں وہ بحار الانوار جلد ۲۴ صفحہ: ۳۸۰ کا مطالعہ کریں۔

کافی میں مرفوع سند کے ساتھ آیا ہے کہ یہودی عالم جاثلیق نے مولا امیر المومنین علیہ السلام سے سوال کیا: مجھے خدا کے بارے میں بتائیے کہ وہ عرش کو تھامے ہوئے ہے یا عرش نے اُسے اٹھایا ہوا ہے؟ مولاؑ نے جواب میں فرمایا: خدائے عز و جل عرش، آسمانوں، زمین، ان کے اندر اور ان کے درمیان موجود تمام چیزوں کو اٹھائے ہوئے ہے۔ جیسا کہ اس کا ذکر اس فرمانِ خدا میں ہوا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾

"بے شک اللہ (اپنی قدرتِ کاملہ) سے آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں۔ اگر اُس کے علاوہ کسی نے انہیں تھام رکھا ہوتا تو وہ لازماً اب تک گر چکے ہوتے! بے شک وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے۔" [2]

اُس نے کہا: پھر مجھے اس فرمان خدا کے بارے میں بتائیے کہ اُس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ افراد اٹھائے ہوں گے؟ اس کا کیا مطلب ہوگا؟ جبکہ آپؑ نے تو کہا کہ وہ عرش، آسمانوں اور زمین کو اٹھائے ہوئے ہے؟!

[1] (بحار الانوار: ۵۵/ ۲۴؛ تفسیر قمی: ۳۸۵)

[2] (سورۃ الفاطر)

www.shiabookspdf.com

اس پر مولائے کائناتؑ نے ارشاد فرمایا: خدا نے عرش کو چار قسم کے انوار سے خلق کیا ہے:

(۱) نورِ احمر: اس سے سرخی پیدا ہوئی۔

(۲) نورِ اخضر: اس سے ہر رنگ وجود میں آیا۔

(۳) نورِ اصفر: اس سے زرد رنگ بنا۔

(۴) نورِ ابیض: اس سے سفید رنگ پیدا ہوا۔

یہ خدا کا وہ علم ہے جو اُس نے حاملین کے سپرد کیا ہے۔ یہ نور اُس کے نورِ عظمت کا ایک حصہ ہے۔ اُس کی عظمت و نور سے ہی اہل ایمان کے دل منور ہوئے ہیں۔ اسی عظمت و نور کی وجہ جاہل اُس سے عداوت رکھتے ہیں۔ اُسی کے سبب ہی آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اپنے مختلف اعمال اور مختلف ادیان کے ذریعے اُس تک پہنچنے کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔ ہر شے اٹھائی ہوئی ہے اور خدا اپنے نور، عظمت اور قدرت سے اُسے اٹھائے ہوئے ہے۔ اور کوئی بھی چیز اپنے نفع و نقصان، موت و حیات اور دوبارہ جی اٹھنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ اس طرح چیز اٹھائی ہوئی ہے۔ خداوند عالم آسمان و زمین کو اٹھائے ہوئے ہے اور ہر چیز سے ان کی نگہبانی کر رہا ہے۔ وہ ہر شے کی حیات اور ہر شے کا نور ہے۔ اُس کی ذات بہت بلند اور پاک ہے اُن باتوں سے جو جاہل اُس کے بارے میں کہتے ہیں۔

جاثلیق نے کہا: مجھے خدا کے بارے میں بتائیں کہ وہ کہاں ہے؟

امامؑ نے فرمایا: وہ یہاں بھی ہے اور یہاں بھی، اوپر، نیچے، ہمیں گھیرے ہوئے اور ہمارے ساتھ بھی۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ

"کہیں بھی تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی ہوتی ہے مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر

یہ کہ وہ جہاں بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے"۔ (۱)

کرسی آسمانوں، زمین، اِن کے درمیان کی چیزوں اور زیرِ زمین تمام اَشیاء پر محیط ہے۔ اگر تم بآوازِ بلند بات کرو تو تمہاری مرضی، وہ تو تمہارے راز کی اور مخفی باتوں سے بھی آگاہ ہے۔ جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

(اُس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر محیط ہے، اِن کی حفاظت اُسے تھکاتی نہیں، اور وہ بہت بلند مرتبہ اور باعظمت ہے۔)

لہٰذا حاملینِ عرش سے مراد وہ علماء جنہیں خدا نے اپنے علم کا حامل بنایا ہے۔ خدا نے اپنی ملکوت میں جو کچھ خلق کیا ہے وہ اِن چار سے باہر نہیں۔ یہ وہی ملکوت ہے جس کا نظارہ خدا نے اپنے برگزیدہ بندوں اور حضرت ابراہیمؑ کو کرایا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾

(اور اِسی طرح ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین میں اپنی ملکوت کا نظارہ کرایا تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائیں۔ (۲)

اب بتاؤ کہ حاملینِ عرش خدا کو کیوں کر اٹھا سکتے ہیں؟، جبکہ اُس کی حیات کے سبب اُن کے دلوں میں حیات اور اُس کے نور کی وجہ انہیں اُس کی معرفت کی جانب راہنمائی ملتی ہے۔ (۳)

مولائے کائنات علیہ السلام اِس فرمان کہ حاملینِ عرش سے مراد علماء ہیں جنہیں خدا نے اپنے علم کا حامل بنایا ہے، کا اشارہ اِس بات کی طرف ہے کہ خدا کے عرش سے مراد اُس کا وہ علم ہے جو ہر عالم کی ہر شے پہ محیط ہے۔ حتیٰ کہ اُس کی ذات کے علم کو بھی۔ علماء سے مراد اُس کے وہ محبوب

(۱) (سورۃ مجادلہ:۷)

(۲) سورۃ الانعام

(۳) (بحار الانوار:۵۵/۹؛ الکافی:۱/۱۲۹)

www.shiabookspdf.com

اور برگزیدہ افراد ہیں کہ جنہیں اُس نے اِس کام کے اہل بنایا۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ صرف اُس کے اسماء و صفات کی حد تک اُس کا علم رکھتے ہیں۔ نہ کہ ذات کا علم۔ کیونکہ اس کی ذات کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔ جیسا کہ فرامینِ معصومینؑ میں وارد ہوا ہے:

مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

"ہم سے تیری معرفت حاصل کرنے کا حق ادا نہ ہو سکا"۔

اِس لیے وہ خود ہی جانتا ہے کہ وہ کیا ہے۔

آسمان کے علماء سے مراد ملائکہ اور زمین کے علماء سے مراد انبیاءؑ و اوصیاءؑ، اور صالح و باتقویٰ اور زاہد و متورع علماء ہیں جو انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ خدا کا علم اُن کے سینوں میں اِلقاء ہوتا ہے۔ جیسا کہ روایتِ شریفہ میں وارد ہوا ہے:

لَيْسَ الْعِلْمُ بِتَكَثُّرِ التَّعَلُّمِ اِنَّمَا الْعِلْمُ نُوْرٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِيْ قَلْبِ مَنْ يَّشَآءُ هِدَايَتَهٗ

"علم زیادہ سیکھنے کا نام نہیں، بلکہ یہ تو ایک نور ہے، خدا جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اُس کے دل میں ڈال دیتا ہے"۔

بنابریں جب انسان ہدایت و بھلائی کے راستے کو اختیار کرتا ہے تو وہ اِن حاملینِ عرش کی مثل ہو جاتا ہے۔ اِسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ مومن کا دل خدا کا عرش ہوتا ہے۔ لیکن لطیف نکتہ یہ ہے کہ ایسے عظیم عرش پہ قلمِ معرفت کے ساتھ یہ تحریر کندہ ہے:

اِنَّ الْحُسَيْنَ مِصْبَاحُ الْهُدٰى وَ سَفِيْنَةُ النَّجَاةِ

"بے شک حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہے"۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہر عالم چاہے وہ انبیاء میں سے، یا اَوصیاء میں سے، یا پھر علماء صالحین میں سے۔ اُس کی رغبت حسینیؑ، اُس کا وجود حسینیؑ، اُس کا دل حسینیؑ، اُس کا علم حسینیؑ، اور اُس کا عرش حسینیؑ ہے۔ جو بھی حسینیؑ ہے وہ عالم ہے اور اُس کا شمار علماء کی صف میں ہوتا ہے۔ اور جو خوش نصیب ایسے بلند مقام و مرتبے پر پہنچ جائے وہ آسمانوں اور زمین کی ملکوت اور اشیاء کے حقائق و بواطن کو دیکھ لیتا ہے۔ یہ مقام کسی بہت ہی خوش قسمت انسان کو ملتا ہے کہ جس کے دل کو

خدا ایمان کے لیے آزمالیتا ہے۔ اس طرح وہ دونوں جہانوں کی خوبیاں سمیٹ لیتا ہے۔

ابراہیم بن محمد خزاز اور محمد بن حسین سے مروی ہے، یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سرکارِ رضا علیہ السلام کی خدمت میں شرف یاب ہوئے تو ہم نے اُن کے سامنے یہ روایت پیش کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو ایک تیس سالہ جوان کی صورت میں دیکھا اور اُس کے پاؤں سبز مقام پر تھے۔ مزید ہم نے کہا: ہشام بن سالم، مومن طاق اور میثمی کہتے ہیں کہ وہ ناف تک خالی تک اور باقی اعضاء سے بے نیاز تھا۔ ①

یہ سنتے ہی مولا علیہ السلام سجدے میں گر گئے اور فرمایا:

سبحانك ما عرفوك و لا وحدوك ، فمن اجل ذلك وصفوك ، سبحانك لو عرفوك لوصفوك بما وصفت به نفسك ، سبحانك كيف طاوعتهم انفسهم ان شبهوك بغيرك. الهي لا اصفك الا بما وصفت به نفسك ، ولا اشبهك بخلقك. انت اهل لكل خير ، فلا تجعلني من القوم الظالمين

"تیری ذات پاک ہے۔ ان لوگوں نہ تجھے پہچانا اور نہ تجھے ایک جانا۔ اسی لیے انھوں نے تیرے متعلق ایسی باتیں کہہ دیں۔ تو پاک ہے۔ اگر یہ تجھے پہچانتے تو تمہارے بارے میں وہی کہتے ہیں جو تو نے خود اپنی صفات بیان کی ہیں۔ تیری ذات منزہ و مبرہ ہے۔ کس طرح ان کے دل تجھے تیرے غیر کے ساتھ ملانے پر راضی ہو گئے؟ اے میرے اللہ! میں تیری وہی صفتیں بیان کرتا ہوں جو تو نے خود اپنی بیان کی ہیں۔ میں تجھے تیری مخلوق کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتا۔ تو ہر اچھی صفت کے اہل ہے۔ لہٰذا تو مجھے

① یہ ان عظیم المرتبہ راویوں پر بہتان تراشا گیا ہے۔ اُن کی طرف ایسی باتوں کی نسبت دینا جائز نہیں۔ وہ ثقہ اور آئمہؑ کے یہاں خصوصی قرب و منزلت رکھنے والے راوی تھے۔ جیسا کہ صاحب کتاب نے بھی یہی کہا ہے: وَكَانَ هٰذَا مِنَ الْاِفْتِرَاءِ عَلَيْهِمْ: فَاِنَّهُمُ الثِّقَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ. (کتاب ہذا کا عربی متن: صفحہ ۷۰) مزید بحار الانوار جلد چہارم صفحہ ۴۰ پر اسی روایت کے ذیل میں زیر حاشیہ اس کی تردید کی گئی ہے۔

www.shiabookspdf.com

ظالم و مشرک لوگوں میں سے نہ قرار دے۔"

اس کے بعد آپؑ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تمہیں جہاں بھی وہم ہوتا ہے تم خدا کے بارے میں اُس کے غیر جیسا توہم کرنے لگتے ہو۔

پھر فرمایا: ہم آل محمدؑ وہ درمیانی راہ ہے کہ نہ تو غالی اُس کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ پیچھے رہنے والا ہم سے آگے نکل سکتا ہے۔ اے محمد! اب بتاؤ یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے دیکھا تو تیس سال جوان کی مانند لگ رہا تھا؟! اے محمد! میرے پروردگار کی شان اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ اُس میں مخلوق والے اوصاف پائے جائیں۔

راوی کہتا ہے: میں نے عرض کی: پھر وہ شخص کون تھا، جس کے پاؤں سبز جگہ پر تھے؟

امامؑ نے فرمایا: وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تھے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ جب آپؐ نے اپنے قلب سے خدا کا نظارہ کیا تو خدا نے انہیں حجابوں کے نور کی مثل نور کی صورت میں قرار دیا۔ حتیٰ کہ حجابات کی سب چیزیں آپؐ پر عیاں ہو گئیں۔ اللہ کے نور کا ایک حصہ وہ ہے کہ ہر سبز رنگ کی چیز اُس کی وجہ سے سبز رنگ والی ہوئی۔ ایک حصہ وہ ہے کہ ہر سرخ رنگ والی چیز اُس کی وجہ سے سرخ رنگ والی ہوئی، ایک حصہ وہ ہے کہ ہر سفید رنگ والی چیز اُس کی وجہ سے سفید رنگت والی ہوئی، اور ایک حصہ اس کے علاوہ بھی ہے۔ اے محمد! جو باتیں کتاب و سنت میں موجود ہیں ہم اُن کے قائل ہیں۔

علامہ مجلسی رضوان اللہ علیہ نے بحار میں اس خبر کے ذیل بڑی عمدہ بحث کی ہے۔ وہ عرش کے رنگوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عرش کے رنگوں کی تاویل انوار سے کی جاتی ہے۔ اس کی کچھ اور صورتیں بھی بیان کی جاتی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

پہلی صورت: یہ مختلف انوار کے نور الانوار سے قریب اور بعید ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ سفید نور، نور الانور کے سب سے زیادہ قریب اور سبز سب سے زیادہ بعید ہے۔ گویا یہ اندھیرے کی ایک قسم کے ساتھ مخلوط ہے۔ اور سرخ نور، اِن دونوں کے درمیان میں ہے۔ پھر ہر دو رنگوں کے درمیان مختلف رنگ موجود ہیں جیسے صبح اور شفق کے رنگ۔ یہ بھی نور شمس سے دور یا

قریب ہونے کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

دوسری صورت: یہ خدا کی صفات قدسیہ سے کنایہ ہیں۔ لہٰذا سبز نور سے مراد اُس کا ممکنات کو وجود دینے پر قادر ہونا، آبِ حیات کے چشموں اور سبزی کے منابع میں روح کا چلانا۔ سرخ نور سے مراد اُس کا قہر وغضب اور سب کو فنا ومعذب کرنا ہے۔ اور سفید نور سے مراد اُس کا اپنے بندوں پہ رحمت وکرم نوازی کرنا ہے۔ جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ

"اور جن کے چہرے سفید (نورانی) ہوں گے وہ خدا کی رحمت میں ہوں گے"۔ [1]

تیسری صورت: یہ میں نے اپنے والد گرامی علامہ تقی مجلسی رضوان اللہ علیہ سے اخذ کی ہے۔ اُن پر کشف ویقین کے جو انوار ظاہر ہوئے وہ اُن کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔ اُن کی بات ذکر کرنے سے پہلے ہم ایک مختصر سی تمہید ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہر شے کی عالم رؤیا و مکاشفہ میں ایک مثال (صورت) ہوتی ہے۔ لہٰذا اشیاء کی صورتیں نفوس پر ظاہر ہوتی ہیں جو ناقص وکامل ہونے میں مختلف مراتب کی حامل ہوتی ہیں۔ بعض صورتیں اصل چیز کے قریب تر اور بعض بعید ہوتی ہیں۔ اب یہ معبر کا کام ہوتا ہے کہ وہ اُن صورتوں کی مدد سے کس طرح حقیقت تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اب آپ یہ سمجھ گئے ہیں تو سنیے میرے والد محترمؒ کیا کہتے ہیں:

زرد نور، کو عبادت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عالم رؤیا میں یہ بات مجرب ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے انسان کو خواب میں زرد رنگ دکھائی دیتا ہے، تو اُسے زندگی میں عبادت کا ایسا موقع مل جاتا ہے کہ جس سے اُس کی روح شاد ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ تہجد گزاروں کی پیشانیوں پر بھی اِسی رنگ کا نور دیکھا جاتا ہے۔ تہجد گزاروں کی شان میں ایک خبر میں وارد ہوا ہے کہ جب وہ اپنے خدا سے خلوت کرتے ہیں تو وہ انہیں اپنے نور کا لباس پہنا دیتا ہے۔

سفید نور: سے مراد علم ہے۔ کیونکہ وہ ظہور کا منشا ہوتا ہے۔ جیسا کہ اِس کا خواب میں تجربہ ہے۔

سرخ نور: یہ محبت کا نور ہے۔ جیسا کہ اہل محبت کے جذبات کی شدت کے وقت اِسے

[1] (آل عمران: ۱۰۷)

www.shiabookspdf.com

اُن کے چہرے پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ بھی عالم خواب میں مجرب ہے۔

سبز نور: یہ معرفت کا نور ہے۔ جیسا کہ عالم رؤیا اِس پر شاہد ہے اور یہ خبر بھی اِسی سے مناسبت رکھتی ہے۔ مقام عرفان کی انتہا کی وجہ سے آپؑ کے پاؤں سبز رنگ میں تھے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آئمہ معصومینؑ نے ہمیں حقیقی معانی سے آشنا کرنے کے لیے یہ تعبیرات استعمال کی ہوں۔ کیوں کہ ہمارے افہام ناقص ہیں اور اصل حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ جیسے عالم خواب میں ہمارے ناقص نفوس پر یہ صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ثانیاً یہ کہ ہم حقائق سے غافل ہو کر ایک لمبی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ امیر المومنینؑ ارشاد فرمایا:

اَلنَّاسُ نِیَامٌ .فَاِذَا مَاتُوا انْتَبَهُوا

"لوگ غفلت کی نیند سو رہے ہیں، جب انہیں موت آئے گی تو بیدار ہوں گے"۔

یہ وہ تاویلات ہیں جہاں تک ہمارے افہام کو رسائی ہوئی ہے۔ حقیقت کا علم تو خدا اور اُس کی حجتوںؑ کے پاس ہی ہے۔ (بحار الانوار: ۴/۴۳)

چھٹی فصل

عرش کا احاطہ

افلاک میں پہلا جسم کروی ہے۔ جیسا کہ علمِ فلسفہ، نجوم، اور ہندسہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ جیسے دائرہ تمام ہندسی اشکال کی اصل ہے۔ اِس لیے اشکال و اجسام کا مرجع دائرہ یا کرہ ہوتا ہے۔ باقی اشکال اختیاری یا غیر اختیاری دباؤ سے بنتی ہیں ۔ لہٰذا مربع اور جسم مکعب (دائروی شکل کو) چاروں طرف سے دبائے جانے سے بنتی ہیں۔

تمام محسوسات، جسمانیات اور اجسام میں یہی اصول ہے۔ اگر معقول کو محسوس سے تشبیہ دی جائے تو ماورائے طبیعات اور مغیبات میں بھی یہی اصول لاگو کیا جائے گا۔ مگر یہ کہ تربیع میں اسباب علمی اور معنوی ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ عرش خدا کی صورت یہی ہے۔ کیونکہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ وہ مربع شکل کا ہے۔ اِس کا سبب الفقیہ، علل الشرائع اور المحاسن میں ذکر ہوا ہے۔ شیخ صدوق ؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کعبہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

www.shiabookspdf.com

آپؑ نے فرمایا: کیونکہ وہ چوکور ہے۔ پوچھا گیا: وہ چوکور کیوں ہے؟ فرمایا: کیونکہ وہ بیت المعمور کے بالمقابل ہے اور وہ چوکور ہے۔ کہا گیا: بیت المعمور مربع شکل کا کیوں ہے؟ فرمایا: کیونکہ وہ عرشِ الٰہی کے بالمقابل ہے اور وہ مربع شکل ہے۔ پوچھا گیا: عرش کیوں مربع شکل کا ہے؟ فرمایا: کیونکہ اِسلام کی بنیاد جن چار کلمات پر ہے وہ یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللهِ وَ الْحَمْدُ للهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اللهُ اَكْبَرُ (1)

اِسلام اپنے خاص معنی کے اعتبار سے خاتم الادیان ہے اور اُس کے معارف اولیٰ

تسبیحات اربعہ پر مبنی ہیں: تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر۔ اسی ترتیب کے ساتھ انسان اپنے کمال اور خدا کی خلافت کے حصول کے لیے سیر معرفت کی منازل کو طے کرتا ہے۔

تو مقام توحید میں معرفت کی تکمیل اُس وقت ہوتی ہے کہ جب اُسے تمام تر نقائص اور صفاتِ احتیاج سے پاک سمجھا جائے۔ کیونکہ یہ ممکن ذاتی کی خصوصیات میں سے ہے۔ جیسے مرکب ہونا، جسمیت، حلول اور اُس کے مشابہ دوسری صفات جیسے جہالت، عجز و بے بسی اور موت۔ جب انسان اپنی ذات کی معرفت سے خدا کی معرفت تک پہنچنا چاہتا ہے تو وہ خود کو نقائص وعیوب میں غرق پاتا ہے، وہ اپنی پیدائش کے وقت عاجز و درماندہ ہوتا ہے اور کچھ بھی اُس کے اختیار میں نہیں ہوتا، وہ شکمِ مادر میں ہر شے سے لاعلم و بے خبر ہوتا ہے، اُسے اپنے نفع و نقصان کا اختیار نہیں، اور اِن سب کے علاوہ اُسے ایک دن مرنا اور فنا ہونا ہے۔ جب اُس کے وجود کی علت سب سے بڑی ہے جو اُس کا خالق و موجد ہے تو ضروری ہے کہ اُس میں یہ نقائص نہ پائے جائیں۔

اِس بنا پر معرفت کی ابتداء میں یہ بات لازم ہے کہ خدا کو پاک و منزہ سمجھا جائے۔ اس لیے اسلام کی بنیاد یہ ہے کہ ہمیں خدا کی معرفتِ جلالیہ حاصل ہو، یعنی اُس کی شان بلند و بالا ہے اور ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہے۔ اِسی لیے ہم مقامِ معرفت میں کہتے ہیں: سُبْحَانَ اللهِ

پھر ہم کائنات میں اُس کے جمال ومحامد کا نظارہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اِن سب کی اصل اور مرجع خدائے بزرگ و برتر کی ذات پاک ہے۔ تو ہم خدا کی معرفت جمالیہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ہم خدا کے جمال کو اِس طرح دیکھتے ہیں کہ وہ عالم، قادر، حی ہے، اُس کے اچھے اچھے نام اور بلند پایہ صفات، وہ تمام تر حمد کا مستحق ہے، ساری حمد اُسی کے لیے ہے، اِس پر ہم کہتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ!

پھر سیر معرفت اِس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جب انسان کسی ذات کو دیکھے کہ وہ نقائص سے پاک ہے اور تمام اچھی خوبیاں اُس میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی وہ کمالِ مطلق اور مطلقِ کمال ہے تو اِسے ہم معرفت کمالیہ کہتے ہیں۔ جو ذات کمال کے ایسے مرتبے پر فائز ہو وہ سب سے زیادہ اِس بات کا حق رکھتی ہے کہ اُس سے عشق کیا جائے اور اُس کی عبادت بجالائی جائے۔ یعنی

حقیقی خدا وہی ہے۔ الہ ، اَلِہَ یا وَلِہَ سے ہے۔ لہٰذا خداوند سبحان جو لائقِ حمد ہے وہی عبادت کے اہل ہے۔ جب آدمی معرفت کے اس مرحلے کو عبور کرتا ہے تو اپنے تمام تر قلبی جذبات کے ساتھ پکارتا ہے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اِس کے بعد جب انسان اپنے رب کو کمالِ معرفت کے ساتھ پہچاننا چاہتا ہے تو دیکھتا ہے کہ فرمانِ رسالت مآب ﷺ کے مطابق نہ اُس کی معرفت کا حق ہو سکتا ہے اور نہ اُس کی بندگی کا۔ تو سوچنے لگ جاتا ہے کہ اُسے اس نام سے یاد کرے اور اُس کی کون سی صفت بیان کرے ؟ وہ کبیر و متعال ہے، وہ اول و آخر، ظاہر و باطن ۔۔۔ ہے سو جب بھی بندہ اپنے مالک و معبود کی کوئی صفت بیان کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اُسے اُس صفت سے بڑھ کر پاتا ہے۔ چنانچہ وہ کہہ اٹھتا ہے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ (یعنی میرا خدا اِس سے عظیم تر ہے کہ اُس کی صفت بیان کی جا سکے۔)

یہ مراحل توحید و معرفت کی حقیقت اور کامل اسلام کہلاتے ہیں۔

اِس بیان کی روشنی میں تسبیح (سبحان اللہ) خدا کی معرفت جلالی، تحمید (الحمد للہ) معرفت جمالی، اور تہلیل (لا الہ الا اللہ) اُس کی معرفت کمالی ہے۔ وہ مقام معرفت میں اپنے غیر سے اِس طرح ممتاز ہوتا ہے کہ اُس کی شان اِس سے بالاتر ہے کہ کوئی اُس کی وصف گوئی کا حق ادا کر سکے۔ لہٰذا انسان توحید کے بارے میں جو بھی فکر اپنے دماغ میں لاتا ہے وہ حمل شائع صناعی کے لحاظ سے اُس کی مخلوق ہوتا ہے، خالق نہیں۔ جیسا کہ آئمہ اہل بیتؑ کی بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے۔ ہاں حمل اولی ذاتی کے لحاظ سے وہ صانع ہے، اُس میں تمام صفات جمال و کمال پائی جاتی ہیں۔ یہی ارکانِ اسلام ہیں اور انہی پر ہی اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہی علمِ الٰہی کی حقیقت ہے۔ یہی خدا کا علمی عرش ہے، اُس کے بالمقابل بیت المعمور ہے، اور اُس کے بالمقابل کعبۃ اللہ ہے جو سرزمین مکہ مکرمہ میں موجود ہے۔

حاجی جس وقت بیت اللہ کا طواف کر رہا ہوتا ہے تو اُسی وقت میں فرشتوں کے ساتھ آسمانِ چہارم پہ موجود بیت المعمور کے طواف میں بھی مشغول ہوتا ہے اور عین اُسی وقت حاملینِ عرش کے ہمراہ جلال و جمال و کمال کے ساتھ علمِ الٰہی کے گرد محوِ طواف ہوتا ہے۔ اور اِس دوران اُس کی زبان پہ خدا کی تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر رواں ہوتی ہے۔ اگر طواف کرنے والے کو

اِس معنی کا ادراک ہو جائے اور وہ اپنے وجود کی گہرائیوں کے ساتھ اِسے محسوس کرے اور اِس کے انوار و تجلیات سے اُس کا قلب روشن ہو جائے تو وہ فنا فی اللہ کی منزل پہ چلا جاتا ہے اور طواف کرنے والوں کے ساتھ خدا کے عشق میں ڈوب جاتا ہے۔ اُس کا طواف خدا سے والہانہ عشق کرنے والوں کا طواف ہوتا ہے۔ وہ خدا کی پاکیزگی بیان کرنے والوں اور اُس کی تسبیح خوانی کرنے والوں کے ساتھ اُس کے جلال کی تجلیات میں خود کو گم کر دیتا ہے اور کبھی یہ منزل بھی آتی ہے کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کے اشتیاق میں اُس کے پاس چلا جاتا ہے اور اُس کی روح طواف کرنے والے فرشتوں کے ہمراہ خدا کی جانب پرواز کر جاتی ہے۔ پھر اُس کی روح عالم اَرواح کے پاکیزہ و مقدس ترین ماحول میں ملائکہ کے ساتھ طواف میں مصروف ہو جاتی ہے۔ یہ سعادت اُسی کو نصیب ہو سکتی ہے جس کا مقدر اَوجِ کمال پہ چلا جائے۔ دعا کرتا ہوں خدا مجھے اور تمام مومنین یہ سرفرازی عطا کرے۔ (آمین، بجاہ محمد و آلہ الطاہرینؑ)

علاوہ ازیں علامہ باقر مجلسیؒ کہتے ہیں کہ جس عرش کو فرشتے اٹھاتے ہیں اُس کا بیان یہ ہے کہ اُسے کچھ فرشتے اٹھاتے ہیں، اُسے خدا نے چوتھے آسمان پہ خلق کیا ہے۔ ملائکہ اُسے اٹھا کر اور اُس کی تعظیم کر کے خدا کی بندگی انجام دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک گھر بنایا جس کا نام اُس نے بیت المعمور رکھا ہے۔ ہر سال فرشتے اُس کا حج کرتے ہیں۔ ایک گھر اُس نے چوتھے آسمان پہ بنایا اور اُس کا نام ضُرَاح رکھا۔ فرشتے اُس کا حج بجا لا کر، اُس کی تعظیم کر کے اور اُس کے گرد طواف کر کے خدا کی عبادت انجام دیتے ہیں۔ زمین میں خدا نے بیت الحرام کو خلق کیا اور اُسے ضراح کے بالکل نیچے بنایا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: اگر عرش کے اُوپر سے کوئی پتھر گرایا جائے تو وہ بیت المعمور کی چھت پہ گرے اور اگر بیت المعمور سے کوئی پتھر گرایا جائے تو وہ سیدھا بیت اللہ کی چھت پہ گرے۔ خدا نے عرش کو اپنے لیے اس لیے خلق نہیں کیا کہ وہ اس پہ رہائش رکھے گا۔ اُس کی شان ایسی باتوں سے بالا ہے۔ بلکہ اُس نے عرش کو خلق کیا اور اُس کی قدر و منزلت بڑھانے کے لیے اُسے اپنی طرف نسبت دے دی۔ اور ملائکہ اُسے اٹھا کر خدا کی عبادت انجام دیتے ہیں۔ جیسا کہ اُس نے زمین میں اپنا گھر بنایا۔ یہ بھی اُس نے اپنے رہنے

www.shiabookspdf.com

کے لیے نہیں بنایا۔ ایسا کرنا اُس کی شان کے خلاف ہے۔ لہٰذا اِسے بھی خدا نے اپنی مخلوق کے لیے بنایا اور اِس کی عزت و احترام میں اضافہ کرنے کے لیے اِسے اپنی طرف منسوب کر دیا۔ مخلوق اُس کی زیارت کرکے اور اُس کا حج بجالا کر خدا کی عبادت کرتی ہے۔ (۱)

تفسیر طبری میں موجود ہے کہ بیت المعمور آسمانِ چہارم پر خانہ کعبہ کی بالکل سیدھ میں خدا کا گھر ہے جسے فرشتے عبادت انجام دے کر آباد کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ اور مجاہد سے بھی یہی نقل ہوا ہے۔ مولا امیر المومنینؑ سے بھی مروی ہے کہ ہر روز اُس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر وہ دوبارہ اُس کی طرف نہیں جاتے۔

علل الشرائع میں ابن سنان سے مروی ہے، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: بیت اللہ کے طواف کی علت یہ ہے کہ خدا نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہ سن کر وہ بولے: کیا تو اُسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد و خون ریزیاں کرے گا۔ پھر جب انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے خدا کی بات کو رد کر کے گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہو گئے اور عرش سے چمٹ کر استغفار کرنے لگے۔ اِس پر خدا نے چاہا کہ بندے بھی اِسی طرح اُس کی عبادت کریں۔ چنانچہ خدا نے عرش کی بالکل سیدھ میں آسمانِ چہارم پر ایک گھر بنایا جس کا نام ضراح رکھا۔ پھر اس کی عین سیدھ میں آسمانِ دنیا پر ایک اور گھر بنایا اور اُس کا نام معمور رکھا۔ پھر بیت المعمور کے نیچے بیت اللہ بنایا اور حضرت آدمؑ کو اُس کا طواف کرنے کا حکم دیا۔ تو انہوں نے اُس گھر کا طواف کیا اور خدا نے اُن کی توبہ قبول کر لی۔ پھر یہ طریقہ تا قیامت اُن کی اولاد کے لیے مقرر ہو گیا۔ (۲)

اِس موضوع کی اور بھی بہت سی روایات شیعہ و سنی مصادر میں موجود ہیں۔ اہل ذوق رجوع کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ مجلسی کہتے ہیں کہ یہ تمام اخبار صحیح ہیں اور اِن میں جمع کا تقاضا یہ ہے کہ اِن سب مقامات (یعنی عرش، آسمانِ چہارم، آسمانِ دُنیا اور زمین) پر بیت اللہ موجود ہے۔ اس باب کی مزید روایات باب الملائکہ میں آئیں گی۔

---

(۱) (بحار الانوار: ۸/۵۵)

(۲) جلد ۵۵ / صفحات ۵۵ تا ۵۷)

اِس بحث سے ہمیں اجمالی طور پہ معلوم ہوتا ہے کہ عرشِ الٰہی کی روایات و عرفانی بیان میں حدودِ اربعہ بیان کیے جانے کی علت کیا ہے؟ لیکن یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہے کہ اِسی عرش پہ قلمِ معرفت سے تحریر ہے: اَلْحُسَیْنُ مِصْبَاحُ الْهُدٰى وَ سَفِيْنَةُ النِّجَاةِ "حسین علیہ السلام ہدایت کا چراغ اور نجات کا سفینہ ہے"۔ بے شک انسان نورِ حسینیؑ کی مدد سے ہی معرفت کے مراحل طے کرتا ہے اور معارف الٰہیہ و علومِ ربانیہ کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو سفینہ حسینیؑ کی مدد سے ہی عبور کیا جا سکتا ہے۔ تسبیحِ حسینِ محمدیؑ کے ساتھ اپنی تجلی ظاہر کرتی ہے اور تحمیدِ محمدِ حسینیؑ کے ساتھ ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جیسا کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: حُسَيْنٌ مِنِّی وَ اَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ "حسین علیہ السلام مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں"۔ تمام آلِ محمدؐ ایک ہی نور ہیں، انہی کے ذریعے خدا کی معرفت ہوئی اور انہی کے بتانے پر خدا کی عبادت کی گئی۔ انہوں نے تسبیح کی تو انہیں دیکھ کر فرشتوں نے تسبیح کی۔ انہوں نے حمد کی تو انہیں دیکھ کر فرشتے بھی حمد کرنے لگے۔ انہوں نے لا الہ اللہ کہا تو ان کے پیچھے ساری کائنات نے کلمۂ توحید پڑھا۔ انہوں نے اللہ اکبر کہا تو اُن کی اقتداء میں سارے جہان نے خدا نے بڑائی بیان کی۔

www.shiabookspdf.com

ساتویں فصل

عقل در عرش

عقل جوہر ربانی ہے جو خدا نے انسان کو عطا کیا ہے تاکہ اُسے تمام دیگر مخلوقات پر بزرگی و برتری عنایت کرے۔ عقل کی بدولت ہی وہ حیوانات سے ممتاز اور باقی کائنات کے مقابلے میں زیادہ عزت و احترام کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ علماء نے عقل اور اِس کی حقیقت کی بارے میں کافی طویل ابحاث کی ہیں۔ فلاسفہ نے اِسے مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ جیسے عقلِ ہیولائی، عقلِ مُستفاد، عقلِ بالفعل اور عقلِ کلی۔ جو عقلِ الٰہی، ربانی وقدسی رسول خدا ﷺ کے پاس موجود تھی وہ عقلِ کلی ہے۔ اور سب سے پہلے خدا کی طرف سے اُسی کا صدور ہوا ہے۔

www.shiabookspdf.com

عقل کی مختلف تجلیات اور مقامات و مراتب ہیں جو خدا کے فیض اور اُس کی تخلیق سے متعلق ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے: یہ روحانیین میں سب سے پہلی مخلوق ہے۔ یہ عرش کے دائیں طرف تھی اور اُسے خدا کے نور سے خلق کیا گیا۔

جیسے سماعہؓ سے روایت نقل ہوئی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سرکارِ صادق آلِ محمد علیہ السلام کی خدمت میں تھا۔ وہاں آپؑ کے کچھ اور شیعہ موالی بھی موجود تھے۔ جب امامؑ کے سامنے عقل اور جہل کا ذکر چھڑا تو آپؑ نے فرمایا: عقل اور اُس کے لشکر اور جہل اور اُس کے لشکر کو پہچان لو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔

سماعہ کہتے ہیں: میں نے عرض کی: قربان جاؤں! ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپؑ نے ہمیں بتایا ہے۔ تو امامؑ نے فرمایا: خدا نے عقل کو خلق کیا۔ وہ سب سے پہلی مخلوق تھی جسے خدا نے روحانیین میں سے عرش کی دائیں جانب اپنے نور سے خلق کیا۔ پھر خدا نے اُس سے کہا: ادھر آ، تو وہ آ گئی۔ پھر کہا: واپس جا، تو وہ واپس چلی گئی۔ اِس پر خدائے بزرگ و برتر نے اُسے

مخاطب کر کے فرمایا: میں نے تجھے ایک عظیم مخلوق بنایا اور اپنی باقی تمام مخلوقات پر تجھے فضیلت عطا کی ہے۔[1]

عرش کی دائیں جانب سے مراد خدا کا بابرکت علم ہے۔ اور وہ بھی اُس کے نور میں سے ہے۔

خصائصِ حُسینیہؑ میں آیا ہے:

جان لیجیے کہ یونانی اور دیگر فلاسفہ کے مابین اِس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ خدا کی جانب سے سب سے پہلے کون سی چیز صادر ہوئی۔ لہٰذا وہ مل کر یہ تعین نہیں کر سکتے کہ سب سے پہلے کون سی چیز خلق ہوئی۔ جیسا کہ علماء علم کلام اور ملطیوں کے درمیان بھی یہ مسئلہ محلِ نزاع ہے اور اِن کا کسی ایک بات پر اتفاق سامنے نہیں آیا۔ اِسی طرح شیعہ سنی روایات بھی اِس حوالے سے مختلف ہیں کہ سب سے پہلے عقل کی تخلیق ہوئی یا قلم کی، یا روح کی یا نورِ نبی ﷺ کی یا آپؐ کی روح کی۔

اکثر حکماء کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلی مخلوق عقلِ اوّل ہے۔ یہ طبقہ مشائی اور ارسطو طالیس کے پیروکار ہیں۔ اِن کے پاس دلیل یہ قاعدہ ہے کہ واحد سے واحد ہی صادر ہو سکتا ہے۔ پھر عقلِ اوّل نے، عقلِ ثانی اور فلکِ اوّل کو خلق کیا گیا ہے۔ اِن سب کو ملا کر عقلوں کی تعداد بارہ اور افلاک نو بنتے ہیں۔ دسویں عقل، عقلِ فعال ہے جس نے فلکِ نہم اور عناصر اربعہ (پانی، مٹی، ہوا اور آگ) کو خلق کیا۔

عقلِ اوّل خدائے سبحان کی مخلوق ہے اور اُس کی تین جہتیں ہیں۔ پہلی اُس کا وجود مبداَ اوّل سے صادر ہوا ہے، دوسری اُس کا نور خدا کے نور سے ہے۔ اور تیسری مبداَ اوّل کے سبب اُس کا واجب ہونا۔

خداوند متعال اپنی ذات کے لحاظ واجب الوجود ہے جبکہ عقل اپنے غیر کے اعتبار سے واجب الوجود اور اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن الوجود ہے۔ پس وہ اپنی ذات کے لحاظ سے ممکن الوجود ہے۔ یعنی اُس کی وجود و عدم کی دونوں طرفیں مساوی ہیں۔ اگر وہ وجود میں آئے تو اُس کے بارے سوال کیا جائے گا کہ وہ کیوں وجود میں آئی؟ اور اگر وہ معدوم ہو جائے اور اپنا

(1) بحار الانوار: ۱/۱۰۹، ۱۵۸)

وجود کھو دے تو اُس کے بارے میں سوال ہوگا کہ وہ کیوں معدوم و فنا ہوئی؟ اِس بنا پر یہ اپنے وجود میں آنے اور معدوم ہونے دونوں صورتوں میں ایک علت کی محتاج ہے۔ بخلاف اُس ذات کے کہ جو تمام علتوں کی علت ہے۔ اور وہ خدائے سبحان کی ذات ہے۔

تو اِس طرح یہ عقل اپنے اِس وجود کے ساتھ ایک دوسری عقل کے وجود کا سبب بنی۔ اور عقلِ ثانی کو خلق کیا۔ اِس وجوب کے ساتھ یہ اُسی فلک کا سبب و علت ٹھہری۔ اور اپنے ممکن ہونے کی بنا پر جسمِ فلک کا سبب قرار پائی۔ یوں اِس نے اپنے وجوب و امکان دونوں لحاظ سے فلکِ اوّل کو خلق کیا۔ بعد ازاں اِسی ترتیب کے ساتھ دوسری سے دسویں عقل تک کا صدور ہوا ہے۔

ثالیس ملطی کا نظریہ یہ ہے کہ سب سے پہلی مخلوق پانی ہے۔ جبکہ بلیناس حکیم کہتا ہے کہ جب خدا نے مخلوق کو خلق کرنا چاہا تو اُس نے ایک لفظ بولا۔ وہ لفظ مخلوق کی علت قرار پایا۔ اُس کلمے کے بعد خدا نے عقل کو خلق کیا۔ پھر اُس نے فعل سے حرکت کی راہ ہموار کی اور حرکت سے حرارت کو وجود دیا۔

اِس کے برعکس کثیر تعداد میں روایاتِ صحیحہ اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سب سے پہلی مخلوق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے۔ عقلِ سلیم بھی اِس قول کی حمایت کرتی ہے۔ کیونکہ جو علت سب سے زیادہ باشرف، قابلِ توجہ اور خدا کی نظر میں پسندیدہ ہو وہ اِس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اُس کی تخلیق سب سے مقدم ہو۔ نیز بعض روایات میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے ساتھ اہلِ بیت اطہارؑ کے نور کا ذکر بھی آیا ہے۔

اب جب یہ بات طے ہو گئی کہ اوّلِ مخلوق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یا آپؐ کے ساتھ اہلِ بیتؑ کا نور ہے تو دونوں صورتوں میں ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اوّلِ مخلوق امام حسینؑ کا نور ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ہے: حُسَيْنٌ مِنِّي وَ أَنَا مِنْ حُسَيْنٍ ''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں''۔ بروایت دیگر آپؐ نے فرمایا: أَنَا مِنْ حُسَيْنٍ وَ حُسَيْنٌ مِنِّي ''میں حسینؑ سے ہوں اور حسینؑ مجھ سے ہے''۔ اِس سے ثابت ہوا کہ امام حسینؑ وہ پہلی مخلوق ہیں جو خدائے اوّل سے صادر ہوئی۔ لہٰذا ہر مخلوق اُن کے تابع ہے۔

چنانچہ جب ہر مخلوق اُن کے تابع اور بعد میں پیدا ہوئی تو یہ بعید نہیں کہ ہر مخلوق اُن کی

www.shiabookspdf.com

مظلومیت پہ روئی ہو۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ہر مخلوق نے مولاؑ کی مظلومیت پہ نوحہ کیا ہے تو کسی کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہماری بات مبالغہ، یا استعارہ تمثیلیہ، یا خیال، یا زبانِ حال سے گریہ کرنا، یا فرض، یا تقدیر نہیں۔ بلکہ تمام موجودات نے حقیقت میں اُن پر گریہ و بکا کیا ہے۔ چاہے وہ نبی ہو یا ملک ہو یا فلک، چاہے انسان ہو یا جن ہو یا شیطان، چاہے جنت ہو، یا جہنم ہو یا نہر، چاہے معدنیات ہوں، نباتات ہوں یا حیوانات، چاہے سورج ہو یا چاند۔ میں فقط اِس دنیا کے سورج و چاند کی بات نہیں کر رہا، بلکہ تمام عوالم کے سورج و چاند، آسمان و زمین اور اُن کے ساکنین کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔

جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ خدا نے دس لاکھ عالم اور دس لاکھ آدم پیدا کیے ہیں۔ اور تم سب سے آخری عالم میں ہو اور سب سے آخری آدمؑ کی اولاد ہو۔

میں نے جو کہا ہے کہ ہر چیز نے امام مظلومؑ پہ گریہ کیا۔ تو میری مراد یہ نہیں کہ صرف شہادت کے بعد ہی گریہ ہوا، بلکہ آپؑ کی شہادت سے پہلے بھی ہر چیز آپؑ کے مصائب کو یاد کر کے روئی۔ اِس بات کو بیان کرنے کے لیے چند ابواب درکار ہیں جن کا ذکر بابِ شہادت کے بعد کیا جائے گا۔ جیسا کہ زیارتِ شعبانیہ میں آیا ہے کہ جو سرکار قائمؑ سے مروی ہے:

بكته السماء و من فيها و الارض. و من عليها و لما يطألابتيها

''اُن پہ آسمان و زمین، اِن کے مابین موجود مخلوقات اور اِن کے ساکنین اور سیاہ پتھروں والی زمین نے گریہ کیا''۔

شہادت سے پہلے گریہ سے بھی یہ مقصد نہیں کہ صرف چند ایک چیزوں نے گریہ کیا۔ بلکہ میری نظر میں تو جب امام کو اوّل مخلوق کے طور پہ خلق کیا گیا اُس وقت سے آپ خشوع و خضوع کا مظہر ہیں۔ لہٰذا پوری دنیا میں تمام تر خشوع و انکساری اُن کے لیے اور اُن کی وجہ سے ہے۔ جیسے ایک محقق فلاسفر نے کہا ہے:

كل انكسار و خضوع به و كل صوت فهو نوح الهواء

اِس کے بعد شیخ اَجل محقق جعفر تستری کہتے ہیں: جان لیں کہ خدائے عز و جل ازل سے منفرد و یکتا تھا۔ اس کے علاوہ نہ کوئی مخلوق تھی، نہ زماں، نہ مکاں۔ پھر اُس نے سب سے افضل

ہستی ﷺ کو خلق کیا اور اُس کے نور سے مولا علی، جناب سیدہ، مولا حسن اور مولا حسین علیہم السلام کے انوار مشتق کیے۔ اِن ہستیوں کے لیے خدا نے متعدد محل اور مختلف عوالم بنائے۔ جیسا کہ معتبر روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔

بعض روایات میں ہے: محمد و آلِ محمد کا نور عرش کی تخلیق سے پہلے خلق ہوا، بعض میں ہے کہ حضرت آدمؑ کی خلقت سے پہلے، بعض میں ہے: حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بعد۔ کبھی نور کی صورت میں، کبھی نور کی اشباح کی صورت میں، کبھی سائے، ذرات اور جنت میں انوار کی صورت میں، کبھی نوری عمود کی صورت میں کہ جو حضرت آدمؑ کی پشت، ہاتھ کی انگلیوں میں رکھا گیا، بعض حالات میں یہ نور حضرت آدمؑ کی پیشانی اور اُن سے لے کر حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب علیہما السلام تک تمام اجداد پیغمبرؐ کی پیشانیوں اور اِسی طرح حضرت حواءؑ سے لے کر حضرت آمنہ بنت وہبؑ تمام اَزواج اجدادؑ کی پیشانیوں میں رکھا گیا۔

پھر اِن ذواتِ مقدسہ کے انوار کے ٹھہرنے کے مختلف مقامات تھے۔ جیسے عرش کے سامنے، عرش کے اوپر، عرش کے نیچے، عرش کے اطراف میں، بارہ حجابات میں سے ہر ایک حجاب میں، (انوار کے) سمندروں میں اور سرادقات میں۔ یہ انوارِ اہل بیتؑ مذکورہ مقامات میں سے ہر ایک مقام پر ایک مخصوص مدت تک رہے۔ اِس طرح عرش کی تخلیق سے قبل اُن کے وجود کی مدت چار لاکھ بیس ہزار سال بنتی ہے۔ عرش کے گرد موجود رہنے کا عرصہ حضرت آدمؑ کی تخلیق سے پہلے پندرہ ہزار سال اور عرش کے نیچے کا دورانیہ تخلیقِ آدمؑ سے بارہ ہزار سال پہلے بنتا ہے۔

یہ مقام اِس موضوع کی تفصیل بیان کرنے کا نہیں، بلکہ اِس کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ بہر کیف ہمارا مقصد امام حسینؑ کے نور کی خاصیتوں کا بیان کرنا تھا اور اِن تمام عوالم و حالات میں اِس کی انفرادیت کو ظاہر کرنا تھا۔ یعنی یہ بتانا تھا کہ عالمِ ظلال، عالمِ اشباح، عالمِ ذرات میں اِس کی جداگانہ کیفیت کیا تھی؟ اور جب یہ جنت میں ایک درخت کی صورت میں مجسم ہوا اور جب جناب سیدہ کے گوشِ مبارک میں جھمکے کی صورت میں آیا تو اُس وقت اِس کی حالت کیا تھی؟ اور اب یہ جنت میں کس حالت میں ہے کہ جو اِنہی عوالم میں سے ایک ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ اِن تمام عوالم میں اِن انوارِ قدسیہ کا مصدر نبی کریم ﷺ کا نور تھا۔ اور اِس نور کا امتیاز بھی اسی وجہ سے تھا کہ یہ آپؐ کے نور کا جزو تھا۔ کیونکہ آپؐ مولا حسینؑ سے اور مولا حسینؑ آپؐ سے ہیں۔ لیکن جب امام مظلومؑ کا نور آپؐ کے نور سے جدا ہوا تو اُس میں یہ خاصیت ظاہر ہوئی کہ اُسے دیکھتے ہی غم و اضطراب کا احساس ہوتا تھا۔ چنانچہ جس وقت محمدؐ و آلِ محمدؑ کا نور حضرت آدمؑ کے ہاتھ کی انگلیوں میں ظاہر ہوا تو مولا حسینؑ کا نور آپؑ کے انگوٹھے میں تھا۔ اور یہ تاثیر اب بھی موجود ہے۔ اِس لیے اگر کسی پر ہنسی مذاق غالب ہو اور وہ اپنے انگوٹھے کی پشت کو دیکھے تو اُس پر غم طاری ہو جائے گا۔ (۱)

اِس کا اتفاق حضرت ابراہیمؑ کو بھی ہوا کہ جب انہوں نے عالمِ اشباح میں امامؑ کی شبح کو دیکھا۔ جیسا کہ امام عالی مقامؑ کا نام لینا اور سننا غم و حزن کا موجب بنتا ہے۔ (۲)

یہ تاثیر نہ صرف امام عالی مقام کے اسمِ گرامی میں ہے، بلکہ آپؑ سے منسوب ہر چیز میں یہ غمگین اثر پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ پانچ نورانی کیلوں والی حدیث میں آیا ہے کہ جنہیں حضرت جبرائیلؑ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس لائے تھے۔ تاکہ وہ اُن کے ذریعے اپنی کشتی کے اطراف کو جوڑیں۔ اُن پانچ میں سے ہر کیل انوارِ خمسہؑ میں سے ایک کے نام پر تھی۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے مولا حسین علیہ السلام سے منسوب کیل ہاتھ میں لی تو اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا اور انہوں نے اِس کیل سے خون کے رنگ کی تری محسوس کی۔ جب انہوں نے اِس کیل کے بارے میں پوچھا تو انہیں جواب دیا گیا کہ یہ امام حسین علیہ السلام کی کیل ہے اور اِس سے خون نکلنے کا اشارہ ایک خاص کیفیت کے ساتھ اُن کی شہادت کا واقع ہونا ہے۔ (۳)

آپؑ کے نور کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ جو نور نبی کریم ﷺ کے اجداد میں سے بعض سے حاملہ ہونے والی خواتین کی پیشانیوں میں اور اِسی طرح جناب آمنہؑ کی پیشانی میں ظاہر ہوا، تو اُس کے ظاہر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ بیبیاں خود نور نہ تھیں۔ یہی وجہ ہے حاملہ

(۱) (بحارالانوار: ۴۲/۲۷۱)

(۲) (بحارالانوار: ۳۶/۱۵۱)

(۳) (بحارالانوار: ۴۴/۳۳۰)

www.shiabookspdf.com

ہونے کے بعد اُن کی پیشانیوں میں نور آیا۔ لیکن ماں خود نور ہو تو اُس کے چہرے پر کوئی خاص اضافی نور ظاہر نہیں ہوتا۔

اسی لیے جب جنابِ سیدہؑ کے یہاں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ولادت ہونے لگی تو اُن کی پیشانی مبارک پہ کوئی اضافی نور دکھائی نہ دیا۔ لیکن مظلومِ کربلا علیہ السلام کی خاصیت یہ ہے جب آپؑ کی ولادت کے ایام قریب آئے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شہزادی جنابِ سیدہؑ کی طرف دیکھ کر فرمایا:

اِنِّی اَرَی فِی مُقَدَّمِ وَجْهِكِ ضَوءًا وَّ نُوْرًا، وَ سَتَلِدِیْنَ حُجَّةً لِهٰذَا الْخَلْقِ

"میں آپؑ کے چہرے کے سامنے والے حصے میں ایک چمک اور نور دیکھ رہا ہوں۔ عن قریب آپؑ کے یہاں اِس مخلوق کی حجت کی ولادت ہوگی"۔

نیز مخدومۂ کونینؑ خود فرماتی ہیں:

اِنِّیْ لَمَّا حَمَلْتُ بِهٖ كُنْتُ لَا اَحْتَاجُ فِی اللَّیْلَةِ الظَّلْمَاءِ اِلَی مِصْبَاحٍ

"جس عرصے میں میرے یہاں امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہونے لگی تو مجھے رات کی تاریکی میں چراغ کی ضرورت نہیں رہی"۔ [1]

لہٰذا مولا حسین علیہ السلام کے نور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نور پہ بھی اپنی تجلی الگ سے ظاہر کرتا ہے اور اُس پہ غالب آجاتا ہے۔ چنانچہ جس وقت آپؑ مقتل میں زخموں سے چور چور تھے اُس وقت جس لعین نے آپؑ کو شہید کیا۔ وہ کہتا ہے: اللہ کی قسم! آپؑ کے چہرے کے نور نے مجھے آپؑ کو قتل کرنے سے غافل کر دیا۔

اِس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اسے کوئی پردہ چھپا نہیں سکتا۔ جیسا کہ آپؑ کے متعلق ایک شخصیت کا بیان ہے:

میں نے کوئی ایسا مقتول نہیں دیکھا جو خاک و خون میں غلطان ہو اور اُس کا

---

[1] (بحار الانوار: ۳۲/۲۷۳)

www.shiabookspdf.com

چہرہ آپؑ سے زیادہ نورانی و بارونق ہو۔ لہٰذا آپؑ کے چہرے پہ موجود خاک و خون آپؑ کے نور کی آب و تاب میں کمی نہ کر سکے۔ کیونکہ آپؑ کا نور ہر نور پہ حاوی ہے۔ [1]

---

[1] (خصائص الحسینیہ: ۳۶)

آٹھویں فصل

عرشِ خدا اور آلِ محمدؐ

یہ بات تواتر اجمالی و معنوی سے ثابت ہو چکی ہے کہ آلِ محمدؐ کے اعلیٰ مراتب اور بلند مقاماتِ الٰہیہ میں سے ایک یہ ہے کہ اُن کے انوارِ مقدسہؐ نے عرشِ خدا کو زیب و زینت سے نوازا ہے۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومینؑ سے مروی کثیر تعداد میں روایات اِس بلند مقام اور عظیم مرتبے کو بیان کرتی ہیں کہ جو فقط اہل بیت رسولؐ کے ساتھ ہی مختص ہے۔ ہم بطورِ نمونہ اُن میں سے چند روایات کو ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

۱۔ علل الشرائع اور عیون اخبار میں شیخ نے اپنی سند کے ساتھ امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کیا ہے، آپؑ اپنے آباء کرامؑ کے سلسلہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مجھے آسمان پہ معراج کے لیے لے جایا گیا تو مجھے نداء آئی: یا محمدؐ!

اُس کے جواب میں میں نے کہا: اے میرے رب! میں حاضر ہوں، تو پاک ہے، با برکت ہے اور بلند شان کا مالک ہے۔

مجھے پھر نداء آئی: اے محمدؐ! آپؐ میرے بندے اور میں آپؐ کا رب ہوں، اِس لیے آپؐ میری عبادت کریں اور مجھ ہی پہ توکل کریں۔ بے شک آپؐ بندوں میں میرا نور، مخلوق کی جانب میں میرا پیغام لے کر جانے والے اور میری پیدا کردہ تمام خلائق پہ حجت ہیں۔ میں نے آپؐ اور آپکے پیروکاروں کے لیے اپنی جنت کو خلق کیا، آپؐ کی مخالفت کرنے والوں کے لیے جہنم کو بنایا، آپؐ کے اوصیاءؑ کے لیے اپنی عزت و کرامت کو واجب کیا اور اُن کے شیعوں کے لیے اپنا اجر و ثواب ضروری قرار دیا۔

میں نے پوچھا: اے میرے پروردگار! میرے اوصیاءؑ کون ہیں؟

www.shiabookspdf.com

آوازِ قدرت آئی: اے محمدؐ! آپؐ کے اوصیاءؑ کے نام میرے عرش کے پائے پر لکھے ہوئے ہیں۔

پھر میں نے خدا کے حضور میں اپنی نظریں اٹھا کر ساقِ عرش پہ دیکھا تو مجھے بارہ انوار دکھائی دیے۔ ہر نور کی ایک ایک سطر میں میرے ایک ایک وصیؑ کا نام لکھا ہوا تھا۔ اُن میں پہلے علی بن ابی طالب علیہ السلام اور آخری میری اُمت کے مہدیؑ تھے۔

میں نے عرض کی: اے پروردگار! کیا میرے بعد وصی یہ ہوں گے؟ ارشاد ہوا: اے محمدؐ! یہ میرے اولیاء، میرے منتخب کردہ اور چنیدہ بندے ہیں اور آپؐ کے بعد میری مخلوق پہ حجت ہیں۔ مجھے اپنی عزت و جلالت کی قسم! میں اِن کے ذریعے اپنے دین کو (ہر قسم کی کمی بیشی سے) پاک رکھوں گا، اِن کے وسیلے سے اپنے کلمہ کو بلندی عطا کروں گا، اِن کے آخری فرد کی مدد سے زمین کو اپنے دشمنوں کے وجود سے پاک کردوں گا۔ اُسے زمین کے مشرق و مغرب کا مالک بناؤں گا، ہوائیں اُس کے مسخر کروں گا، گہرے بادلوں کو اُس کے حکم کا تابع کردوں گا، اُسے زینوں کے ذریعے اپنی طرف بلند کروں گا، اپنے لشکر سے اُس کی نصرت کروں گا اور اپنے فرشتوں کے ذریعے اُس کی مدد کروں گا۔ حتیٰ کہ وہ علی الاعلان میری طرف دعوت دے گا اور مخلوق کو میری توحید پہ اکٹھا کرے گا۔ پھر میں اُس کی حکومت کو دوام عطا کروں گا اور قیامت تک زمام اقتدار اپنے اولیاء کے ہاتھ میں دیتا رہوں گا۔ [1]

۲۔ صاحب قصص الانبیاءؑ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اولادِ آدمؑ ایک گھر میں جمع ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف و نزاع کرنے لگے۔ بعض نے کہا: تمام خلق خدا سے افضل ہمارے بابا حضرت آدمؑ ہیں، بعض کا کہنا تھا کہ نہیں، مقرب فرشتے سب سے افضل ہیں، اور بعض کہتے تھے کہ نہیں، سب سے افضل حاملینِ عرش ہیں۔ اتنے میں جناب ہبۃ اللہ علیہ السلام اُن کے پاس تشریف لے آئے۔ انہیں دیکھ کر ایک شخص نے کہا: اب تمہارے پاس وہ شخص آ گیا ہے جو اِس مشکل کو حل کر دے گا۔ چنانچہ انھوں نے وہاں موجود لوگوں کو سلام کہا اور بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد کہا: تم لوگ کس بات پر آپس میں

[1] (سفینۃ البحار: ۶/۱۹۹)

اُلجھ رہے تھے؟ اُس شخص نے بتایا: ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ تمام خلقِ خدا میں سب سے افضل کون ہے؟ پھر انہوں نے جنابِ ہبۃ اللہ کو اپنی اپنی آراء بتائیں۔

تو انہوں نے کہا: تھوڑا صبر کرو، میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے بابا حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور عرض کی: بابا جانؑ! میں اپنے بھائیوں کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ اِس بات پر ایک دوسرے سے اُلجھ رہے ہیں کہ خدا کی مخلوق میں سب سے افضل کون ہے؟ انہوں نے مجھ سے اِس کے متعلق دریافت کیا تو اِس کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے اُنہیں کہا: تھوڑا صبر کرو، میں کچھ ہی دیر میں واپس آتا ہوں۔ جنابِ ہبۃ اللہؑ کی بات سن کر حضرت آدم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

نورِ نظر! جب میں اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہوا تو میں نے عرش کے اوپر یہ تحریر لکھی ہوئی دیکھی:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مُحَمَّدٌ وَّ آلُ مُحَمَّدٍ خَيْرُ مَنْ بَرَأَ اللهُ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؑ تمام خلقِ خدا سے افضل ہیں۔ ①

۳- فضائل الشیعہ شیخ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ سے نقل کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آپؐ کے پاس آیا اور عرض کی: یا رسولؐ اللہ! مجھے اس فرمانِ خدا کی تفسیر بتائیے جو اُس نے ابلیس کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ

"کیا تو متکبر ہو گیا ہے یا عالی مرتبہ لوگوں میں سے ہو گیا ہے"۔

یا رسولؐ اللہ! پوچھنا یہ ہے کہ وہ کون افراد ہیں جو فرشتوں سے زیادہ بلند مرتبے کے حامل ہیں؟

تو آپؐ نے فرمایا: وہ میںؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ ہم سرادقِ عرش میں خدا کی

① (سفینۃ البحار: ۶/۲۰۵)

تسبیح کرتے تھے۔ فرشتوں نے ہماری تسبیح سن کر تسبیح کی۔ یہ حضرت آدمؑ کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ جب خدا نے حضرت آدمؑ کو خلق کیا اور فرشتوں کو سجدۂ آدمؑ کا حکم دیا تو ہمیں اِس حکم سے مستثنیٰ رکھا۔ اِس پر ابلیس کے علاوہ تمام فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا۔ اُس نے انکار کر دیا تھا۔ اُس کا سجدے سے انکار دیکھ کر خدا نے فرمایا: [اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ] آیا تو تکبر میں آ گیا ہے یا اِن پانچ عالی مرتبہ افراد میں سے ہو گیا ہے جن کے نام سرادقِ عرش پہ لکھے ہوئے ہیں؟!

ہم خدا کا وہ باب ہیں جس سے داخل ہوا جاتا ہے اور ہدایت کے طلب گار ہمارے ہی وسیلے سے ہدایت پاتے ہیں۔ جو ہم سے محبت کرے خدا اُس سے محبت کرے گا اور اُسے جنت میں ٹھہرائے گا۔ اور جو ہم سے بغض و عداوت رکھے تو خدا بھی اُسے ناپسند کرے گا اور واصلِ جہنم کر دے گا۔ اور (یاد رکھو کہ) ہم سے وہی شخص محبت کرے گا جس کی ولادت پاکیزہ ہوگی۔ ①

۴- قبیصہ بن یزید جعفی سے روایت نقل ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں صادقِ آلِ محمدؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں دوس بن ابی دوس، ابن ظبیان اور قاسم صیرفی بھی موجود تھے۔ میں نے سب کو سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا۔ پھر میں نے امامؑ سے کہا: یابن رسولؐ اللہ! مجھے آپؑ سے کچھ پوچھنا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: ہاں، ضرور پوچھو، مگر ذرا مختصر۔ میں نے کہا: آپؑ اُس وقت کہاں رہتے تھے کہ جس وقت ابھی خدا نے بلاستون آسمان، پھیلی ہوئی زمین اور ظلمت و نور کو خلق نہیں کیا تھا؟

امامؑ نے فرمایا: اے قبیصہؓ! تم نے ایسے مشکل وقت میں ہم سے اِس کے متعلق کیوں سوال کیا ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ ہماری محبت پوشیدہ اور ہم سے بغض آشکار ہو چکا ہے، جنوں میں سے ہمارے کچھ دشمن ہیں جو ہماری باتیں اُن لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ہمارے دشمن ہیں۔ اور جیسے لوگوں کے کان ہوتے ہیں ایسے ہی دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں؟!

میں نے عرض کی: مجھ سے بھی کسی نے اس کے بارے میں پوچھا، اس لیے میں نے یہ سوال آپؑ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

① (بحار الانوار: ۲۵/۲؛ فضائل الشیعہ: ۷)

www.shiabookspdf.com

تو امامؑ نے فرمایا: اے قبیصہؓ! ہم حضرت آدمؑ کی تخلیق سے پندرہ ہزار برس قبل عرش کے گرد نوری اشباح کی صورت میں خدا کی تسبیح میں مصروف تھے۔ پھر جب خدا نے حضرت آدمؑ کو خلق کیا تو ہمارا نور اُن کی صلب میں ڈال دیا۔ اِس کے بعد ہمارا نور مسلسل پاکیزہ صلبوں سے باطہارت رحموں میں منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں بھیجا۔ ہم خدا کی محکم رسی ہیں۔ جو شخص ہمارے ساتھ تمسک کیے رہے گا وہ نجات پائے گا اور جو ہم سے منہ موڑ لے وہ ہلاکت میں گرے گا۔ ہم اپنے ساتھ مربوط رہنے والے کو گمراہی میں جانے دیں گے نہ ہدایت سے نکلنے دیں گے۔ ہم خدا کے شمس کے محافظ و نگہبان ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت ہیں، ہم وہ قبہ ہیں جس کی طنابیں لمبی اور احاطہ وسیع ہے۔ جو ہماری طرف آئے وہ نجات پا کر جنت میں جائے گا اور جو ہم سے دور ہو جائے وہ جہنم میں جا گرے گا۔

یہ سن کر میں نے کہا: واقعاً میرے پروردگار کی ذات لائقِ حمد ہے۔ (1)

۵۔ شیخ صدوق نے کتاب المعراج میں اپنے رجال کے سلسلہ سے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا، آپؐ نے مولا امیر المومنینؑ کو مخاطب کر کے فرمایا: یا علیؑ! خدا ہمیشہ سے تھا اور اُس کے ساتھ کوئی دوسری چیز موجود نہ تھی۔ پھر اُس نے میری اور آپؑ کی روح اپنی جلالت کے نور سے خلق کی۔ تو ہم عرش کے سامنے اُس کی تسبیح و تقدیس اور حمد و تہلیل میں مشغول ہو گئے۔ یہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے کی بات ہے۔ خدا نے کہا: اے محمدؐ! میں نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے آپ کا اور علیؑ کا نام اپنے عرش پہ لکھا۔ اِس کا مقصد تم دونوں سے، تم سے محبت و ولاء رکھنے والوں سے اور تمہاری اطاعت کرنے والوں سے محبت کا اظہار کرنا تھا۔ (یہ حدیث کافی طویل ہے اصل کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔) (2)

۶۔ انس بن مالک سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نمازِ فجر پڑھائی اور اِس کے بعد بدرِ تمام کی مانند محراب میں کھڑے ہو گئے۔ میں نے

(1) (تفسیر فرات: ۲۰۷)

(2) کنز الفوائد: ۳۷۴)

عرض کی: یا رسول اللہؐ! اگر آپ مناسب سمجھیں تو اِس آیت کی تفسیر بیان کر دیں:

أُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ

تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِس آیت میں نبیوںؐ سے مراد میں، صدیقین سے مراد علی ابن ابی طالبؑ، شہداء سے مراد میرے چچا جناب حمزہؑ اور صالحین سے میری بیٹی فاطمہؑ اور اُن کے شہزادے حسنؑ و حسینؑ مراد ہیں۔

یہ سن کر مسجد کے ایک کونے سے حضرت عباس اٹھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہؐ! کیا میں، آپؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ ایک ہی سلسلہ تعلق نہیں رکھتے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چچا جان! اصل بات کہیں، کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟

تو انہوں نے کہا: میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپؐ اِن کے ساتھ میرا ذکر کیوں نہیں کیا اور جب اِن کی عزت و عظمت بیان کی تو مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

www.shiabookspdf.com

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چچا جان! آپؓ نے یہ جو کہا کہ ہم سب ایک سلسلہ تعلق رکھتے ہیں، یہ بات درست ہے۔ لیکن (یہ بھی جان لیں کہ) خدا نے ہم پانچ افراد کو اُس وقت خلق کیا کہ ابھی وسیع و عریض آسمان، پھیلی ہوئی زمین اور جنت و جہنم کی تخلیق نہیں ہوئی تھی۔ ہم اُس وقت خدا کی تسبیح کرتے تھے کہ جب تسبیح کا وجود نہ تھا۔ ہم اُس وقت اُس کی تقدیس بیان کرتے تھے کہ جب تقدیس کا وجود بھی نہ تھا۔ پھر جب خدا نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو میرے نور میں شگاف ڈال کر اُس سے عرش کو پیدا کیا۔ اِس لیے (جان لو کہ) عرش کا نور میرے نور کا جزو ہے اور میرا نور خدا کے نور سے مشتق ہے۔ میں عرش سے افضل ہوں۔ (یہ حدیث بھی کافی طویل ہے اور اصل کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔) (1)

۷۔ امالی ابن شیخ میں سند کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام روایت نقل ہوئی ہے، آپؑ فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیرِ عرش ایک جوہر کی طینت سے خلق

(1) (بحار و کنز الفوائد)

کیا۔ تو وہ آپؐ کی طینت کے لیے آمادہ ہوگیا۔ پھر رسول خدا ﷺ کے لیے تیار شدہ طینت سے مولائے کائناتؑ کی طینت کو بنایا گیا تو وہ اِس کے لیے تیار ہوگئی۔ پھر مولا امیر المومنینؑ کی بچی ہوئی طینت سے ہماری طینت تیار کی گئی تو وہ تیار ہوگئی۔ بعد ازاں ہمارے شیعوں کی طینت کو ہماری طینت سے تیار کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے دل ہماری جانب مائل اور ہمارے دل اُن پہ مہربان ہیں۔ کہ جیسے ایک باپ کا دل اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے۔ ہم اُن کے حق میں اچھے ہیں اور وہ ہمارے لیے (باقیوں سے) بہتر ہیں۔ رسول خدا ﷺ ہمارے لیے بہتر اور ہم آنحضرتؐ کے حق میں اچھے ہیں۔ [1]

۸۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جب خدا کسی امامؑ کو خلق کرنا چاہتا ہے تو عرش نے نیچے سے تھوڑا پانی اٹھا کر ایک ملک کے حوالے کرتا ہے تو وہ اُسے امامؑ کی ماں کو پلا دیتا ہے۔ پھر اُسی پانی سے امامؑ کی تخلیق ہوتی ہے۔ اِس کے بعد جب امامؑ کی ولادت ہوتی ہے تو خدا اُسی فرشتے کو امام کے پاس بھیجتا ہے اور وہ اُس کی پیشانی پہ یہ آیت لکھتا ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ [2]

جب اُس سے پہلے والا امامؑ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ فرشتہ اُس کے لیے ایک منار بلند کرتا ہے جس کی مدد سے وہ لوگوں کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ یوں اُس امامؑ کے ذریعے مخلوق پہ خدا کی حجت تمام ہوتی ہے۔ [3]

۹۔ جابر جعفیؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اے جابرؒ! بس اللہ تھا، اور کوئی چیز نہ تھی۔ نہ معلوم، نہ مجہول۔ پھر خدا نے اپنی مخلوق کو خلق کرنے کی ابتداء کی تو سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ اور ہم اہل بیتؑ کو اپنے نور و عظمت کے ساتھ خلق کیا۔ اِس کے بعد اُس نے ہمیں سبز سایوں کی صورت میں اپنے سامنے ٹھہرایا۔ اُس

www.shiabookspdf.com

[1] (امالی ابن شیخ: ۴۹)
[2] (الانعام)
[3] (مصدر سابق، تفسیر قمی: ۲: ۲۰۲)

وقت نہ آسمان تھا، نہ زمین، نہ کوئی جگہ، نہ رات، نہ دن، نہ سورج اور نہ چاند۔ ہمارا نور، پروردگارِ عالم کے نور سے ایسے جدا ہوتا ہے جیسے سورج کی کرن سورج سے جدا ہوتی ہے۔ ہم خدا کی تسبیح و تقدس بیان کرتے، اُس کی حمد بجا لاتے اور اُس کی ایسے عبادت کرتے جیسے عبادت کرنے کا حق ہے۔ پھر اللہ نے مکان کو پیدا کیا اور اُس پہ یہ عبارت لکھی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيٌّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ وَصِيُّهٗ، بِهٖ اَيَّدْتُهٗ وَ نَصَرْتُهٗ

اِس کے بعد خدا نے عرش کو خلق کیا اور اُس کے سرادقات بھی یہی تحریر لکھی۔ پھر آسمانوں کو خلق کیا اور اُن کے کناروں پر بھی یہ کلمات لکھے۔ پھر اُس نے جنت و جہنم کو خلق کیا اور اُن کے اوپر بھی یہی عبارت تحریر کی۔ بعد ازاں خدا نے ملائکہ کو خلق کیا اور انہیں آسمان میں رہائش دی۔

پھر انہیں اپنی معرفت کرائی اور اُن سے اپنے رب ہونے، رسول خدا ﷺ کی نبوت اور مولا علیؑ کی ولایت کا عہد لیا تو انہوں نے اِس عہد کو قبول کرنے میں تھوڑا تردد ظاہر کیا۔ اِس پر خدا اُن سے ناراض ہوگیا اور اُن سے اپنی معرفت سلب کر لی۔ چنانچہ وہ سات سال تک عرش کے ساتھ چمٹ گئے۔ وہ خدا سے اُس کے غضب سے امان مانگتے تھے، اُس کے عہد کا اقرار کرتے تھے اور اُس سے راضی ہوجانے کا سوال کرتے تھے۔ تو جب انہوں نے خدا کے عہد کا اقرار کیا تو وہ اُن سے راضی ہوگیا، اِس اقرار کے صلے میں خدا نے انہیں آسمان میں سکونت دی، انہیں اپنے لیے خاص کیا اور اپنی عبادت کے منتخب کر لیا۔

پھر اللہ نے ہمارے انوار کو حکم دیا تو وہ تسبیح کرنے لگے۔ ہمیں تسبیح کرتا دیکھ کر فرشتے بھی خدا کی تسبیح پڑھنے لگے۔ اگر ہمارے انوار خدا کی تسبیح نہ کرتے تو فرشتوں کو علم نہ ہوسکتا کہ کس طرح خدا کی تسبیح و تقدیس بیان کریں۔ (حدیث آگے بھی ہے۔ تفصیل کے شائقین اصل مصدر کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔) [1]

۱۰۔ شیخ طوسی نے اپنے رجال کے سلسلہ سے عبد اللہ بن عجلان سکونی سے روایت کیا ہے

[1] (بحار الانوار: ۲۵/ ۱۸)

، وہ کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی زبان مبارک سے سنا: مولا علیؑ اور جناب سیدہؑ کا گھر رسول خدا ﷺ کے حجرہ میں سے ہے۔ اور اُن کے گھر کی چھت رب العالمین کا عرش ہے۔ اُن کے گھروں کی گہرائی میں ایک شگاف ہے جو عرش تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ وحی اور ملائکہ کی معراج کا مقام ہے۔ فرشتے صبح وشام، ہر آن اور ہر گوشۂ چشم ہلنے کی دیر میں ملائکہ اُن پہ نازل ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی جماعتیں ہمیشہ اُن کے پاس موجود رہتی ہیں۔ ایک جماعت آ رہی ہوتی ہے تو ایک جا رہی ہوتی ہے۔ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے آسمانوں سے پردہ اٹھایا حتیٰ کہ انہوں نے عرش کو دیکھ لیا اور خدا نے اُن کی دیکھنے کی قوت میں اضافہ کیا۔

خدا نے حضرت محمد ﷺ، مولا علیؑ، جناب سیدہؑ، مولا حسنؑ اور مولا حسینؑ کی قوتِ بصارت میں اِس قدر اضافہ کیا ہے کہ وہ عرش کو دیکھتے تھے [یعنی: وہ آسمانی وزمینی ملکوت کا نظارہ کرتے تھے، یا وہ خدا کے علوم ومعارف اور اُس آیات ومعانی عرشیہ کا ادراک اُس کے اسماء وصفات سے کر لیتے تھے۔] انہیں عرش کے علاوہ اپنے گھر کی کوئی چھت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اُن کے گھروں کی چھت خدا کا عرش تھا۔ اُن کے گھر فرشتوں اور روح کی معراج کا مقام تھے۔ ایک کے بعد ایک گروہ وہاں نازل ہوتا اور یہ سلسلہ کبھی نہیں رُکتا تھا۔ ہم آئمہؑ میں سے ہر امامؑ کے گھر میں فرشتوں کی معراج ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ④

میں نے پوچھا: کیا یہ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ہے؟

فرمایا: بِكُلِّ اَمْرٍ۔ میں نے کہا: کیا یہ تنزیل ہے؟ فرمایا: جی ہاں۔ ①

۱۱۔ زید شحامؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: یہ بتائیے کہ امام حسن علیہ السلام افضل ہیں یا امام حسینؑ؟

امامؑ نے فرمایا: بے شک ہمارے پہلے کی فضیلت آخر کی فضیلت سے ملحق ہوتی ہے اور آخر کی پہلے کے ساتھ۔ ہر ایک کے لیے فضیلت کا ایک خاص مقام ہے۔

میں نے کہا: قربان جاؤں! ذرا تفصیل سے بتائیے، خدا کی قسم! میں تھوڑا تردّد کا شکار

① کنز الفوائد۔

ہوں۔ تو امامؑ نے فرمایا:

ہم سب شجرۂ طیبہ سے ہیں اور اُس نے ہمیں ایک طینت سے خلق کیا ہے۔ ہماری فضیلت اور ہمارا علم خدا کی طرف سے ہے۔ ہم خدا کی مخلوق پہ اُس کے امین ونگہبان، اُس کے دین کی طرف بلانے والے، اُس کے اور اُس کی مخلوق کے مابین امور پہ نگران ہیں۔

پھر فرمایا: کیوں زید! کافی ہے یا مزید بتاؤں؟ میں نے عرض کی: جی بتائیے۔

فرمایا: ہماری خلقت ایک، ہمارا علم ایک، ہماری فضیلت ایک جیسی اور ہم سب خدا کی طرف ایک ہیں۔

میں نے کہا: آپؑ آئمہ کی تعداد کتنی ہے؟ فرمایا: ہم بارہ ہیں اور اپنی ابتداء خلقت سے اِسی طرح عرش کے گرد موجود ہیں۔ ہمارا پہلا بھی محمد ہے، درمیان والا بھی محمد اور آخری بھی محمد ہے۔ ①

www.shiabookspdf.com

۱۲۔ عبد اللہ بن بکر ارجانی سے ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، عبد اللہ کہتے ہیں: میں نے امام عالی مقامؑ سے پوچھا: قربان جاؤں! مجھے یہ بتائیں کہ اگر امام حسین علیہ السلام کی قبر کھولی گئی تو اِن لوگوں کو وہاں سے کوئی چیز ملے گی؟ امامؑ نے فرمایا: ابن بکر! کچھ سوچا بھی ہے کہ کتنا بڑا سوال کر رہے ہو؟! امام حسینؑ اپنے باباؑ، والدہؑ اور اپنے بھائی مولا حسنؑ کے ہمراہ رسول خدا ﷺ کے مقامِ سکونت پہ موجود ہیں۔ یہ سب اُسی طرح زندہ ہیں جیسے رسول خدا ﷺ، اور اُسی طرح رزق خدا پاتے ہیں کہ جیسے رسول خدا ﷺ۔ اگر اُن کے ایام (محرم کے عشرہ اولیٰ) میں قبر مبارک کو کھولا جائے تو اُن کا جسد اقدس مل جائے گا۔

لیکن جہاں تک آج کی بات ہے تو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور اپنے لشکر اور خدا کے عرش کی جانب دیکھ رہے ہیں کہ کب انہیں اُسے اٹھانے کا حکم ملتا ہے۔ وہ عرش کی دائیں جانب اُس کے پائے کو پکڑ کر کہتے ہیں: خدایا میرے وعدے کو پورا فرما۔ وہ اپنے زائرین کو دیکھتے ہیں۔ وہ انہیں پہچانتے ہیں اور اُن کے اور اُن کے آباء واجداد کے ناموں اور

① (بحار الانوار: ۲۵/۳۶۳؛ المختصر: ۱۵۹)

خدا کے یہاں اُن کے درجات و منازل سے واقف ہیں کہ اتنا تم میں سے کوئی اپنے بیٹے کو نہیں پہچانتا۔

وہ اُس کا بھی علم رکھتے ہیں جو اُس زائر کے ساتھ سامانِ سفر ہوتا ہے۔ وہ اپنے اوپر گریہ و بکا کرنے والے کو دیکھتے ہیں، اُس پہ شفقت کرتے ہوئے اُس کے لیے طلبِ مغفرت کرتے ہیں، اپنے بزرگوںؑ سے اُس کے لیے استغفار کا سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

اے رونے والے! اگر تو جان لے کہ خدا نے تمہارے لیے کیسا اجر تیار کر رکھا ہے تو اِس رونے سے زیادہ اِس کے اجر کی خوشی منائے۔ آسمان اور حرم کے جو بھی فرشتے اُس کا نوحہ و فریاد سنتے ہیں اُس پہ شفقت کرتے ہوئے اُس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

چنانچہ جب وہ زیارت سے واپس آتا ہے تو اُس کے ذمہ کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ [1]

۱۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ہر شبِ جمعہ ہمارے لیے خوشی اور مسرت کا موقع ہوتا ہے۔ کیونکہ جب شبِ جمعہ آتی ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش پہ پہنچ جاتے ہیں، آپؐ کے ساتھ دوسرے آئمہؑ اور ہم بھی پہنچ جاتے ہیں۔ ہماری روحیں وہاں سے نئے علم کے ساتھ واپس آتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائے۔ [2]

www.shiabookspdf.com

علامہ مجلسیؒ اِس خبر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: اِس خبر سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ آئمہ طاہرینؑ کے پاس جو علم ہے اُس کی بقا اِسی حالت کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک احتمال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ جو علم وہاں سے ملتا ہو وہ اُس کی تفصیل ہو جو اجمالی طور پر پہلے سے اُن کے پاس موجود ہے۔ یا وہ ایسا علم ہو کہ وہ اُس سے اپنے اجمالی علم کی تفصیل استنباط کر سکتے ہوں۔ یا اِس سے مراد یہ ہے کہ اِس حالت کے بغیر ہمارے پاس جو علم ہے اُسے ظاہر کرنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ لیلۃ القدر والی خبر بھی اِس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یا اِس سے مراد یہ ہو کہ ہم حلال و حرام کے علاوہ کوئی خاص قسم کا علم کھو دیں، کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ حقہ میں کو

[1] (بحار الانوار: ۲۵/ ۳۶۷؛ کامل الزیارات: ۲۲۶)

[2] (بحار الانوار: ۲۶/ ۸۹؛ بصائر الدرجات: ۳۶)

نہ دیا گیا ہو، اگرچہ اِس کا اظہار اُس وقت ہوا ہو۔ جیسا کہ اِس کا بیان عن قریب آنے والا ہے۔
یہ یا تو معارفِ الٰہیہ میں سے ہوگا یا امورِ خلقت میں سے۔ کہ جیسے ہم نے سابقاً اِن کی جانب اشارہ کر دیا ہے۔ اِس کی تائید بہت سی اخبار سے ہوتی ہے کہ جو آئندہ صفحات میں آنے والی ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ شاید اِس سے مراد وہ علم ہو کہ جو خدا کے پاس محفوظ ہے۔ جیسا کہ ایک خبر میں آیا ہے۔

۱۴- جناب ابوحمزہ ثمالیؒ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرکارِ باقر العلوم علیہ السلام کی زبان مبارک سے سنا، آپؑ نے ارشاد فرمایا:

اللہ کی قسم! ہم ہی آسمان میں خدا کے خازن اور زمین میں بھی اُس کے خازن ہیں۔ ہم سونے و چاندی کے خازن نہیں۔ بے شک روزِ قیامت عرش کو اٹھانے والے بھی ہم میں سے ہیں۔ [1]

۱۵- ہم سے روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ جناب حبیب بن مظاہرؒ نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے پوچھا کہ جس وقت خدا نے حضرت آدمؑ کو خلق نہیں کیا تھا تو آپؑ کس صورت میں موجود تھے؟ تو امامؑ نے فرمایا: اُس وقت ہم نوری اشباح کی صورت میں عرش کے گرد موجود تھے اور فرشتوں کو تسبیح، تہلیل اور تحمید سکھاتے تھے۔ [2]

۱۶- اباالصلت ہرویؒ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سرکارِ رضا علیہ السلام سے سوال کیا: اے فرزندِ رسولؐ! مجھے بتایئے وہ درخت کون سا تھا جسے حضرت آدمؑ و حضرت حواؑ نے کھایا؟ لوگ اُس کے بارے میں مختلف طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ گندم کا پودا تھا، کوئی کہتا ہے کہ وہ انگور تھا اور کوئی کہتا ہے کہ وہ حسد کا درخت تھا؟

امامؑ نے فرمایا: یہ سب باتیں صحیح ہیں۔ میں نے کہا: پھر اِس اختلاف کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: جنت کا درخت مختلف اقسام کے پھل دیتا ہے۔ وہ گندم کو پودا تھا اور اُس پہ انگور بھی تھے۔ وہ دنیا کے درختوں کی مانند نہیں تھا۔

[1] (بحار الانوار: ۲۶/ ۱۰۵)

[2] (موسوعہ کلمات الحسینؑ: ۵۸؛ بحار الانوار: ۶۰/ ۳۱۱)

جب خدا نے انہیں فرشتوں کے نام بتائے اور جنت میں داخل کر کے عزت و کرامت بخشی تو انہوں نے اپنے دل میں کہا: کیا خدا نے کوئی ایسا انسان بھی خلق کیا ہے جو مجھ سے افضل ہو؟ خدا نے اُن کے دل میں آنے والے خیال کو جان لیا اور بلند آواز میں مخاطب کر کے کہا: اے آدمؑ! اپنا سر اٹھاؤ اور میرے عرش کے پائے کی جانب دیکھو۔ انہوں نے سر اٹھا کر ساقِ عرش پہ دیکھا تو وہاں یہ تحریر لکھی ہوئی تھی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيُّ ابْنُ اَبِي طَالِبٍ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ زَوْجَتُهُ سَيِّدَةُ نِسَاۤءِ الْعَالَمِيْنَ وَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

انہوں نے پوچھا: اے پروردگار! یہ کون لوگ ہیں؟ آوازِ قدرت آئی: یہ تیری ذریت سے ہیں مگر تجھ سے اور میری ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے خلق نہ کرتا، اور نہ ہی جنت و جہنم اور آسمان و زمین کو۔ خبردار! کہیں انہیں حسد کی نگاہ نہ دیکھنا، ورنہ میں تجھے اپنے جوار سے نکال دوں گا!

www.shiabookspdf.com

لیکن حضرت آدمؑ نے انہیں حسد کی نگاہ سے دیکھ لیا اور اُن کا مقام و مرتبہ حاصل کرنے کی خواہش کی تو اُن پر شیطان نے تسلط حاصل کر لیا حتیٰ کہ وہ شجرہ ممنوعہ کو کھا بیٹھے۔ اور حضرت حواءؑ نے جناب سیدہؑ کی جانب نگاہِ حسد سے دیکھا اور شیطان اُن پہ بھی تسلط جمالیا۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کی طرح انہوں بھی شجرہ ممنوعہ کا پھل کھا لیا۔ اِس پر خدا نے اُن دونوں کو جنت سے نکالا اور اپنے جوار سے ہٹا کر نیچے زمین پہ بھیج دیا۔ ①

علامہ مجلسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اِس خبر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ حسد کی نگاہ سے دیکھنے سے مراد اُن کے جیسے فضائل و مراتب کی تمنا کرنا اور اُن کے مقامات کو پانے کی خواہش کرنا ہو۔ یہ بات اُن دونوں کی طرف سے خلافِ اَولیٰ تھی۔ کیونکہ انہوں نے یہ جاننے کے باوجود ایسی تمنا کہ خدا نے انہیں اُن دونوں پر فضیلت عطا کی ہے۔ جبکہ انہیں چاہیے تھا کہ وہ خدا کے فیصلے پر راضی رہتے اور اسے تسلیم کیے رہتے اور اُن کے درجات کو حاصل

① (عیون الاخبار: ۱۷۰)

کرنے کی تمنا نہ کرتے۔

میں کہتا ہوں: ممکن ہے کہ معصومینؑ کے اِس فرمان کہ ہم آلِ محمدؐ کے ساتھ کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، کا اشارہ بھی اسی بلند مقام کی جانب ہو۔ حتیٰ حضرت آدم ابوالبشر جیسی ہستی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود کو آلِ محمدؐ کے ساتھ ملائیں۔ کیونکہ خدا کے بعد وہ سب سے بلند ہیں۔ وہ خدا کے پیدا کردہ اور مخلوق اُن کی (وجہ سے) بنائی ہوئی ہے۔ وہ سب سے پہلی صادر ہونی والی مخلوق اور وجود کی علتِ غائی ہیں۔ یہ معبود میں راز کا راز ہے۔

۱۷۔ کراجکی نے کنز الفوائد میں اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی معراج سے متعلقہ حدیث میں جارود بن منذر عبدی سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے جارود! جس رات مجھے آسمان پہ معراج کے لیے لے جایا گیا تو خدائے عز و جل نے میری طرف وحی کی کہ آپؐ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے ہیں اِن سے پوچھیں کہ وہ کس شرط پہ نبی بنا پر بھیجے گئے ہیں؟

چنانچہ میں نے اُن سے پوچھا: تمہیں کس شرط پہ نبی بنا کر مبعوث کیا گیا ہے؟

تو انہوں نے جواب دیا: آپؐ کی نبوت، آپؐ کے بھائی علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور آپ دونوں سے ہونے والے آئمہ طاہرینؑ کی ولایت پر۔

پھر میری طرف وحی ہوئی کہ عرش کی دائیں جانب دیکھیں۔ جب میں نے دیکھا تو وہاں علی، حسن، حسین، علی ابن الحسین، محمد بن علی، جعفر بن محمد، موسیٰ بن جعفر، علی بن موسیٰ، محمد بن علی، علی بن محمد، حسن بن علی اور مہدی عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ نور کی گہرائی میں محو عبادت تھے۔ پھر رب تعالیٰ نے مجھ سے کہا: یہ حجتیں میرے اولیاء ہیں اور یہ (مہدیؑ) میرے دشمنوں سے انتقام لینے والے ہیں۔ ①

اِس کے بعد علامہ مجلسیؒ نے اِس خبر کے بارے میں محقق کراجکی کا یہ بیان نقل کیا ہے:

اگر اِس حدیث کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے کہ رسول خدا ﷺ نے اُن انبیاءؑ سے کیسے سوال کیا جو آپؐ سے پہلے دنیا سے انتقال کر چکے تھے۔ لہٰذا آسمان پہ اُن سے سوال کیے

① (بحار الانوار: ۲۶/۳۰۱؛ کنز الفوائد: ۲۵۶)

خدائے لم یزل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (١٦٩)

"اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کر دیے گئے، انہیں مردہ گمان مت کرو، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں"۔ ①

جب خدا کی راہ میں مارے جانے والے مومنین کی کیفیت یہ ہے تو انبیاءؑ کے موت کے بعد زندہ ہونے اور آسمان میں خدا کی نعمتوں سے مستفیض ہونے کا کیوں انکار کیا جاتا ہے؟ جبکہ اس عقیدے کے صحیح ہونے پر شیعہ وسنی روایات بھی باہم متصل ہیں۔

راویوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ شبِ معراج آسمان پہ جب رسول خدا ﷺ کو نماز کے حکم کے لیے مخاطب کیا گیا تو حضرت موسیٰؑ نے اُن سے کہا: آپؐ کی امت میں اس کی طاقت نہیں۔ اِس پر آپ ﷺ نے خدا کی طرف مراجعت کی۔ جس چیز میں اتفاق حاصل ہو جائے اُس میں جھوٹ کا شائبہ نہیں رہتا۔

www.shiabookspdf.com

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ سابقہ انبیاءؑ کو خدا کی جانب سے یہ خبر دی گئی تھی کہ اُن کے بعد ایک نبیؐ مبعوث ہوگا جو سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والا ہوگا اور اُس کی شریعت اُن کی لائی ہوئی شریعتوں کو منسوخ کرے گی۔ نیز انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ وہ اُن سے افضل و برتر ہوگا، اور اُس کے کچھ اوصیاء ہوں گے جو محافظِ شریعت، دین کے حامل اور امت پہ حجت ہوں گے۔ لہٰذا انبیاءؑ پہ واجب تھا کہ وہ اِن سب باتوں کی تصدیق کریں اور اِن کا اقرار کریں۔

عبد الاعلی بن اعین سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی نبی، نبوت کے منصب پہ فائز نہیں ہوا، مگر ہمارے حق کی معرفت اور غیر پہ ہماری فوقیت و برتری کے اقرار کے ساتھ۔

پوری امت کا اِس امر پہ اتفاق ہے کہ سابقہ انبیاء کرامؑ نے ہمارے نبی ﷺ کی بشارت دی اور اِن کے بارے میں اپنی امتوں کو خبردار کیا۔ یہ اُسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ

① (سورۃ آل عمران)

جانے کو کس طرح صحیح سمجھا جا سکتا ہے؟ پھر اُن کے اِس جواب کا کیا مطلب ہے کہ وہ آپؐ کی نبوت اور علیؑ و اولادِ علیؑ کی ولایت کی شرط پہ مبعوث ہوئے ہیں؟ نیز یہ کیسے مان لیں بارہ امامؑ اُس وقت آسمان پہ موجود تھے۔ جبکہ ہماری معلومات اِس کے خلاف ہیں۔ کیونکہ مولا علیؑ اُس وقت سرزمین مکہ پہ تھے۔ انہوں نے کبھی اِس امر کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کسی اور اُن کے متعلق یہ ادعا اختیار کیا کہ وہ آسمان پہ گئے ہیں۔ رہی بات اُن کی اولاد میں سے ہونے والے آئمہؑ کی، تو اُن میں سے نہ کوئی اُس وقت موجود تھا اور نہ ہی ابھی دنیا میں آیا تھا۔ لہٰذا اگر اِس خبر کو سچا مان لیا جائے تو یہ سوالات کدھر جائیں گے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم انبیاءؑ کی موت میں بالکل بھی شک نہیں کرتے، مگر اِس کے ساتھ اخبار میں وارد ہوا ہے کہ اُن کے دنیا سے انتقال کر جانے کے بعد خدا انہیں آسمان پہ اٹھا لیتا ہے۔ وہ وہاں زندہ ہوتے ہیں اور تا قیامت خدا کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ اور یہ خدا کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے وارد ہوا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اَنَا اَكْرَمُ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ اَنْ يَّدَعَنِيْ فِي الْاَرْضِ اَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثٍ

"میری خدا کے یہاں عزت اِس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ وہ مجھے تین دن سے زیادہ کے لیے زمین میں رکھے"۔ ہمارے عقائد میں آئمہ طاہرینؑ کا حکم بھی یہی ہے۔

ارشادِ نبویؐ ہے: اگر کوئی نبی مشرق میں وفات پائے اور اُس کا وصی مغرب میں تو بھی خدا اُن دونوں کو اکٹھا کر دے گا۔

ہم جو اِن ذواتِ مقدسہؑ کے حرموں کی زیارت کو جاتے ہیں تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اب بھی وہاں ہیں۔ بلکہ اِس وجہ سے کہ یہ وہ مقامات ہیں جن میں اُن کے اجسادِ مبارکہ کو چھپایا گیا۔ دوسرا یہ ایک عبادت ہے جس کی ہمیں دعوت دی گئی ہے۔ لہٰذا یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آسمان پہ دیکھا ہو اور خدا کا کہا ہوا سوال اُن سے پوچھا ہو۔ علاوہ ازیں

جب یہ مانا جائے کہ خدا نے انہیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق خبر دی تو انہوں نے فرمانِ الٰہی کی تصدیق کی اور آپؐ پہ ایمان لائے۔ بعینہٖ شیعہ کے یہاں روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے اوصیاء یعنی آئمہ طاہرینؑ کے بارے میں بھی بشارتیں سنائیں۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے خدا نے اُس وقت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آئمہ کی طرح کچھ صورتیں پیدا کی ہوں تاکہ آپؐ انہیں اُن کے کمال پہ دیکھ لیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی ان کی صورتِ مثالیہ کو دیکھے اور فضیلت و بزرگی کا مشاہدہ کر کے خدا کا شکر بجالائے۔ یہ سب خدا کی قدرت میں ہے اور عقلاً بھی محال نہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا نے اُن کی صورت پہ کچھ ملائکہ کو پیدا کر دیا ہو جو اُس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہوں۔ تاکہ دوسرے ملائکہ انہیں دیکھ لیں کہ جنہیں اُس نے بتایا ہوا تھا کہ یہ ہستیاں زمین میں اُس کی حجت ہوں گی۔ تاکہ اُن کی نگاہوں کا اِن ذواتِ مقدسہ کا مقام مزید بلند ہو جائے اور وہ اُن کے امر کے حوالے سے خبردار رہیں۔ جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کے لیے لے جایا گیا تو آپؐ نے آسمان پہ امیر المومنینؑ کی صورت کا ایک فرشتہ دیکھا۔ یہ خبر شیعہ، سنی دونوں کے یہاں متفق علیہ ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب مجھے آسمان پہ معراج کے لیے لے جایا گیا تو میں ملائکہ کے جس گروہ کے پاس سے بھی گزرا۔ انہوں نے مجھ سے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں پوچھا حتی مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید آسمان میں علیؑ کا نام میرے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ جب میں چوتھے آسمان پہ پہنچا تو میں نے ملک الموت کو دیکھا۔ اُس نے مجھ سے کہا: اے محمدؐ! خدا نے جو بھی مخلوق خلق کی ہے میں اُس کی روح اپنے ہاتھ سے قبض کروں گا ماسوائے آپؐ کے اور علی ابن ابی طالبؑ کے۔ آپ دونوں کی روحیں خدائے عزوجل اپنی قدرت سے قبض کرے گا۔

پھر جب میں عرش کے نیچے پہنچا تو دیکھا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام میرے رب کے

عرش کے نیچے کھڑے ہیں۔ میں نے کہا: یا علیؑ! آپ تو مجھ سے پہلے یہاں آگئے ہیں؟ جبرائیل امینؑ نے مجھ سے کہا: یا رسول اللہؐ! یہ کون ہے جس سے آپ بات کر رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: یہ میرے بھائی علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔

تو جبرائیلؑ نے مجھ سے کہا: اے رسولِ خدا! یہ علیؑ نہیں، بلکہ خداوند رحمان کے ملائکہ میں سے ایک ہے۔ اسے خدا نے علیؑ کا ہم صورت بنایا ہے۔ ہم مقرب فرشتے جب بھی علیؑ کے چہرے کو دیکھنے کے مشتاق ہوتے ہیں تو اِس فرشتے کو دیکھ لیتے ہیں۔ یہ سب اس لیے ہے تاکہ پتہ چلے کی خدا کے یہاں علی ابن ابی طالبؑ کی شان کیا ہے۔

اس بنا پر یہ صحیح ہے کہ جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا ہو وہ حقیقت میں فرشتے ہوں اور خدا نے انہیں آئمہؑ طاہرین کے شکل وشمائل کا بنایا ہو۔ یہ سب باب تجویز و امکان میں داخل ہے۔ (یعنی ایسا واقع ہونا بعید نہیں۔)

علامہ مجلسیؒ کہتے ہیں: ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئمہ طاہرینؑ کو اِن کے اجسادِ مثالیہ یا ارواح کو بصورتِ جسم دیکھا ہو۔ جیسا سابقاً کتاب المعاد میں بھی اس کا ذکر مختصر طور پہ کیا جا چکا ہے۔

www.shiabookspdf.com

میری رائے یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ عالم انوار یا عالم اشباح ہو جو آسمانوں، زمین، اِن کے مابین کی چیزوں اور حضرت آدمؑ کی تخلیق سے پہلے تھا۔ جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے۔

۱۸- جناب مفضل بن عمرؓ سے حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے واقعہ اور آسمانوں اور زمین پہ امانت کے پیش کیے جانے اور اُن کے انکار کرنے اور انسان کے اُس امانت کے بار کو اٹھا لینے کے بارے میں مروی طویل حدیث میں آیا ہے:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب خدا نے حضرت آدم وحواءؑ کی توبہ قبول کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرائیلؑ اُن کے پاس آئے اور کہا: تم دونوں نے اپنے سے افضل ہستیوں کے مرتبے کی تمنا کر کے اپنے آپ پہ ظلم کیا ہے۔ تمہارے اس ترکِ اَولیٰ کا نتیجہ

یہ ہوا کہ تمہیں خدا کے جوار سے نکال کر زمین پہ بھیج دیا گیا۔ اب تم انہی اسماء کا واسطہ دے کر خدا سے سوال کرو جنہیں تم نے ساقِ عرش پہ دیکھا تھا تاکہ وہ تمہاری توبہ قبول کرلے۔

اس پر انہوں نے یوں دعا کی:

اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے مکرم بندوں محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین اور دوسرے آئمہؑ کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ ہماری توبہ قبول کر اور ہم پہ رحم فرما۔

تو خدا نے اُن کی توبہ قبول کر لی۔ بلاشبہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ [1]

اس معنی کی روایات کافی تعداد میں موجود ہیں جو ایک دوسرے سے معمولی اختلاف رکھتی ہیں۔ البتہ اُن سب کا مضمون ایک ہے کہ خدا نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقے میں آدم و حواءؑ کی توبہ قبول کی، اُن کے اسماء اور انوارِ قدسیہ ساقِ عرش اور اُس کے آس پاس یا سامنے موجود تھے۔ یعنی وہ خدا کے علم، رحمت، تدبیر، تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیا میں ثابت و موجود تھے۔

www.shiabookspdf.com

اِن تمام چیزوں کی معرفت اور اِن کا حصول انہی ذواتِ قدسی صفاتؑ کے وسیلے سے ممکن ہے۔ وہ اِن تک پہنچنے میں معاون و مددگار ہیں۔ وہ خدا کے وہ اسماء حسنیٰ ہیں کہ جن سے اُسے بلایا جاتا ہے۔ بلکہ وہ حقیقت و نفس الامر میں خدا کا عرش ہیں۔ وہ خدا کے علم و قدرت سے ہیں، وہ جنب اللہ، روح اللہ، یداللہ، عین اللہ، لسان اللہ اور مخلوق میں اُس کا چہرہ (یعنی اُس کی معرفت کا ذریعہ) ہیں۔ جیسا کہ ہماری صحیح اخبار میں یہ مضامین وارد ہوئے ہیں۔ مگر واضح رہے کہ یہ سب علم اور اُس کے پہلوؤں، متعلقات اور مقامات کے لحاظ سے ہے۔

۱۹- امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے، آپؑ ارشاد فرماتے ہیں: بے شک کروبین مخلقِ اول میں ہمارے شیعوں کا ایک طبقہ ہے۔ خدا نے انہیں اپنے عرش کے نیچے رکھا ہے۔ اگر اُن میں سے کسی کا ایک بھی نور تمام اہل زمین پہ تقسیم کیا جائے تو اُن کے لیے کافی ہوگا۔

پھر فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے ایک سوال کیا جو کیا تو خدا نے اُن کروبین شیعہ میں سے ایک کو حکم صادر کیا۔ جب اُس شیعہ نے پہاڑ پہ اپنی تجلی ظاہر کی تو اُسے ریزہ ریزہ

کر ڈالا۔ [1] [2]

۲۰- صادق آلِ محمد علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب خدا نے عرش کو خلق کیا تو ساتھ میں دو فرشتے بھی خلق کیے۔ انہوں نے عرش کو دونوں طرف سے پکڑا تو عرش نے کہا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

اِس پر ان دونوں نے بھی خدا کی وحدانیت کی شہادت دی۔

پھر اُس نے کہا:

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ.

اُس کے پیچھے انہوں نے بھی اِس شہادت کو دہرایا۔

پھر اُس نے کہا:

اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ.

تو انہوں نے بھی اِس شہادت کے کلمات ادا کیے۔ [3]

۲۱- ارشاد القلوب میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا، آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ایک مرتبہ حضرت اسرافیلؑ نے حضرت جبرائیلؑ پہ مباہات کرتے ہوئے کہا: میں تم سے افضل ہوں۔ حضرت جبرائیلؑ کہا: تم بھلا مجھ سے کیسے افضل ہو گئے؟ حضرت اسرافیلؑ نے کہا: میں اُن آٹھ افراد میں سے ہوں جو حاملینِ عرش ہیں۔ میں صور پھونکنے والا ہوں۔ میں تمام فرشتوں سے زیادہ خدا کے قریب ہوں۔

---

[1] (بحار الانوار، عن بصائر الدرجات: ۲۱)

[2] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کا تذکرہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۴۳ میں ہوا ہے۔ انہوں نے خدا سے سوال کیا کہ میرے سامنے آ تاکہ میں تجھے دیکھوں؟ اِس کے جواب میں ارشادِ قدرت ہوا: اے موسیٰ! تم مجھے کبھی نہ دیکھ پاؤ گے۔ اچھا چلو! اِس پہاڑ کو دیکھو، اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ لو گے۔ لیکن جب خدا نے اپنا جلوہ دکھایا تو پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ (از مترجم)

[3] (بحار الانوار، عن الیقین: ۵۵)

حضرت جبرائیلؑ نے کہا: میں تم سے زیادہ فضیلت رکھتا ہوں۔ حضرت اسرائیلؑ نے کہا: آپؑ مجھ سے کیسے افضل ہیں؟ حضرت جبرائیلؑ نے کہا: میں خدا کی وحی پر امین ہوں، میں انبیاء و رسل کے پاس جانے والا خدا کا قاصد ہوں، میں چاند و سورج کو گہن لگانے والا ہوں اور تمام امتوں کی ہلاکت میرے ہاتھوں ہوئی ہے۔

پھر اِن دونوں نے اپنا اپنا مدعا خدا کے حضور پیش کیا تو اُس نے اُن کی طرف وحی کی: خاموش ہو جاؤ! مجھے اپنی عزت و جلالت کی قسم، میں نے ایک ایسی مخلوق بھی خلق کی ہے جو تم دونوں سے افضل ہے!

انہوں نے کہا: اے خدا! کیا تو نے ہم سے بھی افضل کوئی خلق کیا ہے، حالانکہ ہم نور سے خلق ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوا: ہاں! پھر خدا نے قدرت کے حجابوں کو وحی کی تو وہ اٹھ گئے اور انہیں عرش کے دائیں پائے پر یہ تحریر لکھی ہوئی نظر آئی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ عَلِیٌّ وَّ فَاطِمَةُ وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ اَحِبَّاۤءُ اللهِ

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام خدا کے پیارے ہیں)۔

اس پر حضرت جبرائیلؑ نے عرض کی: اے پروردگار! میں تجھے اِن ذواتِ مقدسہ کا ہی واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ مجھے اِن کا خادم بنا دے۔ آوازِ قدرت آئی: ہاں ٹھیک ہے، میں نے تجھ کو اِن کا خادم بنا دیا ہے۔

تو جبرائیلؑ ہمارے اہل بیتؑ میں سے اور ہمارا خادم ہے۔ ①

۲۲۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے علیؑ کے ساتھ مصافحہ کیا اُس نے مجھ سے مصافحہ کیا، جس نے مجھ سے مصافحہ کیا اُس نے گویا عرش کے ستونوں سے مصافحہ کیا۔ جس نے علیؑ کو گلے لگایا اُس نے گویا مجھے گلے لگایا اور جس نے مجھے

① (بحار الانوار: ۲۶/۳۴۵؛ ارشاد القلوب: ۲۱۳)

گلے سے لگایا اُس نے گویا تمام انبیاءؑ کو گلے لگایا۔ اور جس نے علیؑ کے کسی حبدار سے مصافحہ کیا تو خدا اُس کے گناہ بخش دے گا اور اُسے کسی حساب و کتاب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ①

سابقاً جیسا کہ ہم عرش کے احاطہ والے باب میں بیان کر چکے ہیں کہ ارکانِ عرش سے مراد تسبیحاتِ اربعہ (سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر) ہیں۔ اور یہ طاقتِ بشری کے اعتبار سے خدائے سبحان کے متعلق علم کا خلاصہ ہے۔ لہٰذا بعض اوقات اس سے مصافحہ کرنے سے خدا کا قرب مراد ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ خدا کی معرفت رکھنے والا انسان اُسے اپنے وجود سے محسوس کرتا ہے۔ مصافحہ باب مفاعلہ کا صیغہ ہے یعنی یہ مشارکت اور مضاربت کی طرح دونوں فریقوں کی جانب سے ہوتا ہے۔

۲۳۔ ایک حدیث میں رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن ہو گا تو عرش کے درمیان سے نداء آئے گی: کہاں ہیں محمدؐ و علیؑ؟! پھر انہیں آسمان کی جانب لے جایا جائے گا حتیٰ کہ خدا کے حضور میں کھڑا کر دیا جائے۔

www.shiabookspdf.com

اُس وقت خدا اپنے نبی ﷺ سے کہے گا: علیؑ کو حوضِ کوثر پہ لے جاؤ۔ اور یہ پیالہ اُس کے ہاتھ میں دو تا کہ وہ اپنے شیعوں اور حبداروں کو سیراب کریں، اپنے دشمنوں کو سیراب نہ کریں اور اپنے حب داروں کے بارے میں حکم دیں کہ اُن کا حساب آسانی کے ساتھ لیا جائے اور انہیں جنت میں پہنچا دیا جائے۔ ②

۲۴۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ جس وقت خدا نے عرش کو خلق کیا تو اُس کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کو بھی خلق کیا اور اُن سے فرمایا: اِس نورانی عرش کا طواف کرو، میری تسبیح بیان کرو اور میرے عرش کو اٹھاؤ۔ چنانچہ انہوں نے عرش کا طواف کیا اور خدا کی تسبیح بیان کر کے اُسے اٹھانا چاہا، مگر نہ اُٹھا سکے۔ تو خدا نے اُن سے فرمایا:

اِس نورانی عرش کا طواف کرو، میرے حبیب محمد ﷺ کے نورِ جلال پہ درود بھیجو اور میرے عرش کو اٹھاؤ۔ تو انہوں نے عرشِ جلال کا طواف کیا اور حضرت محمد ﷺ پہ درود پڑھ کے

① (بحار الانوار: ۲۷/۱۱۵)

② (بحار الانوار: ۲۷/۱۱۵)

عرش کو اٹھانے کی کوشش کی تو اُن کے لیے اُسے اٹھانا آسان ہوگیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر انہوں نے بارگاہِ ربوبیت میں عرض کی: خدایا! تو نے خود ہی ہمیں اپنی تسبیح وتقدیس بیان کرنے کا حکم دیا تھا۔ اِس کے جواب میں خدا نے فرمایا: اے میرے ملائکہ! جب تم نے میرے حبیبؐ پہ درود پڑھا تو (گویا) تم میری تسبیح بھی کر دی، میری تقدیس بھی کر دی اور میری اُلوہیت کا اعلان بھی کر دیا۔ (۱)

۲۵- کتاب النشر والطی میں سرکارِ رضا ؑ سے روزِ غدیر کی فضیلت میں مروی ایک طویل خبر میں آیا ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: غدیر کے روز خدا نے سات آسمانوں کے ساکنین پہ ولایت کو پیش کیا تو سب سے پہلے ساتویں آسمان والوں نے اِسے قبول کیا۔ اس پر خدا نے ساتویں آسمان کو عرش سے مزین کر دیا۔۔۔ (۲)

۲۶- اہل بیت اطہار علیہم السلام کی مظلومیت کے بارے میں رسول خدا ﷺ سے ایک طویل حدیث میں نقل ہوا ہے۔ رسول خدا ﷺ شبِ معراج خدا سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: سیدہؑ کے دوسرے بیٹے مولا حسین ؑ کو امت جہاد کے لیے بلا کر بے دردی کے ساتھ شہید کر دے گی۔ امامؑ کے ہمراہ اُن کے بچوں اور خاندان کے دوسرے افراد کو بھی شہید کیا جائے گا۔ اُن کے اہل حرم کو بے حجاب کیا جائے گا۔ اس پر وہ مجھ سے مدد کا سوال کریں گے، مگر میں نے پہلے ہی اُن کے اور اُن کے ساتھیوں کے بارے میں شہادت کا فیصلہ کر لیا ہے۔

اُن کی شہادت آسمان وزمین کے دونوں اطراف میں موجود مخلوقات پر حجت ہوگا۔ تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوقات اُن کی مصیبت پر گریہ وفریاد کریں گی۔ اور وہ ملائکہ بھی آہ و نالہ کریں گے جو امام عالی مقامؑ کی نصرت نہ کر سکے گے۔ پھر میں امامؑ کی صلب سے ایک شخص کو پیدا کروں گا جس کے ذریعے تمہاری مدد کروں گا۔ اُس کی شبیہ اِس وقت میرے پاس عرش کے نیچے موجود ہے۔ (ایک دوسرے نسخہ میں ہے: پھر میں، امامؑ کی نسل سے ایک شخص کو پیدا کروں گا اور

(۱) (بحار الانوار: ۲۷/۱۰۹)

(۲) (بحار الانوار: ۲۷/۲۵۹؛ بصائر الدرجات: ۲۱)

www.shiabookspdf.com

اُس کے ذریعے امامؑ کا بدلہ لوں گا۔ اُس کی شبیہ ابھی میرے پاس عرش کے نیچے موجود ہے۔ وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا اور مظالم کی آگ کو انصاف کی ہوا کے جھونکوں سے بجھا دے گا۔ وہ جدھر جائے گا، میرا رعب اُس کے ساتھ ساتھ ہوگا۔

(اے نبیؐ!) آپؐ کا مقتول وتن تنہا بیٹا اور وہ جس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا اور مظلومیت کے ساتھ شہید کیا گیا۔ میں اِن دونوں سے اپنے عرش کو زینت دوں گا۔ اس کے علاوہ بھی میں انہیں اِن مصائب وشدائد کے صلے میں ایسی کرامت سے نوازوں گا کہ کوئی شخص اپنے دل میں اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اِسی طرح ہر اُس مخلوق کو بھی کہ جو اِس کی زیارت کے لیے آئے گا۔ کیونکہ اِس کی زیارت کرنے والا، آپؐ کی زیارت کرنے والا ہے اور آپؐ کی زیارت کرنے والا میری زیارت کرنے والا ہے۔ اور میرے زائرین کی کیا عزت وخاطرداری ہو سکتی ہے، وہ میرے ذمہ ہے۔ وہ جو بھی سوال کرے گا میں اُسے عطا کروں گا اور اُسے ایسی جزا دوں گا کہ جو بھی دیکھے گا اُسے رشک آ جائے گا کہ میں نے اُس کی کیسی عزت بڑھائی اور اُس کے لیے کیسے کیسے انعامات تیار کر کے رکھے۔

۲۷- ابوالہیثم بن التیہان انصاری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: خدا نے روحوں کو جسموں کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے خلق کیا اور انہیں عرش کے ساتھ معلق کر کے مجھ پہ درود وسلام بھیجنے اور میری اطاعت کا حکم دیا تو سب سے پہلے مردوں میں سے جس کی روح نے مجھ پہ سلام بھیجا اور میری اطاعت کی وہ علی ابن ابی طالب ؑ کی روح تھی۔ (۱)

۲۸- ایک خبر میں رسول خدا ﷺ سے مروی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو خدا کے عرش کو ہر چیز سے سجایا جائے گا۔ اِس کے بعد دو نورانی منبر لائے جائیں گے جن کی لمبائی سو میل ہوگی۔ اُن میں سے ایک عرش کی دائیں اور ایک بائیں جانب رکھ دیا جائے گا۔ پھر امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو لایا جائے گا اور اُن سے خدا کے عرش کو ایسے سجایا جائے گا جیسے عورت

(۱) (امالی شیخ مفید: ۱۲۵)

کے کانوں کے جھمکے اُس کے لیے باعثِ زینت ہوتے ہیں۔ [1]

۲۹۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی مروی ہے کہ حسن و حسین علیہما السلام عرش کے گوشوارے ہیں، مگر اُس کے ساتھ معلق نہیں۔

۳۰۔سہل بن سعد انصاری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس فرمانِ الٰہی: [وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا] کی تفسیر معلوم کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

خدا نے مخلوق کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک خوشبودار درخت کے پتے پر ایک تحریر لکھی۔ پھر اُسے عرش پہ رکھ کر ندا دی: اے امت محمدؐ! میری رحمت، میرے غضب پہ غالب ہے۔ میں تمہیں سوال کرنے سے پہلے عطا کروں گا اور استغفار کرنے سے پہلے ہی بخش دوں گا۔ پس تم میں سے جو بھی میرے پاس شہادتین (لا الہ الا انا و ان محمدا عبدی و رسولی) کے اقرار کے ساتھ آئے گا میں اُسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل کروں گا۔ [2]

۳۱۔حضرت جابر جعفیؒ سے مروی ہے، انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: ازل میں صرف خدا ہی تھا اور کچھ نہ تھا۔ تو سب سے پہلے خلق کی تخلیق کی ابتداء ایسے ہوئی کہ اُس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم اہل بیتؑ کو اپنے نورِ عظمت سے خلق کیا۔ پھر اُس نے ہمیں سبز سایوں کی صورت میں اپنے سامنے ٹھہرایا۔ اُس وقت آسمان تھا نہ زمین، نہ کوئی اور جگہ، نہ رات، نہ دن، نہ سورج اور نہ چاند۔

۳۲۔صفوان سے مروی ہے، انہوں نے صادق آلِ محمد علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ جب خدا آسمانوں اور زمینوں کو خلق کر کے اپنے عرش پہ متمکن ہوا تو اُس نے اپنے نور میں سے دو انوار کو حکم دیا تو انہوں نے عرش کے گرد ستر مرتبہ طواف کیا۔ پھر اُس ذات عزوجل نے فرمایا: یہ دونوں نور میرے حکم کے اطاعت کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اِس نور سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مولا علیؑ اور اُن کی اولاد میں سے برگزیدہ افراد کو پیدا کیا۔

[1] (خصائص حسینیہؑ: ۲۱۸؛ امالی شیخ صدوق: ۹۸؛ بحار الانوار: ۴۳/۲۹۱؛ المنتخب: ۱۵۷)

[2] (بحار الانوار: ۱۳/۱۲؛ عن ثواب الاعمال)

www.shiabookspdf.com

واضح رہے کہ ہمارے یہاں ایسی حدیث کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ لہٰذا اِن سے تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی عترتؑ ایسے بلند درجے پہ کس طرح جا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب مدارج درجۂ ربوبیت سے نیچے ہیں۔ اور یہ ذواتِ قدسی صفاتؑ اپنی معصوم زبانوں سے ارشاد فرما چکی ہیں:

نزلونا عن الربوبية و قولوا فينا ما شئتم و لن تبلغوا معشار عشر

ہمیں ربوبیت کے مقام سے نیچے رکھو، اِس کے بعد ہمارے بارے میں جو کہہ سکو کہو۔ تم دس کے دسویں حصے تک بھی نہ پہنچ پاؤ گے۔

اِس لیے یہ غلو نہیں ہے۔

یہاں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ علامہ مجلسیؒ نے شیخ مفیدؒ کا جو بیان بحار الانوار میں نقل کیا ہے، اُسے اپنے قارئین کے لیے ہدیہ کر دوں۔

وہ مسائلِ سرویہ کے جواب میں کہتے ہیں: جب اُن سے آئمہ معصومینؑ کی اشباح کے بارے میں روایات، اور روحوں کو حضرت آدمؑ کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے خلق کرنے، اُن کی تمام ذریت کو اُن کی صلب سے نکالنے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ارواح خدا کے آمادہ و تیار شدہ لشکر ہیں۔ ان میں جو ایک دوسرے سے مانوس ہوں وہ ایک دوسرے کو چاہتی ہیں اور جو باہم غیر مانوس ہوں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ہیں۔

شیخ مفید رضوان اللہ تعالیٰ اِن کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: جن اخبار میں اشباح کا ذکر آیا ہے اُن کے الفاظ باہم مختلف اور اُن کے معانی میں تضاد پایا جاتا ہے۔ غالیوں نے اُن روایات کو بنیاد بنا کر کئی ایک باطل عقیدے اختیار کر رکھے ہیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں انہوں نے اِن روایات سے اخذ کردہ معانی کی خود ہی تضحیک اڑائی ہے۔ انہوں نے اُس کتاب کے متون کی نسبت اہل حق کے بزرگان کی طرف دی بر باطل نظریات و افکار کو اُن کے سر تھوپا ہے۔

انہی میں سے ایک کتاب "الاشباح والاظلة" نام کی ہے۔ اِسے انہوں نے محمد بن سنان کی طرف منسوب کیا ہے۔ انہوں نے اِس حوالے سے جو باتیں ابن سنان کی طرف نسبت دے کر لکھی ہیں ہمارے پاس اُن کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، اگرچہ وہ اپنی جگہ صحیح ہی ہوں۔

اِس کے علاوہ محمد بن سنان پہ غالی ہونے کا الزام بھی ہے۔ اگر وہ اِس کتاب کی نسبت اُس کی طرف دینے میں سچے ہیں تو یہ ایک حق سے گمراہ شخص کے باطل افکار ونظریات کا پلندہ ہے۔ اور اگر انہوں نے اِس کی جھوٹی نسبت دی تو اِس کا سارا گناہ انہی کے سر ہے۔ اشباح کے حوالے سے جو روایت صحیح ہے، وہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان پہ کچھ اشباح دیکھیں جن کے نور میں بڑی چمک دمک تھی۔ حضرت آدمؑ نے خدا سے اُن کے متعلق سوال کیا تو خدا نے اُن کی طرف وحی کی کہ یہ محمد مصطفٰی، امیر المومنین، امام حسن، امام حسین اور جناب سیدہ کونین علیہم السلام کی اشباح ہیں۔

خدا نے انہیں بتایا کہ اگر یہ اشباح نہ ہوتیں کہ جنہیں انہوں نے دیکھا ہے تو خدا نہ انہیں خلق کرتا، نہ آسمان کو اور نہ زمین کو۔ خدا نے حضرت آدمؑ کے لیے یہ جو اشباح وصورتیں ظاہر کیں اِن کا مقصد انہیں یہ سمجھانا تھا کہ دین ودنیا کے مصالح انہیں ذواتِ مقدسہؑ کے ذریعے تمام ہوں گے۔ وہ اُس وقت نہ صورِ مجیبہ تھے اور نہ ارواحِ ناطقہ۔ وہ صرف اپنی بشری صورتوں کی مانند تھے۔ جو اِس بات کی جانب راہنمائی کر رہا تھا کہ مستقبل میں اُن کی ہیت وشکل کیسی ہوگی۔ خدا نے اُن صورتوں پر جو نور ظاہر کیا وہ اِس بات کو بیان کرتا ہے کہ دین کی نور انہی کی بدولت قائم وجلوہ فگن ہوگا اور حق کی شمع انہی کی حجتوں کے سہارے ضوفشانی کرے گی۔ روایت میں ہے کہ آئمہ طاہرینؑ کے اسماء عرش پہ لکھے ہوئے تھے۔

حضرت آدمؑ نے خدا کو اُن کے حق کا واسطہ دیا تو خدا نے اُن کی توبہ قبول کر لی۔ یہ عقل و شرع کے بالکل مطابق ہے۔ اِسے امین وصالح راویوں نے نقل کیا اور طائفہ حقہ کے علماء نے اس کی روایت کو تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا اس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ ①

① (بحار الانوار: ۵/۲۶۲)

۳۳۔ امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب خدا نے انہیں فرشتوں کے نام بتائے اور جنت میں داخل کر کے عزت وکرامت بخشی تو انہوں نے اپنے دل میں کہا: کیا خدا نے کوئی ایسا انسان بھی خلق کیا جو مجھ سے افضل ہو۔ خدا نے اُن کے دل میں آنے والے خیال کو جان لیا اور بلند آواز میں مخاطب کر کے کہا: اے آدمؑ! اپنا سر اٹھاؤ اور میرے عرش کے پائے کی جانب دیکھو۔ انہوں نے سر اٹھا کر ساقِ عرش پہ دیکھا تو وہاں یہ تحریر لکھی ہوئی تھی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ عَلِيُّ ابْنُ اَبِي طَالِبٍ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ زَوْجَتُهٗ سَيِّدَةُ نِسَاۗءِ الْعَالَمِيْنَ وَ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

انہوں نے پوچھا: اے پروردگار! یہ کون لوگ ہیں؟ آوازِ قدرت آئی: یہ تیری ذریت سے ہیں مگر تجھ سے اور میری ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے خلق نہ کرتا، اور نہ ہی جنت وجہنم اور آسمان وزمین کو۔ خبردار! کہیں انہیں حسد کی نگاہ سے نہ دیکھنا، ورنہ میں تجھے اپنے جوار سے نکال دوں گا!

www.shiabookspdf.com

لیکن حضرت آدمؑ نے انہیں حسد کی نگاہ سے دیکھ لیا اور اُن کا مقام ومرتبہ حاصل کرنے کی خواہش کی تو اُن پر شیطان نے تسلط حاصل کر لیا حتیٰ کہ وہ شجرہ ممنوعہ کو کھا بیٹھے۔ اور حضرت حواءؑ نے جناب سیدہؑ کی جانب نگاہِ حسد سے دیکھا اور شیطان اُن پہ بھی تسلط جمالیا۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کی طرح انہوں نے بھی شجرہ ممنوعہ کا پھل کھا لیا۔ اِس پر خدا نے اُن دونوں کو جنت سے نکالا اور اپنے جوار سے ہٹا کر نیچے زمین پہ بھیج دیا۔ ①

۳۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب خدا نے حضرت آدم وحواءؑ کی توبہ قبول کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرائیلؑ اُن کے پاس آئے اور کہا: تم دونوں نے اپنے سے افضل ہستیوں کے مرتبے کی تمنا کر کے اپنے آپ پہ ظلم کیا ہے۔ تمہارے اِس ترکِ اَولیٰ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہیں خدا کے جوار سے نکال کر زمین پہ بھیج دیا گیا۔ اب تم انہی اسماء کا واسطہ دے کر خدا سے سوال کرو جنہیں تم نے ساقِ عرش پہ دیکھا تھا تا کہ وہ تمہاری توبہ قبول کر لے۔

① (عیون الاخبار: ۱۷۰)

اِس پر انہوں نے یوں دعا کی:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ الْأَكْرَمِينَ عَلَيْكَ، مُحَمَّدٍ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَالْأَئِمَّةِ إِلَّا تُبْتَ عَلَيْنَا وَرَحِمْتَنَا۔

"اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے مکرم بندوں محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین اور دوسرے آئمہ طاہرینؑ کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ ہماری توبہ قبول کر اور ہم پہ رحم فرما"۔

تو خدا نے اُن کی توبہ قبول کر لی۔ بلاشبہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ [1]

۳۵۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ایک حدیث میں آیا ہے: جب خدا نے فرشتوںؑ سے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرایا اُن کے دل میں خود پسندی آ گئی۔ انہوں نے پوچھا: اے پروردگار! کیا تو نے مجھ سے پیاری بھی کوئی مخلوق پیدا کی ہے؟ تو خدا نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوبارہ سوال کیا تو بھی خدا نے جواب نہ دیا۔ انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا تو بھی خدا کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ جب انہوں نے چوتھی بار سوال کیا تو خدا نے فرمایا: ہاں۔ اگر میں انہیں خلق نہ کرتا تو تجھے بھی خلق نہ کرتا۔

حضرت آدمؑ نے عرض کی: پروردگار! میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اِس پر خدا نے حجابوں کے فرشتوں کو وحی کی کہ حجابات کو اٹھاؤ۔ انہوں نے حجابات اٹھائے تو حضرت آدمؑ نے عرش کے سامنے پانچ اشباح دیکھے۔ انہوں نے خدا سے سوال کیا: اے میرے ربّ! یہ کون لوگ ہیں؟ آوازِ قدرت آئی: اے آدمؑ! یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہیں، یہ علی امیر المومنینؑ، نبیؐ کے چچا زاد اور وصی ہیں، یہ فاطمہؑ، میرے نبیؐ کی صاحبزادی ہیں، یہ حسن و حسین علیہما السلام علیؑ کی صلب سے نبیؐ کے بیٹے ہیں۔

اِس کے بعد خدا نے فرمایا: اے آدمؑ! یہ تمہاری نسل سے ہوں گے۔ اِس پر حضرت آدمؑ خوش ہو گئے۔ پھر جب اُن سے ترکِ اُولیٰ سرزد ہوا تو یہ دعا کی: اے رب! میں تجھے محمد، علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں، مجھے بخش دے۔ تو خدا نے

[1] (بحار الانوار: ۲۶/ ۳۲۲؛ معانی الاخبار: ۳۷)

www.shiabookspdf.com

اُنہیں ترکِ اَولیٰ سے معافی دے دی۔ اِسی بات کا ذکر کرتے ہوئے خدا ارشاد فرماتا ہے:

[فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ] جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پہ اترے تو ایک انگوٹھی بنائی اور اُس پہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَعَلِيٌّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ نقش کیا۔

حضرت آدمؑ کو ابو محمدؐ کی کنیت سے بلایا جاتا تھا۔ [1]

۳۶۔حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا نے مجھے، علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کو دنیا کی تخلیق سے سات ہزار سال پہلے خلق کیا۔

معاذ کہتے ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہؐ! تو اُس وقت آپؐ کہاں رہتے تھے؟ فرمایا: ہم عرش کے سامنے خدا کی تسبیح وحمد اور تقدیس وتمجید میں مشغول رہتے تھے۔

راوی کہتا ہے: میں نے کہا: اُس وقت آپؐ کس صورت میں تھے۔ فرمایا: ہم اُس وقت نوری اشباح کی صورت میں تھے۔ حتیٰ کہ خدا نے ہمارے پیکر خلق کرنے کا ارادہ کیا اور ہمیں نوری عمود کی صورت میں بنایا۔ پھر اُس نے ہمیں حضرت آدمؑ کی صلب میں رکھا۔ اور اِس کے بعد آباء کے اصلاب اور ماؤں کے ارحام سے نکالا۔ ہمیں کبھی شرک کی نجاست اور کفر کی آلودگی نے نہیں چھوا۔ ہماری وجہ سے کچھ لوگ سعادت مند ہوتے ہیں اور کچھ شقی۔

جب ہم حضرت عبد المطلبؑ کے صلب میں پہنچے خدا نے اِس نور کو اُن کی صلب سے نکال کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اُس کا ایک حصّہ حضرت عبد اللہ علیہ السلام کے صلب میں اور ایک حضرت ابو طالب علیہ السلام کے صلب میں رکھا۔ پھر میرے حصّے والے نور کو حضرت آمنہؑ کی طرف منتقل کیا اور دوسرے نصف کو جناب فاطمہ بنت اسدؑ کی طرف منتقل کر دیا۔ حضرت آمنہؑ سے مجھے اور جناب فاطمہ بنت اسدؑ سے علیؑ کو پیدا کیا۔ پھر اللہ اُس نوری عمود کو دوبارہ میری طرف پلٹایا اور مجھ سے جناب سیدہؑ پیدا ہوئیں۔ پھر خدا نے اُس عمود کو علیؑ کی طرف پلٹایا اور اُن سے امام حسن و امام حسین علیہما السلام پیدا ہوئے۔ پھر جو علیؑ کا نور تھا وہ امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں چلے گا اور جو میرا نور تھا امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں چلے گا اور قیامت تک آنے والے آئمہ طاہرینؑ میں منتقل ہوتا

[1] (بحار الانوار: ۱۱/ ۱۷۵)

رہے گا۔ (1)

۳۷۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، انہوں نے رسول خدا ﷺ سے معراج کے واقعہ میں ایک طویل خبر میں نقل کیا ہے۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے میرے رب کے ملائکہ! کیا تم ہماری معرفت اُس طرح رکھتے ہو جیسے معرفت رکھنے کا حق ہے؟ انہوں نے کہا: یا نبی اللہؐ! ہم آپؐ کو کیوں نہ پہچانیں، جبکہ آپؐ خدا کی سب سے پہلی مخلوق ہیں۔ خدا نے آپؐ کو اپنی سنائے نور، سنائے ملک اور اپنے عزت وعظمت والے وجہ کے نور سے نوری اشباح کی صورت میں خلق کیا۔ آپؐ کے لیے اپنی ملکوت سلطنت میں ٹھہرنے کے مقامات بنائے۔ پیوستہ آسمانوں اور پھیلی ہوئی زمین سے قبل اُس کا عرش پانی پہ تھا۔

پھر اُس نے آسمانوں اور زمین کو چھے ایام میں خلق کیا۔ اِس کے بعد اُس نے اپنے عرش کو ساتویں آسمان پہ بلند کیا اور اُس پہ اپنا اقتدار قائم کیا۔ آپؐ عرش کے سامنے خدا کی تسبیح وتقدیس اور بڑائی بیان کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے کو ظاہر کرتے ہوئے ملائکہ کو مختلف قسم کے انوار سے خلق کیا۔ ہم تمہارے پاس سے گزرتے تھے اور تم خدا کی تسبیح، حمد، تہلیل، تکبیر، بڑائی اور تقدیس بیان کرتے تھے تو تم سے سیکھ کر ہم بھی اُس کی تسبیح وتقدیس، تمجید وتکبیر اور تہلیل بیان کرتے تھے۔ خدا کی طرف سے جو بھی نازل ہوا وہ آپؐ کی طرف آیا اور خدا کی طرف جو بھی گیا وہ آپؐ کی جانب سے گیا۔ تو ہم آپؐ کو کس طرح نہ پہچانیں۔ اچھا آپؐ مولا علیؑ کو ہمارا سلام کہہ دیجیے گا۔ (2)

۳۸۔ حضرت انس سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جب خدا نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو میرے نور کو کھولا اور اُس سے عرش کو خلق کیا۔ لہٰذا عرش میرے نور سے ہے اور میرا نور خدا کے نور سے ہے۔ میرا نور عرش کے نور سے افضل ہے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت انس سے مروی ہے، اُن کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے عرض کی: یا رسولؐ اللہ! کیا مولا علیؑ آپؐ کے بھائی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جی ہاں!

(1) (بحار الانوار: ۱۵/۸؛ علل الشرائع: ۸۰)

(2) (بحار الانوار: ۱۵/۸؛ تفسیر فرات: ۱۳)

www.shiabookspdf.com

علیؑ میرے بھائی ہیں۔ میں نے کہا: یا رسولؐ اللہ! ہمیں بتایئے کہ وہ کس طرح آپؐ کے بھائی ہیں؟

تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے تین ہزار سال قبل عرش کے نیچے پانی کو خلق کیا اور اُسے حضرت آدمؑ کی تخلیق تک اپنے علم کی گہرائی میں سبز رنگ کے موتی میں بند کیے رکھا۔ پھر جب حضرت کی تخلیق ہوئی تو اُس پانی کو وہاں سے اٹھا کر حضرت آدمؑ کی صلب میں جاری کیا۔ پھر وہ پانی اُن کی وفات تک اُن کی صلب میں ہی رہا۔ اِس کے بعد اُسے حضرت شیثؑ کی صلب میں رکھ دیا۔

پھر وہ اِسی طرح ایک سے دوسری پشت میں منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ حضرت عبد المطلبؑ کی صلب مبارک میں پہنچ گیا۔ پھر خدا نے اُسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ آدھا میرے بابا جناب عبد اللہ بن عبد المطلبؑ کی صلبِ اطہر میں اور آدھا سرکار ابو طالبؑ کی صلب مبارک میں۔ لہٰذا اُس پانی کے آدھے حصّے سے میری تخلیق ہوئی اور آدھے سے علی علیہ السلام کی۔ اِس لیے وہ دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے۔ اِس کے بعد رسول خدا ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝

(اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے ایک باعظمت انسان کو خلق کیا۔ پھر اُس کا نسب وسسرال بنایا۔ اور تمہارا رب بڑا صاحب قدرت ہے۔) (1)(2)

۳۹۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے مولائے کائنات علی علیہ السلام سے فرمایا: جب خدا نے حضرت آدمؑ کو خلق کیا اور اُن میں اپنی روح پھونک کر انہیں فرشتوں سے سجدہ کرایا، جنت میں سکونت عطا اور اپنے کنیز جناب حواؑ سے اُن کا نکاح کیا۔ تو انہوں نے نظر اٹھا کر عرش کی جانب دیکھا تو انہیں پانچ سطریں لکھی ہوئی دکھائی دیں۔ انہوں

(1) (سورۃ الفرقان آیت: ۵۴)

(2) (بحار الانوار: ۱۵/۱۴؛ امالی ابن شیخ: ۱۹۷)

نے عرض کی: اے میرے پروردگار! یہ کون ہیں؟ خدا نے جواب دیا: یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جب میری مخلوق میری بارگاہ میں انہیں اپنا شفیع بنائے تو اِن کی شفاعت قبول کرتا ہوں۔ حضرت آدمؑ نے کہا: خدایا! تجھے اپنے دربار میں اِن کی عزت کا واسطہ! مجھے بتا اِن کے نام کیا ہیں؟

تو ارشاد ہوا: اِن میں جو پہلے ہیں، اِن کی مجھ سے نسبت ایسی ہے کہ میں محمود ہوں اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، دوسرے کی ایسے کہ میں عالیٔ اعلیٰ ہوں اور یہ علیؑ ہیں، تیسرے کی یوں کہ میں فاطر ہوں اور یہ فاطمہؑ، چوتھے کی اِس طرح کہ میں محسن ہوں اور یہ حسنؑ ہیں۔ اور پانچوں کی ایسے کہ میں احسان کرنے والا ہوں اور یہ حسینؑ ہیں۔ یہ سب اپنے خدائے عز وجل کی حمد بیان کرتے ہیں۔ ①

بحار الانوار کے کتاب الامامۃ میں اِس مضمون کی احادیث کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

۴۰- امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے کہ خداوند عالم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرش کے نیچے ایک جوہر کی طینت سے خلق کیا۔

آپؑ سے ہی مروی ہے کہ خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی عترتِ طاہرہؑ کو عرش کی طینت سے خلق کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ اُن میں کوئی ایک کم ہوسکتا ہے اور نہ زیادہ۔

www.shiabookspdf.com

واضح رہے کہ اِس باب کی روایات میں باہم کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا عرش سے پہلے اُن کی تخلیق انوارِ مجردہ ومقدسہ کے طور پر ہوگی۔ اور عرش کے نیچے کی طینت سے اُن کی تخلیق اُس مخلوقِ لطیف کے طور پر ہوگی کہ جو اُن عوالم سے مناسبت رکھتی ہے۔ یہ دنیا اور عالم سفلیٰ کی تخلیق سے پہلے ہے۔

۴۱- امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک جنیہ (بھوتنی) کی روایت میں آیا ہے جس نے (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں) ابلیس کو یہ دعا مانگتے ہوئے دیکھا:

اے خدا! اگر تو اپنی قسم کو پورا کردے اور مجھے واصل جہنم کردے تو میں تجھ سے محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں مجھے جہنم سے بچالے اور مجھے اِن مقدس ہستیوں کے ساتھ محشور فرما۔

① (بحار الانوار: ۱۵/۱۴؛ معانی الاخبار: ۲۱)

وہ جنیہ کہتی ہے: میں نے اُس سے کہا: اے حارث! یہ تو کن ناموں کو وسیلہ بنا کر دعا کر رہا ہے؟ تو اُس نے مجھ سے کہا: میں ان ناموں کو حضرت آدمؑ کی تخلیق سے سات ہزار سال پہلے ساقِ عرش پہ لکھا ہوا دیکھا تھا۔ وہاں سے یہ بات میرے دماغ میں بیٹھ گئی یہ ہستیاںؑ خدا کی بارگاہ میں یقیناً بہت بلند مقام کی حامل ہیں۔ اِس لیے اب میں اِن کے حق کا واسطہ دے کر سوال کر رہا ہوں۔

اُس جنیہ کی بات سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تمام اہل زمین خدا کو اِن ناموںؑ کی قسم دیں تو وہ قبول کرلے گا۔ ①

۴۲- کنز الفوائد میں جارود بن منذر عبدی کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے اور معراج کے قصہ میں آیا ہے۔ جارود کہتا ہے: میں نے کہا: یا رسول اللہؐ! خدا آپؐ پہ مزید کرم کرے، مجھے اُن اسماء کے بارے میں کچھ بتائیے کہ جنہیں ہم نے دیکھا تو نہیں مگر ہمارے پادری نے اُن کے بارے میں بتایا ضرور ہے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: اے جارود! جس رات مجھے آسمان پہ معراج کے لیے لے جایا گیا تو خدائے عز وجل نے میری طرف وحی کی کہ آپؐ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے ہیں اِن سے پوچھیں کہ یہ کس شرط پہ نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں؟

چنانچہ میں نے اُن سے پوچھا: تمہیں کس شرط پہ نبی بنا کر مبعوث کیا گیا ہے؟

تو انہوں نے جواب دیا: آپؐ کی نبوت، آپؐ کے بھائی علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور آپ دونوں سے ہونے والے آئمہ طاہرینؑ کی ولایت پر۔

پھر میری طرف وحی ہوئی کہ عرش کی دائیں جانب دیکھیں۔ جب میں نے دیکھا تو وہاں علی، حسن، حسین، علی ابن الحسین، محمد بن علی، جعفر بن محمد، موسیٰ بن جعفر، علی بن موسیٰ، محمد بن علی، علی بن محمد، حسن بن علی اور مہدی عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ نور کی گہرائی میں محوِ عبادت تھے۔

پھر رب تعالیٰ نے مجھ سے کہا: یہ حجتیں میرے اولیاء ہیں اور یہ (مہدیؑ) میرے دشمنوں سے انتقام لینے والے ہیں۔

① (بحار الانوار: ۱۸/۸۳؛ خصال: ۲/۱۷۱)

جارود کہتا ہے کہ یہ واقعہ سن کر سلمانؓ نے مجھ سے کہا: اے جارود! واقعاً اِن ہستیوں کا ذکر تورات، انجیل اور زبور میں اِسی طرح موجود ہے۔ [1]

۴۳۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے آباء اطہارؑ کے واسطہ سے امام حسین علیہ السلام سے نقل کیا ہے، آپؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نانا رسول خدا ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ جس رات میرے رب نے مجھے معراج کرائی اُس رات میں نے عرش کے درمیان ایک فرشتے کو دیکھا جس نے اپنے ہاتھ میں نور کی تلوار اٹھائی ہوتی تھی اور وہ اُس سے ایسے کھیل رہا تھا جیسے علی بن ابی طالبؑ ذوالفقار سے کھیلتے ہیں۔ اور جب فرشتے علیؑ کو دیکھنے کے مشتاق ہوتے ہیں تو اُس فرشتے کو دیکھتے ہیں۔

میں نے پوچھا: اے میرے رب! یہ میرا بھائی علی ابن ابی طالبؑ، میرا چچا زاد، یہاں کہاں؟ تو خدا نے فرمایا: اے محمدؐ! یہ فرشتہ ہے۔ میں نے اِسے علیؑ کی شکل کا بنایا ہے۔ یہ عرش کے وسط میں میری عبادت کرتا ہے۔ اِس کی نیکیاں اور تسبیح و تقدیس قیامت تک علی ابن ابی طالبؑ کے لیے لکھی جاتی رہے گی۔ [2]

۴۴۔ حضرت ابوبصیرؓ سے مروی ہے، انہوں نے صادقِ آلِ محمدؐ سے اور آپؑ نے اپنے آباء کرامؑ کے واسطہ سے مولائے متقیانؑ سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا: یا علیؑ! جب مجھے آسمان پہ معراج کے لیے لے جایا گیا تو ہر آسمان پر فرشتوں نے بشارتوں کے ساتھ مجھ سے ملاقات کی۔ حتیٰ کہ جبرائیل امینؑ فرشتوں کی محفل میں مجھ سے ملے اور کہا:

لَوِاجْتَمَعَتْ اُمَّتُكَ عَلٰى حُبِّ عَلِيٍّ مَا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ النَّارَ

اگر آپؐ کی امت علی علیہ السلام کی محبت پہ جمع ہو جاتی تو خدا جہنم نہ بناتا۔

یا علیؑ! خدا نے سات مقامات پہ آپؑ کو میرے ساتھ رکھا تا کہ میں آپؑ سے مانوس رہوں۔ پہلا مقام وہ رات ہے کہ جس میں مجھے آسمان پہ معراج کے لیے لے گئے۔ وہاں جبرائیلؑ نے مجھ سے کہا: اے محمدؐ! آپؐ کے بھائی کہاں ہیں؟ میں نے کہا: میں انہیں اپنے پیچھے چھوڑ آیا

[1] (بحار الانوار: ۲۶/۳۰۱؛ کنز الفوائد: ۲۵۶)

[2] (بحار الانوار: ۱۸/۳۵۴؛ عیون الاخبار: ۲/۷۲)

www.shiabookspdf.com

ہوں۔ تو جبرائیلؑ نے کہا: خدا سے دعا کیجیے کہ وہ انہیں آپؐ کے پاس پہنچا دے۔ میں نے دعا کی تو آپؑ کی شبیہ میرے پاس آ گئی۔ جب ملائکہ صفوں میں کھڑے تھے تو میں نے کہا: اے جبرائیلؑ یہ کون ہیں؟ تو جبرائیلؑ نے کہا: یہ وہ ہیں جن پہ خدا قیامت کے دن فخر و مباہات کرے گا۔ چنانچہ میں اُن کے قریب گیا تو انہوں نے گزشتہ اور قیامت تک کی تمام باتیں بیان کر دیں۔

دوسرا مقام وہ ہے کہ جب مجھے عرش کے مالک کے پاس معراج کے لیے لے جایا گیا تو جبرائیلؑ نے مجھ سے کہا: اے محمدؐ! آپؐ کے بھائی کہاں ہیں؟ میں نے کہا: میں انہیں اپنی جگہ چھوڑ کے آیا ہوں۔ جبرائیلؑ نے کہا: خدا سے دعا کریں وہ انہیں یہاں پہنچا دے گا۔ تو میں نے خدا سے دعا کی اور آپؑ کی ایک شبیہ میرے پاس آ گئی۔ پھر خدا نے میرے سامنے سے ساتوں آسمانوں کے پردے ہٹا دیے حتیٰ کہ میں نے اُن کے مکینوں و مکانات، غرض ہر فرشتے کے مقام کو دیکھ لیا۔ جب میں نے مقام سدرہ کو عبور کیا اور ربُّ العالمین کے عرش کے پاس پہنچا تو دیکھا، اُس کے پایوں پر یہ تحریر لکھی ہوئی تھی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِي مُحَمَّدٌ حَبِيْبِي وَ صَفْوَتِي مِنْ خَلْقِي اَيَّدْتُهٗ بِوَزِيْرِهٖ وَ اَخِيْهِ وَ نَصَرْتُهٗ بِهٖ

"مجھ خدائے واحد کے علاوہ کوئی بھی بندگی کے لائق نہیں، حضرت محمد ﷺ میرے حبیب و برگزیدہ مخلوق ہیں۔ میں اُن کی تائید و نصرت اُن کے وزیر و بھائی سے کی ہے"۔ [1]

۴۵۔ اِسی معراج والی حدیث میں اِس فرمانِ خدا: ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ..... اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى کے ضمن ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

پھر مجھے اوپر لے جایا گیا حتیٰ کہ میں عرش کے نیچے پہنچ گیا۔ وہاں رُفرفِ اخضر میرے پاس آیا۔ وہ اِس قدر عمدہ اور نفیس تھا کہ میں اُس کا کیا ہی کروں۔ پھر خدا کے اذن سے مجھے رفرف نے اٹھایا اور مجھے میرے رب کے پاس پہنچا دیا۔ چنانچہ میں خدا کے پاس پہنچ گیا اور مجھے فرشتوں کی

[1] (بحار الانوار: ۱۸/۳۸۹)

آوازیں اور عبادات و اذکار سنائی دینا بند ہو گئے۔ مجھ سے ہر قسم کا رعب و خوف ختم ہو گیا اور میرا دل مطمئن و مسرور ہو گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ تمام مخلوقات مر گئی ہیں۔ وہاں میں اپنے پاس کوئی دوسری مخلوق نہیں دیکھی۔ پھر جس قدر خدا کی مرضی تھی اُس نے مجھے اِسی حالت میں چھوڑ دیا۔ [1]

۴۶- اِسی حدیث معراج میں رسول خدا ﷺ سے مروی ہے، آپؐ فرماتے ہیں کہ جب میں سدرہ سے گزر کر خدا کے عرش کے پاس پہنچا تو اُس کے ہر پائے پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

"مجھ خدائے واحد کے علاوہ کوئی بھی بندگی کے لائق نہیں، حضرت محمد ﷺ میرے حبیب و برگزیدہ مخلوق ہیں۔ میں نے اُن کی تائید و نصرت اُن کے وزیر و بھائی سے کی ہے"۔ [2]

اِن روایات میں باہم ہرگز کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ یہ مناظر کئی بار دیکھے گئے ہیں اس لیے تحریروں کے الفاظ مختلف ہیں۔ یہ سب باتیں ولایت کی عظمت، اس کے دین کو کامل کرنے اور نبوت کا امتداد ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

۴۷- ایک حدیث میں آیا ہے کہ مولا علی علیہ السلام نے اُٹھ کر فرمایا: یارسولؐ اللہ! ذرا لوگوں کو بتائیے کہ میرا نسب کیا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ میری آپؐ سے کیا قرابت ہے؟ تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا: یا علیؑ! مجھے اور آپؐ کو نور کے دو عمودوں سے خلق کیا گیا جو عرش کے نیچے معلق تھے۔ وہ مخلوق کی پیدائش و آفرینش سے دو ہزار سال پہلے سے خدا کی پاکی بیان کرتے تھے۔ پھر خدا نے اُن دو عمودوں سے دو بیضوی اور باہم لپٹے ہوئے نطفے خلق کیے۔ پھر خدا نے اُن نطفوں کو مقدس صلبوں سے پاک پاکیزہ رحموں میں منتقل کیا۔ حتیٰ کہ اُن کا نصف جناب عبداللہ علیہ السلام کی صلب میں اور نصف جناب ابوطالب علیہ السلام کی صلب میں رکھا۔ اُس کی ایک جزو سے میں اور ایک جزو سے آپؐ ہیں۔ یہی اس فرمانِ الٰہی کی تفسیر ہے: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝

[1] (بحار الانوار: ۱۸/ ۳۹۵)

[2] (بحار الانوار: ۱۸/ ۲۰۸)

یا علیؑ! آپؐ مجھ سے اور میں آپؐ سے ہوں۔ آپؐ کا گوشت و خون میرے گوشت و خون کے ساتھ مخلوط ہے۔ آپؐ میرے بعد خدا اور اُس کی مخلوق کے مابین متصل سبب ہیں۔ جس نے آپؐ کی ولایت کا انکار کیا اُس نے اپنے اور خدا کے مابین سبب کاٹ دیا اور جہنم کے نچلے طبقوں میں خود کو گرا دیا۔ یا علیؑ! خدا کی معرفت مجھ سے اور پھر آپؐ ہی سے ممکن ہے۔ جس نے آپؐ کی ولایت کا انکار کیا اُس نے خدا کے رب ہونے کا انکار کیا۔

یا علیؑ! آپؐ میرے بعد زمین میں خدا کا سب سے بڑا علَم ہیں۔ آپؐ قیامت میں سب سے بڑا ستون ہوں گے۔ جو آپؐ کے سائے میں آیا وہ کامیاب ہوگا۔ کیونکہ مخلوقات کا حساب آپؐ کے پاس اور اُن کا پلٹاؤ آپؐ ہی کی طرف ہوگا۔ میزان اصل میں آپؐ کا میزان ہے، پل صراط، آپؐ کا پل صراط ہے، موقف، آپؐ کا موقف ہے اور حساب آپؐ کا حساب ہے۔ جو آپؐ کی طرف آئے وہ نجات پائے گا اور جو آپؐ کی مخالفت کرے وہ جہنم میں گرے گا اور ہلاک ہوگا۔ اے خدا! گواہ رہنا، اے خدا! گواہ رہنا۔ اِس کے بعد آپ منبر سے نیچے آ گئے۔ [1]

www.shiabookspdf.com

۴۸- امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر شب جمعہ خدا کے اَولیاء کے لیے سرور کا موقع آتا ہے۔

راوی کہتا ہے: میں نے عرض کی: قربان جاؤں! بھلا وہ کیسے؟ فرمایا: جب شب جمعہ آتی ہے تو رسول خدا ﷺ عرش پہ جاتے ہیں اور میں بھی اُن کے ساتھ وہاں پہنچ جاتا ہوں۔ میں وہاں سے نئے علم کے ساتھ واپس آتا ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا ہے تو جو علم ہمارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا۔ [2][3]

۴۹- حضرت ابوبصیرؒ سے روایت ہے، انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو حضرت محمد ﷺ کو بلایا جائے گا۔ اور انہیں ایک سرخ رنگ کا حلہ پہنا کر عرش کی دائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور

[1] (بحار الانوار: ۲۲/ ۱۴۸؛ سلیم بن قیس الہلالی: ۲۱۵)

[2] (بحار الانوار: ۲۲/ ۵۵۲؛ الاختصاص: ۳۱۲)

[3] جو وضاحت تیرہویں حدیث کے ذیل میں گزری ہے، وہی اِس حدیث کی بھی ہوگی۔ (از مترجم)

انہیں سفید رنگ کا حلہ پہنا کر عرش کی بائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا۔ پھر مولا علی ؑ کو بلایا جائے گا اور انہیں سرخ رنگ کا حلہ پہنا کر نبی ﷺ کی دائیں طرف کھڑا کیا جائے گا۔

پھر حضرت اسماعیل ؑ کو بلایا جائے گا اور انہیں سفید رنگ کا حلہ پہنا کر حضرت ابراہیم کی بائیں طرف کھڑا کیا جائے گا۔ پھر حضرت امام حسن ؑ کو بلایا جائے انہیں سرخ رنگ کا حلہ پہنا کر مولا علی ؑ کی دائیں طرف کھڑا کیا جائے گا۔ پھر دوسرے آئمہ طاہرینؑ کو بلا کر انہیں سرخ حلے پہنائے جائیں گے اور اُن میں سے ہر ایک کو دوسرے کی دائیں طرف کھڑا کیا جائے گا۔ پھر شیعوں کو بلایا جائے گا تو وہ اُن کے آگے کھڑے ہو جائیں گے۔ پھر جناب سیدہؑ اور اُن کی ذریت وشیعوں کی خواتین کو بلایا جائے گا اور بغیر حساب و کتاب جنت میں جائیں گی۔ پھر اللہ رب العزت کی طرف سے عرش کے وسط سے ایک منادی نداء دے گا: اے محمدؐ! بہتر بابا آپؐ کے ہیں اور وہ حضرت ابراہیم ؑ ہیں، سب سے بہترین بھائی آپ کے ہیں اور وہ علی ابن ابی طالب ؑ ہیں، سب سے بہترین سبط آپؐ کے ہیں جو کہ حسن وحسین ؑ ہیں۔ بہترین جنین، آپؐ کے ہیں اور وہ جناب محسن ؑ ہیں۔ سب سے اعلیٰ آئمہؑ راشدینؑ آپؐ کی ذریت سے ہیں اور وہ فلاں، فلاں ہیں۔ اور بہترین شیعہ، آپؐ کے شیعہ ہیں۔

خبردار! تمام اہل محشر سن لیں کہ حضرت محمد ﷺ، آپؐ کے وصی اور سبطینؑ ہی کامیابی پانے والے ہیں۔ پھر انہیں جنت میں لے جایا جائے گا۔ یہی اِس فرمانِ خدا کی تفسیر ہے:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۔ [1]

۵۰- نبی کریم ﷺ سے مروی ایک خبر میں آپؐ سے سوال کیا گیا کہ فردوسِ اعلیٰ میں آپؐ اور مولا علی ؑ کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا؟ فرمایا: ایک فتر یا اِس سے کم۔ یعنی وہ فاصلہ جو انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کو کھولتے ہوئے بنتا ہے۔ میں اور علیؑ پروردگارِ عالم کے عرش کے نور سے ہیں۔ علیؑ رب کی کرسی کے نور سے بنی ہوئی کرسی پہ ہوں گے۔ نہیں معلوم اُس وقت ہم میں سے کون خدا کے زیادہ قریب ہوگا۔

۵۱- اعمش نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباسؓ ۔ اور اسی طرح سرکار رضا ؑ

[1] (بحار الانوار: ۲۳/۱۳۱؛ تفسیر قمی: ۱۱۶)

www.shiabookspdf.com

نے اپنے آباءِ کرامؑ سے نقل کیا ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ قیامت میں ہم چار کے علاوہ کوئی بھی سوار نہ ہوگا: میں دابۃ اللہ (یعنی) براق پہ سوار ہوں گا، میرے بھائی حضرت صالح ؑ ناقۃ اللہ پہ سوار ہوں گے جس کی ٹانگیں کاٹی گئیں، میرے چچا جناب حمزہؓ میری ناقہ غضباء پہ سوار ہوں گے اور میرے بھائی علی ابن ابی طالب ؑ جنتی ناقاؤں میں سے ایک ناقہ پہ سوار ہوں گے۔ اُن کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔ وہ عرش کے سامنے کھڑے ہو کر یہ نداء دیں گے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

یہ دیکھ کر لوگ کہیں گے: یہ کوئی مقرب فرشتہ یا فرستادہ رسولؐ یا رب العالمین کے عرش کا اٹھانے والا ہے۔ تو عرش کے وسط سے ایک فرشتہ اُن سے کہے گا: یہ نہ مقرب فرشتہ ہے، نہ فرستادہ رسولؐ اور نہ ہی حاملِ عرش ہے۔ یہ صدیق اکبر ہے یہ علی ابن ابی طالبؑ ہے۔

اِس روایت کو خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ابو ہریرہ سے اپنی اسناد کے ساتھ نقل کیا اور شیخ ابو جعفر طوسی نے امالی میں ہارون الرشید سے اپنی اسناد کے ساتھ، اُس نے مہدی سے اُس نے منصور سے، اور اُس نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس سے۔ مگر انہوں نے جناب حمزہؓ کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اُن کی جگہ جناب سیدہؑ کا نام لیا ہے۔ [1]

۵۲- شہاب بن عبدربہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق ؑ کی زبان مبارک سے سنا، آپؑ نے فرمایا: اے شہاب! ہم شجرۂ نبوت ومعدن رسالت ہیں۔ ہمارے پاس فرشتوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ہم خدا کا عہد و پیمان ہیں۔ ہم خدا کی محبت اور حجت ہیں۔ ہم عرش کے گرد صفوں کے انوار تھے۔ ہم تسبیح کرتے تو ہمیں سن کر آسمان والے بھی خدا کی تسبیح کرنے لگتے۔ یہاں تک کہ اُس نے ہمیں زمین پہ بھیج دیا۔ پھر ہم نے زمین پہ خدا کی تسبیح کی تو ہمارے ساتھ تمام زمین والوں نے تسبیح کی۔ بے شک ہم صف باندھنے والے ہیں اور ہم ہی خدا کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں۔ تو جس نے ہمارے عہد کو پورا کیا درحقیقت اُس نے خدا کے عہد و پیمان کو پورا کیا۔ اور جس نے ہمارے ساتھ عہد شکنی کی اُس نے خدا کے عہد و پیمان کو توڑ دیا۔

[1] (بحار الانوار: ۳۹/۲۲۳)

۵۳- مولا امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا: بے شک ہم آلِ محمدؐ عرش کے گرد انوار کی صورت میں تھے تو خدا نے ہمیں اپنی تسبیح بیان کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم نے تسبیح کی تو ہمیں سن کر ملائکہ بھی تسبیح پڑھنے لگے۔

۵۴- محقق کراجکی نے کنز الفوائد میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن زیاد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابن مہران نے جناب عبداللہ بن عباسؓ سے اِس فرمانِ الٰہی: (وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾) کی تفسیر معلوم کی تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ہم رسول گرامی ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ وہاں علی ابن ابی طالب علیہ السلام تشریف فرما ہوئے۔ انہیں دیکھ کر سرورِ کائنات ﷺ کے رُخِ انور پہ تبسم آ گیا اور آپؐ نے فرمایا: اُس ہستی کو خوش آمدید! جسے خدا نے حضرت آدمؑ سے چالیس ہزار سال پہلے خلق کیا۔

میں نے کہا: یا رسول اللہؐ! کیا کوئی بیٹا اپنے باپ سے پہلے ہو سکتا ہے؟ فرمایا: خدا نے مجھے اور علیؑ کو آدمؑ کی تخلیق سے اتنا عرصہ پہلے ہی خلق کیا ہے۔ اِس کا بیان یوں ہے کہ خدا نے ایک نور کو خلق کیا اور اُسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ اُس کے آدھے حصے سے مجھے اور آدھے سے علیؑ کو تمام چیزوں کی تخلیق سے پہلے خلق کیا۔ پھر اللہ نے اشیاء کو خلق کیا تو وہ تاریک تھیں۔ اُن کا نور میرے اور علیؑ کے نور سے ہے۔ پھر اللہ نے ہمیں عرش کی دائیں جانب رکھا۔ اِس کے بعد اللہ نے فرشتوں کو خلق کیا۔ ہم نے تسبیح کی تو ہمیں دیکھ کر وہ بھی تسبیح کرنے لگے۔ ہم نے خدا کی معبودیت کا اظہار کیا تو ہمارے پیچھے انہوں نے بھی یہی کلمات ادا کیے۔ ہم نے خدا کی بڑائی بیان کی تو ہماری سن کر انہوں نے بھی کی۔ یہ سب میری اور علیؑ کی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ [1]

۵۵- تفسیر قمی میں اِس فرمانِ الٰہی: [اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ] کی تفسیر میں موجود ہے کہ اِس سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے بعد آنے والا اوصیاءؑ ہیں جو علمِ الٰہی کے حامل ہیں۔

۵۶- بصائر الدرجات میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، راوی کہتا ہے: میں نے امامؑ کی زبانِ مبارک سے سنا، آپؑ نے ارشاد فرمایا: جب خدا کسی امامؑ سے دوسرے امامؑ کو خلق

[1] (بحار الانوار: ۲۴/ ۸۸؛ تفسیر قمی: ۵۶۰)

www.shiabookspdf.com

کرنا چاہتا ہے تو ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو عرش کے نیچے سے پانی کا ایک گھونٹ لے کر آتا ہے اور امامؑ کے حوالے کر دیتا ہے۔ تو امامؑ چالیس روز رحمِ مادر میں رہتا ہے اور کوئی کلام نہیں سنتا۔ جب چالیس روز مکمل ہو جاتے ہیں تو اُس کے بعد سننے لگتا ہے۔ پھر جب اُس کی ماں اُسے جنم دیتی ہے تو وہی فرشتہ جس نے عرش کے نیچے سے پانی کا گھونٹ اٹھایا ہوتا ہے اُس کے پاس آتا ہے اور اُس کے دائیں بازو پہ یہ آیت کریمہ لکھ دیتا ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ [1]

۵۷- امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے، آپؑ فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو زیرِ عرش ایک جوہر کی طینت سے خلق کیا۔ تو وہ آپؐ کی طینت کے لیے آمادہ ہو گیا۔ پھر رسول خدا ﷺ کے لیے تیار شدہ طینت سے مولائے کائناتؑ کی طینت کو بنایا گیا تو وہ اِس کے لیے تیار ہو گیا۔ پھر مولا امیر المومنینؑ کی بچی ہوئی طینت سے ہماری طینت تیار کی گئی تو وہ تیار ہو گئی۔

بعد ازاں ہمارے شیعوں کی طینت کو ہماری طینت سے تیار کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے دل ہماری جانب مائل اور ہمارے دل اُن پہ مہربان ہیں۔ کہ جیسے ایک باپ کا دل اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے۔ ہم اُن کے حق میں اچھے ہیں اور وہ ہمارے لیے (باقیوں سے) بہتر ہیں رسول خدا ﷺ ہمارے لیے بہتر اور ہم آنحضرتؐ کے حق میں اچھے ہیں۔ [2]

۵۸- آپؑ سے ہی مروی ہے کہ خدا نے حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کی عترتِ طاہرہؑ کو عرش کی طینت سے خلق کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ اُن میں کوئی کم ہو سکتا ہے، نہ زیادہ۔

۵۹- امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، راوی کہتا ہے کہ میں نے آپؑ کی زبانِ مبارک سے سنا: خدا نے ہمیں اپنے نورِ عظمت سے خلق کیا۔ پھر ہمارے پیکر عرش کے نیچے پوشیدہ کی ہوئی طینت سے خلق کیے۔ اور اُس نور کو اِن پیکروں میں ڈالا۔ یوں ہم ایک ساتھ خلق،

[1] (بحار الانوار: ۲۴/ ۱۷۸؛ بصائر الدرجات: ۱۳۰)

[2] (بحار الانوار: ۲۵/ ۸؛ بصائر: ۵)

بشر اور روشن نور بن گئے۔ ایسی خلقت اُس نے ہمارے علاوہ کسی کے حصّے میں نہیں رکھی۔
ہمارے شیعوں کی ارواح کو خدا نے ہمارے ابدان کی طینت اور اُن کے ابدان کو ہماری طینت سے نیچے پوشیدہ کردہ طینت سے خلق کیا۔ خلقت کی ایسی حسین تقدیر اُس نے انبیاءؑ و مرسلینؑ کے علاوہ کسی کے نصیب میں نہیں رکھی۔ اِسی لیے ہم اور وہ ایک راہ پر ہیں۔ باقی سب لوگ آگ میں ہیں اور آگ کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔

۶۰- امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ابو یحییٰ سے فرمایا: اے ابو یحییٰ! شب ہائے جمعہ میں ہمارے لیے ایک خصوصی شان ہوتی ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: قربان جاؤں! وہ شان کیا ہے؟ فرمایا: شبِ جمعہ تمام سابقہ انبیاءؑ اور سابقہ اوصیاءؑ کی ارواح اور تمہارے درمیان موجود وصی کی روح کو بلاوا آتا ہے۔ اور انہیں آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ اپنے رب کے عرش کے پاس پہنچتی ہیں تو پورا ہفتہ اُس کا طواف کرتی ہیں اور عرش کے ہر ستون کے پاس دو دو رکعتیں ادا کرتی ہیں۔ پھر انہیں اپنے اپنے ابدان کی طرف پلٹا دیا جاتا ہے۔ اِس کے نتیجے میں انبیاء و اوصیاءؑ کے سرور و اطمینان میں اضافہ ہوتا ہے اور جو وصی تمہارے درمیان موجود ہوتا ہے اُس کے علم میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔[1]

۶۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جب شبِ جمعہ آتی ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش پہ جاتے ہیں اور میں بھی اُن کے ساتھ وہاں پہنچ جاتا ہوں۔ میں وہاں سے نئے علم کے ساتھ واپس آتا ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا ہے تو جو علم ہمارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا۔[2]

۶۲- قاسم بن معاویہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ یہ لوگ معراج کے حوالے سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج پہ لے جایا گیا تو آپؐ نے عرش پہ یہ لکھا ہوا دیکھا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق
یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: سبحان اللہ! ان لوگوں نے ہر شے بدل ڈالی، حتیٰ کہ اِس

(۱)(بحار الانوار: ۲۶؍۹۰، بصائر الدرجات: ۳۶)
(۲)(بحار الانوار: ۲۲؍۵۵۲)

حدیث کو بھی نہ چھوڑا؟ میں نے کہا: جی ہاں۔
تو امامؑ نے فرمایا: جب خدائے بزرگ و برتر نے عرش کو خلق کیا تو اُس کے پایوں پر یہ تحریر لکھی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ عَلِيٌّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس رات مجھے معراج پہ لے گئے تو میں نے عرش کے پائے پر یہ عبارت لکھی دیکھی:

اَنَا اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِي خَلَقْتُ جَنَّةَ عَدْنٍ بِيَدِي مُحَمَّدٌ صَفْوَتِي مِنْ خَلْقِي اَيَّدْتُهُ بِعَلِيٍّ وَ نَصَرْتُهُ بِعَلِيٍّ

"میں اللہ ہوں۔ سوائے مجھ واحد و یکتا کے کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، میں نے جنتِ عدن کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری مخلوق میں سے برگزیدہ ہیں۔ میں نے اُن کی تائید و نصرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے کی ہے۔

www.shiabookspdf.com

۶۳- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب خدا نے حضرت آدمؑ کو خلق کیا اور انہیں اپنے سامنے کھڑا کیا تو انہیں چھینک آ گئی۔ اِس پر خدا نے انہیں، اپنی حمد الہام کی۔ پھر فرمایا: اے آدمؑ! تو نے میری حمد کی ہے۔ مجھے اپنی عزت و جلالت کی قسم! اگر وہ دو بندے نہ ہوتے کہ جنہیں میں آخری زمانے میں خلق کروں گا تو تجھے خلق نہ کرتا۔
حضرت آدمؑ نے عرض کی: خدایا! تجھے اپنی بارگاہ میں اُن کے مقام و منزلت کا واسطہ! مجھے بتا اُن کے نام کیا ہیں؟
آوازِ قدرت آئی: اے آدمؑ! عرش کی جانب دیکھو۔ جب انہوں نے دیکھا تو وہاں نور سے دو سطریں لکھی ہوئی تھیں۔
پہلی سطر یہ تھی:
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَ عَلِيٌّ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ (اللہ کے سوا کوئی معبود

(۱)(بحار الانوار: ۲۷؍۱، الاحتجاج: ۸۳)

نہیں، حضرت محمد ﷺ نبیِ رحمت ہیں اور علیؑ جنت کی کنجی ہیں۔)

اور دوسری سطر یہ تھی:

آلَيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ اَنْ اَرْحَمَ مَنْ وَالَاهُمَا وَ اُعَذِّبَ مَنْ عَادَاهُمَا (میں نے خود کو قسم دے رکھی ہے کہ جو اِن دونوں سے محبت کرے میں اُس پہ رحم کروں گا اور جو اِن سے دشمنی رکھے اُس پہ عذاب کروں گا۔) [1]

۶۴-امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے ترکِ اَولیٰ سرزد ہوا تو انہوں نے رسول خدا ﷺ اور آپؐ کے اہل بیت سے توسل کیا۔ اِس پر خدا نے اُن کی طرف وحی کی: اے آدمؑ! تم محمد ﷺ کو کیسے جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: جب تو نے مجھے خلق کیا تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھا کر دیکھا تو وہاں یہ عبارت لکھی تھی:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيٌّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

۶۵-حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بشارت دینے والا بنا کر بھیجا عرش و کرسی کو اُس وقت تک قرار نہ آیا، نہ فلک دائرے میں گھوما اور نہ آسمان اور زمین اپنی جگہ قائم ہوئے مگر اُن پہ یہ تحریر لکھے جانے کے بعد:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيٌّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ [2]

۶۶-رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: عرش پہ یہ تحریر لکھی ہوئی ہے:

لا اله الا الله محمد نبی الرحمة و علی علیه السلام مقیم الحجة، من عرف حق علی علیه السلام زکی و طاب، و من انکر حقه لعن و خاب، اقسمت بعزتی ان ادخل الجنة من اطاعه و ان عصانی، واقسمت بعزتی ان ادخل النار من عصاه و ان اطاعنی

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت محمد ﷺ نبیِ رحمت ہیں اور علیؑ حجت

[1] (بحار الانوار: ۲۷/ ۶)

[2] (بحار الانوار: ۲۷/ ۸؛ الیقین فی امرۃ امیر المومنینؑ)

www.shiabookspdf.com

قائم کرنے والے ہیں۔ جس نے علیؑ کے حق کی معرفت حاصل کی وہ تزکیہ شدہ اور پاک ہو گیا اور جس نے اُن کے حق کا انکار کیا وہ لعنتی اور خسارہ پانے والا قرار پایا۔ میں نے اپنی عزت کی قسم کھائی کہ جو اُن کی اطاعت کرے میں اُسے جنت میں داخل کروں گا، خواہ وہ میری نافرمانی ہی کرتا ہو۔ اِسی طرح میں نے یہ بھی قسم کھائی ہے کہ اُن کے نافرمان کو جہنم میں داخل کروں گا، خواہ وہ میری اطاعت گزاری ہی کرتا ہو"۔ [1]

ہمارے یہاں اِس مضمون کی دسیوں روایات موجود ہیں۔ لیکن ہم اختصار کے پیشِ نظر اُن سب کا ذکر نہیں کر رہے۔ اگر کوئی تفصیل جاننے کا خواہش مند ہے تو وہ بحار الانوار کی محولہ جلد کی طرف رجوع کرے۔

۶۷-امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: میں زمین سے زیادہ آسمان کے راستوں سے واقف ہوں۔ ہم خزینہ شدہ اور پوشیدہ کیا ہوا اسم ہیں۔ ہم وہ اسمائے حسنیٰ ہیں کہ جب اُن سے خدا کو پکارا جائے تو وہ جواب دیتا ہے۔ ہم وہ اسماء ہیں جو عرش پہ لکھے ہوئے ہیں۔ ہماری وجہ سے خدا نے آسمان و زمین، عرش و کرسی اور جنت و جہنم کو خلق کیا اور ہم سے ہی فرشتوں نے خدا کی تسبیح، تقدیس، توحید، تہلیل اور تکبیر بیان کرنا سیکھی۔ ہم ہی وہ کلمات ہیں جنہیں آدمؑ نے اپنے رب سے سیکھا تو اُس نے اُن کی توبہ قبول کر لی۔ [2]

۶۸-رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ایک نور سے خلق کیا گیا ہے۔ ہم حضرت آدمؑ کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے عرش کے دائیں طرف تسبیح خدا میں مشغول تھے۔ پھر جب خدا نے حضرت آدمؑ کو خلق کیا تو اُس نور کو اُن کی صلب میں رکھ دیا۔ [3]

۶۹-تفسیر اہل بیتؑ میں ہے کہ اِس فرمانِ خدا (هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا) میں انسان سے مراد علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ تقدیر

[1] (بحار الانوار: ۲۷/ ۱۰)

[2] (بحار الانوار: ۲۷/ ۳۹)

[3] (بحار الانوار: ۳۵/ ۳۴)

کلام یوں ہے کہ انسان پہ کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا کہ جس میں وہ کوئی قابلِ ذکر شے نہ ہو۔ اور وہ ایسے ہوں بھی کیوں نہ، جبکہ اُن کا نام ساقِ عرش اور بابِ جنت پہ لکھا ہوا ہے۔ اور اِس پر دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے)۔

جبکہ یہ واضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق نطفے سے نہیں ہوئی۔ [1]

۰۷۔ جنابِ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا۔ آپؐ کو سلام عرض کیا اور کہا: یا رسولؐ اللہ! مجھے حق دکھایئے تا کہ میں اُسے واضح طور پہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: اے ابن مسعودؓ! ذرا اِس حجرے میں جا کر دیکھو، کیا دکھائی دیتا ہے؟

ابن مسعودؓ کہتے ہیں: جب میں اُس حجرے میں گیا تو دیکھا کہ مولا علی علیہ السلام نہایت خشوع وانکساری کے ساتھ مسلسل رکوع وسجود انجام دے رہے ہیں اور یہ دعا کر رہے ہیں:

اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ اِلَّا مَا غَفَرْتَ لِلْمُذْنِبِیْنَ مِنْ شِیْعَتِیْ

"اے اللہ! تجھے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کا واسطہ! میرے گناہ گار شیعوں کو بخش دے"۔

یہ دیکھ کر میں حجرے سے باہر آیا تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس بارے میں خبر دوں۔

لیکن میں آپؐ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپؐ بھی نہایت عاجزی وفروتنی کے ساتھ مسلسل رکوع وسجود کیے جا رہے ہیں اور یہ دعا مانگ رہے ہیں:

اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ عَلِیٍّ وَلِیِّكَ اِلَّا مَا غَفَرْتَ لِلْمُذْنِبِیْنَ مِنْ اُمَّتِیْ

"اے اللہ! تجھے اپنے ولی علیؑ کے حق کا واسطہ! میری گناہ گار امت کو بخش دے"۔

یہ منظر دیکھ کر میرے حواس گم ہو گئے۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز کو مختصر کیا اور مجھ سے فرمایا: اے ابن مسعود! ایمان کے بعد کافر تو نہیں ہو رہے!

[1] (بحار الانوار: ۳۵ر۲۵۴؛ المناقب: ۱ر۵۸۰)

میں نے عرض کی: نہیں اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ کی زندگی کی قسم! میں نے علیؑ کو دیکھا وہ آپؐ کو وسیلہ بنا کر خدا سے دعا کر رہے تھے اور یہاں آپؐ کو دیکھا، آپؐ انہیں وسیلہ بنا کر خدا سے دعا کر رہے ہیں۔ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا آپ میں سے کون خدا کی بارگاہ میں زیادہ عزت کا حامل ہے؟

یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن مسعودؓ! خدا نے مجھے، علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو اپنے نورِ قدس سے خلق کیا۔ جب خدا نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اُس نے میرے نور سے شعاع نکال کے اُس سے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا۔ اِس لیے خدا کی قسم! میں آسمانوں اور زمین سے افضل ہوں۔ پھر اُس نے علیؑ کے نور کی شعاع سے عرش وکرسی کو پیدا کیا۔ خدا کی قسم! علیؑ کا مقام عرش وکرسی سے بلند ہے۔ پھر اُس نے حسنؑ کے نور سے شعاع پیدا کی اور اُس سے حورِ عین اور ملائکہ کو خلق کیا۔ اللہ کی قسم! حسنؑ کا مرتبہ حورِ عین اور ملائکہ سے بالاتر ہے۔ پھر اُس نے حسین علیہ السلام کے نور سے ایک کرن جدا کی اور اُس سے لوح وقلم کو وجود عطا کیا۔ اللہ کی قسم! حسینؑ کا مقام لوح وقلم سے عظیم تر ہے۔

www.shiabookspdf.com

جب یہ چیزیں خلق ہوئیں تو مشارق ومغارب میں تاریکی چھا گئی اور فرشتے رونے گڑگڑانے لگے: اے ہمارے خدا، اے ہمارے مالک! تجھے اِن اشباح کا واسطہ جنہیں تو نے خلق کیا۔ ہمیں اِس اندھیرے سے نجات دلا۔

اُس وقت خدا نے ایک دوسرا کلمہ کہا اور اُس سے روح کو خلق کیا۔ پھر نور میں روح ڈالی اور اُس سے سیدہ فاطمۃ الزہراؑ خلق کر کے انہیں عرش کے سامنے کھڑا کیا تو اُن کے نور سے مشارق ومغارب میں نور ہی نور پھیل گیا۔ اِسی وجہ سے انہیں زہراؑ کہا جاتا ہے۔

اے ابن مسعودؓ! روزِ قیامت خدا مجھ سے اور علیؑ سے کہے گا: تم دونوں جس سے محبت کرتے ہوئے جنت میں داخل کرو اور جس سے نفرت کرتے ہوئے جہنم میں ڈال دو۔ اِس پر دلیل یہ فرمانِ خدا ہے: اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِیْدٍ (تم دونوں ہر کافر وسرکش کو جہنم میں جھونک دو) [1]

[1] [سورۃ ق]

میں نے پوچھا: یارسول اللہؐ! کفار عنید کون ہے؟

فرمایا: کفار، وہ ہے جو میری نبوت کا انکار کرے اور عنید وہ ہے علیؑ سے دشمنی رکھے۔ (۱)

۷۱- امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ قیامت کے دن خدا نبی کریم ﷺ اور مولا علی علیہ السلام کو بلائے گا تو وہ عرش کے سامنے کرسیٔ کرامت پہ تشریف فرما ہوں گے۔ جب بھی اُن کے شیعوں کا کوئی گروہ سامنے آئے گا تو کہے گا: یہ نبی ﷺ اور یہ وصی علیہ السلام ہیں۔ اُن میں کچھ گروہ یہ کلمات ادا کریں گے: تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اِس کی ہدایت کی۔ اگر خدا ہمیں نبیؐ کی نبوت اور علی و اولادِ علیؑ میں سے آئمہ طاہرینؑ کی ولایت کی ہدایت نہ کرتا تو ہمیں ہدایت نہ ملتی۔ پھر انہیں جنت میں لے جائیں گے۔ (۲)

۷۲- جابر جعفیؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اِس فرمانِ الٰہی وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ کی تفسیر کے بارے میں دریافت کیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: جب خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلق کیا تو اُن کی آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا۔ انہوں نے نظر دوڑائی تو انہیں عرش کے پہلو میں ایک نور دکھائی دیا۔ انہوں نے کہا: اے میرے اللہ! یہ نور کیسا ہے؟ آوازِ قدرت آئی کہ یہ حضرت محمد ﷺ کا نور ہے کہ جو مخلوق میں میرا منتخب کردہ ہے۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے اُس نور کے ساتھ ایک اور نور دیکھا تو عرض کی: یا خدا! یہ کس کا نور ہے؟ ارشاد ہوا: یہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا نور ہے جو میرے دین کی نصرت کرنے والے ہیں۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے اِن دونوں نوروں کے پہلو میں تین نور دیکھے تو کہا: خدایا! اِن انوار کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا: یہ فاطمہؑ کا نور ہے کہ جو اپنے حبداروں کو جہنم سے بچانے والی ہے۔ اور یہ اُن کے دو بیٹوں حسنؑ و حسینؑ کے انوار ہیں۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے کہا: اے میرے معبود! میں اِن کے ساتھ نو مزید انوار دیکھ رہا ہوں۔ جنہوں نے اِن انوار کا گھیرا ہوا ہے؟ کہا گیا: اے ابراہیمؑ! اے علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد

(۱) (بحار الأنوار: ۳۶/ ۹۷؛ کنز الفوائد)

(۲) (بحار الانوار: ۳۶/ ۱۱۵)

www.shiabookspdf.com

میں سے آئمہؑ کے انوار ہیں۔

یہ سن کر حضرت ابراہیمؑ نے کہا: خدایا! تجھے پنج تن پاک کا واسطہ! مجھے اِن نو آئمہؑ کے بارے میں بتا۔ خدا نے فرمایا: اِن میں پہلے علی بن حسینؑ، اُن کے بیٹے محمدؑ، اُن کے بیٹے جعفرؑ، اُن کے بیٹے موسیٰؑ، اُن کے بیٹے علیؑ، اُن کے بیٹے محمدؑ، اُن کے بیٹے علیؑ، اُن کے بیٹے حسنؑ اور اُن کے بیٹے حجت قائم عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے کہا: اے میرے مالک و معبود! میں اِن انوار کے ساتھ اور بہت سے انوار دیکھ رہا ہوں جنہوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ میں اُن کی تعداد شمار نہیں کر سکتا۔ کہا گیا: اے ابراہیمؑ! یہ اُن کے شیعوں کے انوار ہیں جنہیں امیر المومنین علیؑ کا شیعہ کہا جاتا ہے۔

حضرت ابرہیمؑ نے کہا: شیعانِ علیؑ کی علامت کیا ہے؟ آوازِ قدرت آئی: وہ روزانہ اکاون رکعات ادا کرنے، بسم اللہ بلند آواز کے ساتھ پڑھنے، رکوع میں جانے سے پہلے قنوت کرنے اور دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے سے پہچانے جاتے ہیں۔

اُس وقت حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی: اے اللہ! مجھے بھی امیر المومنینؑ کے شیعوں میں شامل فرما۔ تو خدا نے اُس کی خبر دیتے ہوئے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا:

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ (۱)(۲)

۷۳- رسول خدا ﷺ سے مروی طویل حدیثِ معراج میں آیا ہے: پھر مجھے اوپر لے جا کر عرش کے نیچے پہنچا دیا گیا۔ پھر میرے پاس رفرفِ اخضر (سبز ملکوتی قالین) آیا اور اُس نے میرے رب کے اذن سے مجھ اٹھایا اور اُس کے پاس پہنچا دیا۔ (بحار الانوار: ۳۶/ ۱۳۶)

۷۴- آپ ﷺ سے ہی ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ خدا نے مجھے اور میرے اہل بیتؑ کو تخلیقِ آدمؑ سے سات ہزار سال پہلے ایک نور سے خلق کیا۔ پھر ہمیں اُن کی صلب سے پاکیزہ صلبوں اور مقدس رحموں کی طرف منتقل کیا۔ راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: یارسول اللہؐ!

(۱) (سورۃ الصافات)

(۲) (بحار الانوار: ۳۶/ ۱۵۲؛ کنز الفوائد؛ تفسیر برہان: ۴/ ۲۰)

آپؐ کہاں تھے اور کس صورت میں تھے؟ فرمایا: ہم عرش کے نیچے نور کی اشباح کی صورت میں تھے اور خدا کی تسبیح، تقدیس اور بزرگی بیان کرنے میں مشغول تھے۔ ①

۷۵- ایک دوسری طویل حدیث میں آیا ہے: جب مجھے آسمان پہ معراج کے لیے لے جایا گیا تو میں نے ساقِ عرش سے نور سے یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اَيَّدْتُهٗ بِعَلِيٍّ وَ نَصَرْتُهٗ بِعَلِيٍّ

میں نے ساقِ عرش پہ نامِ علیؑ کے بعد نور کے ساتھ یہ گیارہ نام لکھے ہوئے دیکھے ہیں: حسن، حسین، علی، علی، محمد، محمد، جعفر، موسیٰ، حسن اور حجۃ علیہم السلام۔ میں نے کہا: اے میرے معبود و مالک! یہ کون ہیں جنہیں تو نے اِس قدر عزت و اکرام سے نوازا اور اِن کے نام اپنے نام کے ساتھ ملائے ہوئے ہیں؟! اِس کے جواب میں نداء آئی: اے محمدؐ! یہ آپؐ کے بعد اوصیاء اور امام ہیں۔ بشارت ہے اُن کے لیے جو اِن سے محبت کریں اور نفرین ہے اُن کے لیے جو اِن سے بغض و عداوت رکھیں۔ ②

اِس ضمن میں بہت سی روایات موجود ہیں۔ جیسا کہ اُن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۷۶- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، آپؐ فرماتے ہیں کہ جبرائیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ جب خدا نے ساقِ عرش پہ نامِ محمد لکھا تو میں نے عرض کی: اے میرے رب! یہ نام جو سرادقاتِ عرش پہ لکھا ہوا ہے میرے خیال میں یہ تجھے اپنی ساری مخلوق سے زیادہ عزیز ہے۔ تو خدا نے انہیں آسمان و زمین کے مابین بارہ ابدان کی اشباح دکھائیں جن میں روح موجود نہیں تھی۔ ③

۷۷- ایک دوسری حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے عرش کو خلق کیا اور اُس کے ارکان پہ کلمات لکھے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ عَلِيٌّ وَصِيُّهٗ ④

۷۸- امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے، آپؑ نے اپنے آباء کرامؑ کے

① (بحار الانوار: ۳۶/ ۳۰۲؛ ارشاد القلوب: ۲۷۲)

② (بحار الانوار: ۳۶/ ۳۲۶)

③ (بحار الانوار: ۳۶/ ۳۳۱)

④ (بحار الانوار: ۳۶/ ۳۴۲)

سلسلہ سے مولا امیر المومنینؑ سے نقل کیا ہے کہ خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو آسمانوں، زمین، عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت، جہنم اور آدمؑ و نوحؑ کی تخلیق سے پہلے خلق کیا۔ پھر اُسے عرش کے اوپر رکھا اور وہ سات ہزار سال تک ساقِ عرش پہ پڑا رہا، یہاں تک کہ خدا نے اُسے حضرت آدمؑ کی صلبِ مبارک میں رکھا۔

۷۹- حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فضائل امیر المومنینؑ میں مروی حدیث میں آیا ہے، آپؓ کہتے ہیں: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ خدا نے مجھے اور علیؑ کو پانچ پانچ خصوصی امتیازات عطا کیے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا: یا محمدؐ! اُس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، خدا کے آپؐ کے چچا زاد کو خلیفہ بنانے کی خوشی میں تمام ملائکہ کے دلوں میں سرور داخل ہو گیا ہے۔ میں نے حاملینِ عرش کو دیکھا، انہوں نے بھی اپنے سر نیچے کی طرف کیے ہوئے تھے۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے کہا: اے جبرائیلؑ! انہوں نے اپنے سر نیچے کیوں کر رکھے ہیں؟ تو جبرائیلؑ نے کہا: اے محمدؐ! اِس وقت ہر فرشتہ خوشی و عقیدت کے ساتھ علی بن ابی طالب علیہ السلام کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ سوائے حاملین عرش کے۔ انہوں نے اب خدا سے اذن مانگا تو خدا نے انہیں مولا علی علیہ السلام کا چہرہ دیکھنے کی اجازت دے دی۔ اِس لیے اب وہ (اپنے سروں کو نیچے کر) اُن کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ①

www.shiabookspdf.com

۸۰- یہودیوں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ احتجاج کے ضمن میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث میں وارد ہوا ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا: خدا نے مجھے ایک نہر عطا کی جو عرش کے نیچے بہتی ہے۔ اُس کے اوپر دس ہزار محل بنے ہوئے ہیں جن ایک اینٹ سونے اور ایک چاندی کی ہے۔ اُن گھاس زعفران، ٹائیلیں موتی و یاقوت کی اور زمین سفید کستوری کی بنی ہوئی ہے۔ وہ میرے اور میری امت کے لیے بہتر ہیں۔ وہ اِس فرمانِ خدا کی تفسیر ہے: اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ یہ سن کر یہودیوں نے کہا: اے محمدؐ! آپؐ سچ کہتے ہیں، یہ بات تورات میں بھی اِسی طرح لکھی ہوئی ہے۔ ②

① (بحار الانوار: ۱۶/ ۳۱۸)

② (بحار الانوار: ۱۶/ ۳۲۸)

۸۱- امام موسیٰ کاظم ؑ سے مروی امیر المومنین علی ؑ کی حدیث میں آیا ہے:
حضرت محمد ﷺ کے ساتھ خدا نے سات آسمانوں پر راز کی باتیں کیں۔ جن پر اُس نے آپؐ کو بلند کیا تھا۔ وہ دو مقامات تھے جہاں خدا نے آپؐ سے راز کی باتیں کیں۔ اُن میں سے ایک مقام سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔ یہاں آپؐ کا مقامِ محمود بھی ہے۔ پھر آپ کو اوپر لے جایا گیا حتیٰ کہ آپؐ ساقِ عرش پہ پہنچ گئے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے: ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى [1]

۸۲- یہ روایت ۲۰ ویں نمبر پہ گزر چکی ہے۔

۸۳- یہ روایت ۲۱ ویں نمبر پہ گزری ہے۔

۸۴- جناب اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے انہوں نے مولا امیر المومنینؑ سے اس فرمانِ خدا: (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى) کی تفسیر معلوم کی تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: خدا کے آسمانوں اور زمینوں کو خلق کرنے سے دو ہزار سال پہلے یہ تحریر لکھی ہوئی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

جب اِن کی تخلیق ہوئی تو انہوں نے اِن کلمات کی شہادت دی اور ساتھ یہ بھی کہا:

وَاَنَّ عَلِيًّا وَصِيُّ مُحَمَّدٍ [2]

۸۵- امام محمد باقر ؑ سے اِس فرمانِ الٰہی: (عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا) کے بارے میں مروی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: اِس کا مطلب یہ ہے کہ قریب ہے کہ خدا آپ کو اپنے عرش پہ بٹھا دے۔ [3]

واضح رہے کہ عرش پہ بٹھانے سے آپؐ کے بلند مقام اور تمام خلائق سے افضل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یا اِس سے حقیقی یا تشریفی بٹھانا بھی مراد ہو سکتا ہے۔

۸۶- جناب مفضل بن عمرؓ سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق ؑ نے اُن سے ارشاد فرمایا: خدا نے نبی کے لیے پانچ روحیں رکھی ہیں:

[1] (بحار الانوار: ۱۶/ ۳۴۴)

[2] (بحار الانوار: ۱۶/ ۳۶۵؛ تفسیر قمی: ۸۲۱)

[3] (حوالہ سابق: ۳۷۸)

(۱) روحِ حیات: اِس پہ زندگی و موت کا انحصار ہوتا ہے۔

(۲) روحِ قوت: اِس کی مدد سے وہ دشمن کے خلاف کھڑا ہوتا ہے اور جہاد کرتا ہے۔

(۳) روحِ شہوت: اِس کی وجہ سے وہ کھاتا پیتا ہے اور عورتوں کے پاس جاتا ہے۔

(۴) روحِ ایمان: اِس کے ذریعے وہ حکم دیتا ہے اور عدالت کا نفاذ کرتا ہے۔

(۵) روحِ قدس: اِس میں نبوت کا بار ہوتا ہے۔

جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو یہ روح آپؐ سے منتقل ہو کر امامؑ کے پاس آ گئی۔ یہ روح، نہ سوتی ہے، نہ غفلت کا شکار ہوتی ہے، نہ بے مقصد کاموں میں مشغول ہوتی ہے اور نہ ہی بھول چوک کا شکار ہوتی ہے۔ جبکہ باقی چار روحیں سوتی بھی ہیں، بے مقصد کاموں میں بھی لگ جاتی ہیں، اُن پہ غفلت بھی طاری ہوتی ہے اور اُن میں بھول چوک کا امکان بھی ہوتا ہے۔ اِن کے مقابلے روحِ قدس ہمیشہ اپنی حالت پہ ثابت و برقرار رہتی ہے۔ اِس کی مدد سے امام زمین کے مشرق و مغرب اور خشکی و تری کو دیکھتا ہے۔

www.shiabookspdf.com

مفضل کہتے ہیں: میں نے عرض کی: جانم فدا! کیا امامؑ اِس روح کی مدد سے بغداد میں پڑی کسی چیز کو اٹھا سکتا ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ عرش کے علاوہ ہر چیز کو۔ [1]

۸۷- حضرت سلیمانؑ اور تختِ بلقیس کے حوالے آصف بن برخیا کا قصہ اِسی باب سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ بھی ولایتِ تکوینیہ میں سے ہے۔

۸۸- اِس کا ترجمہ اڑتالیسویں نمبر پہ گزر چکا ہے۔

۸۹- اِس ترجمہ ساٹھویں نمبر پہ ہو چکا ہے۔

۹۰- امام محمد باقر ؑ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر شب جمعہ ہماری اور تمام انبیاءؑ کی روحیں عرش پہ اکٹھی ہوتی ہیں۔ اِس ملاقات کے نتیجے میں اوصیاءؑ کے علم میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔

۹۱- ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے اہل بیتؑ کے حضرت عیسیٰ ؑ کے مُردوں کو زندہ کرنے وغیرہ کے معجزات کے مقابلے میں بڑے معجزات کے حامل ہونے

[1] (بحار الانوار: ۱۷/ ۱۰۶؛ بصائر الدرجات: ۱۳۴)

مشرکوں کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولا علیؑ کا تعاقب کرنے اور گرفتارِ عذاب ہو کر مرنے اور پھر زندہ ہونے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ پھر اُن زندہ ہونے والے مردوں نے کہا:

معاشر المسلمين ! ان لمحمد و علي (عليهما السلام) شأنا عظيما في الممالك التي كنا فيها لقد رأينا لمحمد (صلى الله عليه و آله و سلم) مثالا على سرير عند البيت المعمور و عند العرش ، و لعلي مثالا عند البيت المعمور و عند الكرسي و املاك السموات و الحجب و املاك العرش يحفون بهما و يعظمونهما و يصلون عليهما و يصدرون عن اوامرهما و يقسمون على الله عز و جل لحوائجهم اذا سألوه بهما

"اے مسلمانو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولائے کائنات کی اُن ملکوت میں بڑی بلند شان وشوکت ہے جن میں ہم موجود تھے۔ ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک شبیہ دیکھی جو بیت المعمور اور عرش کے پاس تخت نشین تھی۔ اسی طرح ہم نے بیت المعمور، کرسی، املاکِ سماوی، حجابوں اور املاکِ عرش کے پاس علیؑ کی شبیہ دیکھی ہے۔ وہ سب اِن دونوں کو گرد حلقہ بگوش ہیں، اِن کی تعظیم کرتے ہیں، اِن پہ درود بھیجتے ہیں، اِن کے احکام کو نافذ کرتے ہیں اور جب انہیں خدا سے کوئی سوال کرنا ہو تو انہیں اپنا وسیلہ بناتے ہیں اور اُسے اِن کا واسطہ دے کر طلب کرتے ہیں"۔

یہ سن کر فقط ستر افراد اِس پر ایمان لائے اور باقیوں پہ بدبختی غالب رہی۔ (بحار الانوار: ۱۷/۲۶۱؛ تفسیر امام حسن عسکریؑ: ۱۴۹)

۹۲- رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت سلیمانؑ پہ فضیلت کے ضمن میں حدیث میں آیا ہے کہ یہودی نے کہا: ہوائیں حضرت سلیمانؑ کے لیے مسخر کی گئیں اور اُن پہ چل کر وہ اپنے بلادِ مملکت کی سیر کرتے تھے۔ وہ صبح وشام ایک ایک ماہ کی مسافت طے کرتے تھے۔

اس کے جواب میں مولا علی علیہ السلام نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو فضیلت عطا کی گئی وہ

حضرت سلیمانؑ کی فضیلت سے کہیں، بڑھ کر ہے۔ آپ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک ایک مہینے کی مسافت طے کرائی گئی، اور ملکوتِ سماوی میں آپ کو پچاس ہزار سال کی مسافت ایک تہائی رات سے بھی کم وقت میں کرائی گئی۔ یہاں تک کہ آپ ساقِ عرش پہ پہنچ گئے اور علم کے قریب اور مزید قریب ہوئے۔ پھر جنت سے رفرفِ اخضر آپ کے پاس آیا۔ پھر نور آپ کی بصارت پہ غالب آ گیا اور آپ نے اپنے رب کی عظمت کا مشاہدہ دل سے کیا، آنکھوں سے نہیں۔ تو اس طرح آپ کے اور خدا کی عظمت کے مابین دو کمان جتنا یا اِس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔[1] اس پر خدا نے آپ کے اجر میں کوثر اور مقامِ شفاعت کا اضافہ کر دیا۔ یہ دنیا کی حکومت سے اول تا آخر ستر گناہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ خدا نے آپ کو مقامِ محمود پہ فائز کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اور جب قیامت کا دن آئے گا تو خدا آپ کو عرش پہ بٹھائے گا۔ یہ اُس بادشاہت وسلطنت سے افضل ہے جو حضرت سلیمانؑ کو دی گئی۔[2]

۹۳- علی بن ابرہیم قمی اِس فرمانِ خدا: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ امامؑ نے ارشاد فرمایا:

لوحِ محفوظ کے دو کونے ہیں، ایک کونہ عرش کی طرف ہے اور ایک حضرت اسرافیلؑ کی

---

[1] روایت کے اِس سے پہلے والے الفاظ یہ ہیں جو ہم نے اصل مصدر میں دیکھے ہیں:
[یہودی نے کہا: خدا نے حضرت سلیمانؑ کو ایسی حکومت عطا کی ہے کہ ایسی اُن کے بعد کسی کو نہیں ملے گی۔ مولائے کائناتؑ نے فرمایا: ہاں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ دیا گیا جو اس سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ وہ یہ کہ آپ کے پاس ایک فرشتہ آیا جو اس سے پہلے زمین پر نہیں آیا تھا۔ وہ فرشتہ میکائیل تھا۔ اُس نے آپ سے کہا: اے محمدؐ! آپ پر آسائش بادشاہ جیسی زندگی گزاریں، یہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے پاس ہیں۔ آپ جدھر جائیں گے پہاڑ سونا چاندی بن کر آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔ اس سے آپ کا وہ اجر بھی کم نہ ہوگا جو خدا نے آخرت میں آپ کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ (حضرت جبرائیلؑ فرشتوں میں سے آپ کے دوست تھے) انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع وعاجزی کا اظہار کریں۔ تو آپ نے فرمایا: میں نبی ایک بندے کی مانند زندگی بسر کروں گا۔ ایک دن کھانا کھاؤں گا اور دو دن بھوکا رہوں گا۔ اور اسی حال میں اپنے سابقہ انبیاء بھائیوںؑ کے ساتھ مل جاؤں گا۔] (از مترجم)

[2] (بحار الانوار: ۱۷/۲۸۸، ۲۸۹)

www.shiabookspdf.com

پیشانی پر ہے۔ جب خدا کوئی وحی والا کلام کرتا ہے تو لوحِ محفوظ کو اُن کی پیشانی پہ مارتا ہے۔ اِس پر حضرت اسرافیلؑ لوح کو دیکھتے ہیں اور اُس میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کی وحی حضرت جبرائیلؑ کو کر دیتے ہیں۔ (1)

۹۴-حدیث معراج میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب میں جنت میں داخل ہوا اور میرے نفس کو قرار آیا تو میں نے جبرائیلؑ سے اُن سمندروں، اُن کی ہولناکیوں اور عجائبات کے بارے پوچھا تو جبرائیلؑ نے کہا: یہ حجابوں کے وہ سرادقات ہیں جو خدا کا حجاب ہیں۔ اگر وہ حجابات نہ ہوتے تو عرش اور اُس میں موجود ہر چیز کا نور عیاں ہو جاتا۔ (2)

۹۵-حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے حضرت جبرائیلؑ کے پروں پر اٹھایا گیا حتیٰ کہ میں ساتویں آسمان پہ پہنچ گیا۔ پھر میں نے سدرۃ المنتہیٰ کو عبور کیا۔ جس کے پاس جنت الماوی ہے حتیٰ کہ میں نے ساقِ عرش کو پکڑ لیا۔ مجھے وہاں سے یہ ندا آئی: بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں سلام، مومن، مھیمن، عزیز، جبار، متکبر اور رؤوف و رحیم ہوں۔ پھر میں نے اُسے اپنے فواد (قلب) سے دیکھا نہ کہ آنکھوں سے۔ (3)

۹۶-حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیلؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یہ کون خدا کا نیک بندہ دنیا سے گیا۔ اُس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور عرش میں لرزا پیدا ہو گیا ہے۔ اِس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر نکلے تو معلوم ہوا

(1) (بحار الانوار: ۱۸/۲۵۸)

(2) بحار الانوار میں اِس روایت کے نیچے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں وہ اسرار بیان ہوئے ہیں کہ اب تک اُن کی حقیقت کسی پہ بھی آشکار نہیں ہوئی اور نہ علوم نے اُن سے نقاب کشائی کی ہے۔ جیسے حجابوں کے سرادق اور جنگ نور وغیرہ۔ ہوسکتا ہے کہ خدا نے یہ جو اسرار آئمہؑ کی زبان سے ہم تک پہنچائے ہیں اِن کا علم آنے والی نسلوں کے حصے میں قرار دیا ہو۔۔۔۔ الی آخرہ

(3) (بحار الانوار: ۸۱/۴۲)

www.shiabookspdf.com

حضرت سعد بن معاذ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ (1)

۹۷-عبدالعظیم حسنیؒ سے روایت ہے، انہوں نے امام محمد تقی جواد علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے آباء کرامؑ کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جناب سلمانؓ نے حضرت ابوذرؓ کو اپنے یہاں بلایا اور دو روٹیاں اُن کی خدمت میں پیش کیں۔ ابوذرؓ انہیں اٹھا کر اوپر نیچے کرنے لگے۔ جناب سلمانؓ نے کہا: اے ابوذرؓ! کس لیے انہیں الٹ پلٹ کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: دیکھ رہا ہوں کہ کہیں کچی نہ رہ گئیں ہوں؟

یہ سن کر سلمان محمدیؓ کو غصہ آ گیا اور فرمایا: جانتے ہو انہیں اُلٹ پلٹ کر کے کیسی بڑی جسارت کر رہے ہو؟ اللہ کی قسم! اِس روٹی میں وہ پانی شامل ہے جو عرش کے نیچے ہے۔ اِس میں اُن ملائکہ کا حصہ بھی ہے جنہوں نے اسے ہوا کے سپرد کیا۔ اِس میں ہوا کا عمل دخل بھی ہے جس نے اِسے بادل کے سپرد کیا۔ اِس میں بادل کی کارفرمائی بھی ہے جس نے اِسے پانی کی صورت میں نیچے اتارا۔ اِس میں بادلوں کی گرج اور اُن کا ملائکہ کا حصہ بھی جنہوں نے اِسے اِس کے صحیح مقام پہ رکھا۔ اِس میں زمین، لکڑی، لوہے، حیوانات، آگ، لکڑی، نمک اور دوسرے بے شمار عوامل کارفرما ہیں۔ اب بتاؤ تم اِس نعمت پر خدا کا شکر کیسے ادا کر پاؤ گے۔

اِس پر ابوذرؓ کہنے لگے: میں خدا سے توبہ اور اپنے کیے پر استغفار کرتا ہوں۔ اور آپؓ کو جو برا لگا اُس پر آپؓ سے معذرت کرتا ہوں۔ (2)

۹۸-رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب عمار یاسرؓ سے فرمایا:

"اے عمارؓ! تمہیں یہ جو فضیلت حاصل ہے اِس کا سبب علم ہے۔ سو تو اپنے علم کو بڑھا اور اپنی فضیلت میں اضافہ کر۔ بے شک جب بندہ علم حاصل کرنے کے لیے اپنے گھر سے نکلتا ہے تو خدا اپنے عرش سے اُسے پکار کر کہتا ہے: مرحبا! اے میرے بندے۔ کیا تو جانتا ہے کہ کس مقام و مرتبے کی تلاش میں نکلا ہے اور کون سے درجے کو پانا چاہتا ہے۔ تو میرے مقرب

(1) (بحار الانوار: ۲۰/۲۱۳)

(2) (بحار الانوار: ۲۲/۳۲۰)

فرشتوں کا سا مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ تمہیں اُن کا قرب و ہم نشینی نصیب ہو سکے۔ میں ضرور تجھے تیری مراد تک پہنچاؤں گا اور تجھے تیرے مقصد میں کامیابی عطا کروں گا"۔ (۱)

۹۹- یہ وہی حدیث جو انیسویں نمبر پہ گزر چکی ہے۔

۱۰۰- ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا نے ساتویں آسمان پہ ایک فرشتہ خلق کیا ہے جس کا سر عرش سے اوپر اور پاؤں تحت الثریٰ میں ہیں۔ اسی طرح اور بھی ملائکہ خلق کیے ہیں جن کی تعداد ربیعہ و مضر قبیلوں افراد سے زیادہ ہے۔ انہیں کھانے پینے کی کوئی حاجت نہیں۔ وہ صرف علیؑ اور اُس کے حبداروں پہ درود بھیجتے ہیں اور اُس کے شیعوں اور موالیوں کے لیے طلبِ مغفرت کرتے ہیں۔ (۲)

۱۰۱- رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب خدا نے عرش کو خلق کیا تو اُس کے تین سو ساٹھ ستون بنائے اور ہر ستون کے پاس تین لاکھ ساٹھ ہزار فرشتے خلق کیے۔ اگر خدا اُن میں سب سے چھوٹے فرشتے کو اذن دے تو وہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو نگل جائے اور یہ اُس کے جبڑوں میں ایسے لگے جیسے بہت زیادہ پانی والے گہرے بادل میں ریت کا ذرہ ہوتا ہے۔ انہیں خلق کر کے خدا نے کہا: اے میرے بندو! میرے عرش کو اٹھاؤ۔ خدا کا حکم پا کر انہوں نے عرش کو اٹھانے کی کوشش کی مگر اُٹھانا تو کیا ہلا بھی نہ سکے۔ پھر خدا نے اُن کے ساتھ ایک ایک اور فرشتہ پیدا کر دیا۔ پھر بھی وہ اُسے اپنی جگہ سے ہلا نہ سکے۔ اِس پر خدا نے اُن سب کے ساتھ دس دس مزید فرشتے خلق کر دیے۔ مگر اِس کے باوجود بھی وہ اُسے اپنی جگہ سے حرکت نہ دے سکے۔ پھر خدا نے ہر ہر فرشتے کے ساتھ پوری جماعت جتنے فرشتوں کا اضافہ کر دیا۔ لیکن وہ سب مل کر بھی اُسے اپنی جگہ سے ہلانے پر بھی قادر نہ ہوئے۔

پھر خدا نے اُن سب سے کہا: اِسے مجھ پہ چھوڑ دو، میں اِسے اپنی قدرت سے اٹھاؤں گا تو انہوں نے اِسے چھوڑ دیا اور خدا نے اپنی قدرت سے اُس کو اٹھا لیا۔ اِس کے بعد خدا نے اُن

(۱) (بحار الانوار: ۲۲/۳۲۰)

(۲) (بصائر: ۳۶/۳۴۹)

www.shiabookspdf.com

میں سے آٹھ نفر سے کہا: تم اِسے اٹھاؤ! تو وہ بولے: خدایا! ہم میں اِسے اٹھانے کی طاقت نہیں۔ اِسے تو یہ اتنی بڑی خلقت مل کر بھی نہ اٹھا سکی۔ تو ہم کیسے اٹھا لیں گے؟

ارشادِ قدرت ہوا: میں اللہ ہوں بعید کو قریب کرنے والا، بندوں کو ذلیل کرنے والا، سختی میں کمی کرنے والا اور مشکل کو آسان بنانے والا۔ میں جو چاہتا کرتا ہوں اور جو چاہتا ہوں فیصلہ کرتا ہوں۔ میں تم لوگوں کو کچھ کلمات سکھاؤں گا۔ جب تم انہیں اپنی زبان پہ جاری کرو گے تو تمہارے لیے اِسے اٹھانا آسان ہو جائے گا۔

انہوں نے عرض کی: خدایا وہ کلمات کون سے ہیں؟ آوازِ قدرت آئی: تم یہ کہو:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ

چنانچہ جب انہوں نے یہ کلمات کہے تو اِس کو اٹھا لیا اور یہ اُن کے کندھوں پہ اتنا ہلکا ہو گیا کہ جیسے کسی سخت جلد والے شخص کے کندھے پر اُگنے والا بال ہوتا ہے۔

پھر خدا نے تمام فرشتوں سے کہا: میرے عرش کو اٹھانے کا معاملہ اِن آٹھ پہ چھوڑ دو۔ تاکہ یہ اُس کو اٹھائیں اور تم اُس کے گرد طواف کرو اور میری تسبیح و تقدیس بیان کرو۔ بے شک میں اللہ اُس پہ قادر ہوں جو تم نے دیکھا۔ اور اُس کے علاوہ بھی ہر چیز پر۔ (۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سن لو کہ جو شخص علی علیہ السلام سے محبت کرے اُس کو عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ نداء دے کر کہتا ہے:

يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِسْتَأْنِفِ الْعَمَلَ فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ الذُّنُوْبَ كُلَّهَا

"اے بندۂ خدا! اپنے اعمال نئے سرے انجام دو، خدا نے تمہارے سب گناہوں کو بخش دیا ہے"۔ (۲)

۱۰۲- رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من صافح عليا فكانما صافحني و من صافحني فكانما صافح

(۱) (بحار الانوار: ۲۷/۹۷)

(۲) (حوالہ سابق: ۱۱۵)

ارکان العرش

جس نے علی علیہ السلام سے مصافحہ کیا اُس نے گویا مجھ سے مصافحہ کیا اور جس نے مجھ سے مصافحہ کیا اُس نے گویا ارکانِ عرش سے مصافحہ کیا۔ (۱)

۱۰۳- یہاں وہی حدیث دوبارہ آ گئی ہے جو تیئسویں نمبر پہ گزر چکی ہے۔

۱۰۴- جبرائیلؑ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: جب قیامت کا دن آئے گا تو آپؐ کے لیے عرش کی دائیں جانب منبر لگایا جائے گا۔ اور باقی سارے انبیاءؑ عرش کی بائیں جانب اور سامنے موجود ہوں گے۔ مولا علی علیہ السلام کے اعزاز میں آپؐ کے پہلو میں اُن کے کرسی لگائی جائے گی۔ (اے مومنو!) علیؑ کی انہی خوبیوں کی وجہ سے تم پہ واجب ہے کہ اُن سے محبت کرو۔ (۲)

۱۰۵- ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا: جب قیامت کا دن آئے گا تو میں عرش کے مالک اللہ کی پناہ لوں گا اور اے علیؑ! آپؑ میرا دامن تھامیں گے، آپؑ کی ذریت آپؑ کے دامن اقدس کی پناہ لے گی اور شیعہ آپؑ سب آل محمدؑ سے مدد چاہیں گے۔ (۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے اپنے آباء کرامؑ سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہم اہل بیتؑ کی مدد کرنے میں بے بس ہو اور تنہائی میں ہمارے دشمنوں پہ لعنت کرے تو خدا اُس کی آواز زمین سے عرش تک کے تمام فرشتوں تک پہنچاتا ہے، لہٰذا یہ شخص جب جب ہمارے دشمنوں پہ لعنت کرتا ہے تو وہ فرشتے لعنت کرنے میں اُس کا ساتھ دیتے ہیں، اور پھر اُس لعنت کرنے والے پر اِس طرح درود بھیجتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عَبْدِكَ هٰذَا الَّذِىْ قَدْ بَذَلَ مَا فِىْ وُسْعِهٖ، وَلَوْ قَدَرَ عَلٰى اَكْثَرَ مِنْهُ لَفَعَلَ

"اے اللہ! اپنے اِس بندے پہ رحمت نازل فرما کہ جس اپنی استطاعت

(۱) (حوالہ سابق)
(۲) (بحار الانوار: ۲۷/ ۱۳۹)
(۳) (بحار الانوار: ۲۷/ ۱۶۱)

www.shiabookspdf.com

کے مطابق اپنا فرض انجام دیا۔ اگر یہ اِس سے زیادہ پہ اختیار رکھتا تو ضرور کرتا"۔

اِس پر خدائے عز و جل کی جانب سے یہ نداء آتی ہے: میں نے تمہاری دعا قبول کر لی اور تمہاری پکار کو سن لیا ہے۔ اِس لیے میں نے اُس کی روح پہ رحمت نازل کی اور اِسے اپنے چنیدہ و برگزیدہ بندوں میں شامل کر لیا۔ (۱)

۱۰۶- یہ وہی حدیث ہے جو چوبیسویں نمبر پہ گزری ہے۔

ایک طویل خبر میں سرکارِ رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ غدیر کے روز ولایت کو ساتوں آسمانوں کی مخلوقات پہ پیش کیا گیا تو سب سے پہلے ساتویں آسمان کے ساکنین نے اِسے قبول کیا۔ اِس وجہ سے خدا نے اُسے اپنے عرش سے سجا دیا۔ (۲)

اہل بیتؑ کی مظلومیت کے بارے میں ایک طویل حدیث میں آیا ہے۔ جس میں خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: پھر میں اُن (امام حسین علیہ السلام) کی صلب سے ایک شخص کو نکالوں گا اور اُس کی مدد اُن کا انتقام لوں گا۔ اُس کی شبیہ اِس وقت بھی عرش کے نیچے میرے پاس موجود ہے۔ اور زمین کو عدل سے بھر دے گا اور (اِس میں لگی مظالم کی آگ کو) انصاف سے بجھا دے گا۔ (۳)

اے اللہ! تجھے محمدؐ و آلِ محمدؑ اور اپنے عظیم اعظم اسم کا واسطہ! اُن کا ظہور جلد فرما اور اُن کی راہیں ہموار کر۔ اے خدا! ہمیں وہ روشن صبح اور بہترین زمانہ جلد دکھا۔ اور ہمیں اُن کے مخلص شیعوں، اُن کے مذہب کے مددگاروں، اُن کے دین کے حامیوں، اُن کی رکاب میں شہید ہونے والوں اور اُن کی آمد، حکومت اور ولایت کا حقیقی انتظار کرنے والوں میں سے قرار دے۔

(آمین، ثم آمین)

یہ ہم نے اُن بہت سی روایات میں سے چند ایک نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں جو محمدؐ و آلِ محمدؑ

(۱) (بحار الانوار: ۲۷/ ۳۲۳)
(۲) (حوالہ سابق: ۲۶۲)
(۳) (بحار الانوار: ۲۸/ ۶۲)

کے کئی حالات میں سے ایک حالت کو بیان کرتی ہیں۔ یعنی وہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے عالم انوار میں تھے، پھر خدا کے عرش میں اُس کی مخلوق کے پاس آئے کہ جسے اُس نے اُن ذواتِ مقدسہؑ کے انوار سے پیدا کیا۔ پھر وہ قوسِ نزولی میں عالم اصلاب و ارحام میں آئے اور پھر قوسِ صعودی میں اپنے پروردگار کے پاس چلے گئے۔ خدا نے مخلوق کی خلقت کی ابتداء بھی انہی سے کی اور اختتام بھی انہی پر کرے گا۔ اُن میں اور خدا میں یہی فرق ہے کہ وہ اُس کے عظیم المرتبہ بندے ہیں اور اُس نے اپنے دستِ قدرت سے انہیں خلق کیا ہے۔

نویں فصل

عرشِ الٰہی کے عوالم و معالم

قرآنِ کریم کی آیات اور معدنِ علم و رسالتؑ کی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرش کا اطلاق متعدد معانی پر ہوتا ہے۔ لہٰذا کبھی یہ عالم اسماء و صفات میں ہوتا ہے اور کبھی عالم نور میں ہوتا ہے۔ اِس صورت میں یہ نطاقِ امر میں اِسم نوری کا مظہر ہوتا ہے۔ لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ جیسا کہ اِس کا ظہور عالمِ خلق میں ایسے ہوتا ہے کہ وہ عالم علوی ملکوتی سے مناسبت رکھتا ہے۔ وہ وہی ہے جس نے اپنے نبیؐ اور اُس کے وصیؑ کو اپنے نورِ مطلق اور مطلقِ نور سے پیدا کرنے کے بعد عالم خلق کا آغاز کیا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔)

www.shiabookspdf.com

اِس دوسرے عرش (خلقی) کی مجازی جہتیں ہوتی ہے۔ جیسے دائیں، بائیں، اوپر، نیچے، آگے اور پیچھے۔ اِس کا سایہ، پائے، سرادقات، ارکان اور وسطانیہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی عرش کے نیچے پانی، ہوا، بارش، لوحِ محفوظ، ملائکہ کے سجدے، فطرت، میزانِ عدل، لوگوں کا اجتماع، مخفی حجبِ علوی، فرشتوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ، سبز زبرجد، بیت المعمور، بحرِ مسجور، قنادیل اور دوسرے عوالم و معالم ہوتے ہیں۔

اگر ہم اُن عوالمِ روحانیہ کی سیر کرنا چاہیں تاکہ عرشِ الٰہی کے بارے میں ہماری فکرِ اسلامی میں نئی آفاق کھل جائیں۔ تو کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اس سلسلے میں نبی و آلِ نبیؐ کا دروازہ کھٹکھٹائیں کہ جو علم و رسالت کا معدن ہیں۔ کیونکہ اوروں کی نسبت انہیں بہتر طور پر معلوم ہے کہ عرش میں کیا کچھ ہے۔ وہ اُن کے نور سے خلق ہوا ہے۔ وہ اُس کے اہل ہیں اور اُس کی فضاؤں میں ہوتے ہیں۔ اہلِ خانہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے؟ اِس لیے یہاں میں

اِس موضوع کی اجمالی و تفصیلی روایات کو بغیر تبصرہ و حاشیہ کے نقل کروں گا۔ اب یہ قارئین پہ ہے کہ وہ کیسے اِن سے موتی نکالتے ہیں اور اُن حقائق پر مطلع ہوتے ہیں جو انہیں دنیا میں زاہد بنا دیں اور اُن کے دلوں میں عرشِ الٰہی کے سایے میں رہنے کا شوق و جذبہ پیدا کریں۔

۱- ایک طویل حدیث میں ہشام بن حکمؒ سے روایت نقل ہوئی ہے، انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اِس فرمانِ الٰہی: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کے بارے میں سوال کیا تو امامؑ نے فرمایا: خدا نے یہ اپنا وصف بیان کیا ہے۔ وہ اِسی طرح اپنے عرش پہ غالب ہے اور مخلوق سے جدا ہے۔ لیکن عرش نے اُسے اٹھایا ہوا نہیں، اور نہ ہی وہ اُس کا محل ہے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ عرش کا اٹھانے والا اور اُسے تھامنے والا ہے۔ ہمارا اِس کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو اُس نے اپنے اِس فرمان میں بیان کیا ہے: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (اُس کی کرسی آسمانوں اور زمین پہ محیط ہے۔) لہٰذا ہم عرش و کرسی سے وہی ثابت کرتے ہیں جس کا اُس نے قرآن میں بیان کیا ہے۔ اور اِس بات کی نفی کرتے ہیں کہ عرش و کرسی اُس کا احاطہ کیے ہوئے ہوں۔ نیز اِس بات کی بھی کہ وہ کسی جگہ یا اپنی کسی مخلوق کا محتاج ہو۔ بلکہ مخلوق اُس کی محتاج ہے۔

سائل نے کہا: تو اگر لوگ دعا میں ہاتھوں کو بلند کریں یہ نہ کریں تو اِس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: اگرچہ یہ (آسمان کی طرف بلند کرنا یا زمین کی طرف نیچے) سب اُس کے احاطہ، علم اور قدرت میں ایک جیسے ہیں، مگر اُس نے اپنے اولیاء اور بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھائیں۔ کیونکہ اُس نے آسمان کو رزق کا معدن بنایا ہے۔ ہم اِس بارے میں بھی وہی کہتے ہیں جو قرآن و اخبارِ رسولؐ میں بیان ہوا ہے کہ اپنے ہاتھوں کو خدائے عزّوجل کی طرف بلند کرو۔ اِس پر امت کے تمام فرق و مسالک جمع ہیں۔ [1]

واضح رہے کہ ہمیں صرف عرش کے اردگرد اور نیچے کی چیزوں کے بارے میں بات کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن جہاں تک عرش کے اوپر کا معاملہ ہے تو ہمیں اِس کے بارے

[1] (بحار الانوار: ۳؍۳۰)

میں غور و فکر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اُس کا علم اہل افراد کے پاس ہے۔ اِس لیے نہ ہم اِس بارے میں زبان کھولتے ہیں اور نہ دماغ میں کچھ سوچتے ہیں کہ عرش کے اوپر کیا ہے؟

۲- جناب محمد بن مسلمؒ سے روایت ہے، انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ عرش کے نیچے کی چیزوں کے بارے میں بات نہ کرو، عرش کے اوپر (یعنی خدا) کے بارے میں بحث نہ کرو۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے خدا کے بارے میں بحث کی تو وہ ایسے گمراہ اور حواس باختہ ہوئے کہ اُن میں سے کسی کو سامنے سے آواز دی جائے تو وہ پیچھے کو جواب دیتا ہے۔ [1]

ہمارے قارئین کو یہ نکتہ اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے کہ عرش آسمانوں میں موجود کوئی مادی شے نہیں۔ کہ جیسے زمین میں مادی اشیاء ہوتی ہیں۔ اور یہ کہ معاذ اللہ خدا اُس پہ بیٹھتا ہے تو اُس سے زین کے چر چرانے کی آواز آتی ہے۔ (صحیح مسلم) جیسا کہ مجسمہ فرقہ، حنابلہ، ابن تیمیہ، ابنِ قیم اور محمد بن عبد الوہاب کے پیروکاروں کا یہی عقیدہ ہے۔ یہ نہایت ہی مردود اور پست نظریہ ہے۔ اِس کی تردید و نفی میں عقل اور کتاب و سنت کے محکم براہین موجود ہیں۔ جیسا کہ امیر المومنینؑ نے اِس کی طرف ایک یہودی کی راہنمائی کی۔

www.shiabookspdf.com

۳- خصال میں ہے کہ یہودیوں کا ایک عالم ابوبکر کے پاس آیا اور کہا: کیا تم اِس امت پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہو؟ اُس نے کہا: جی۔ یہودی عالم نے کہا: ہم نے تورات میں پڑھا کہ انبیاءؑ کے خلفاء اپنی امت کے سب سے بڑے عالم ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ مجھے بتائیں کہ خدا اِس وقت کہاں ہے؟ آسمان میں یا زمین میں؟

ابوبکر نے اُسے جواب دیا: خدا آسمان میں عرش پہ موجود ہے۔ یہودی نے کہا: اِس کا مطلب تو یہ ہوا کہ زمین اُس سے خالی ہے۔ آپ کی بات سے مجھے جو سمجھ میں آیا وہ یہ ہے کہ ایک جگہ ہو تو دوسری جگہ نہیں ہو سکتا۔

یہ سن کر ابوبکر نے کہا: یہ زندیقوں کا کلام ہے، جو تو کہہ رہا ہے۔ مجھ سے دور ہو جا ورنہ تجھے جان سے مار دوں گا۔

یہ ردِعمل دیکھ کر وہ بہت حیران ہوا اور اسلام کا مذاق اڑاتا ہوا واپس چلا گیا۔ راستے

[1] (بحار الانوار: ۳؍۳۵۹)

اُسے مولا امیر کائنات ملے اور اُس کو مخاطب کر کے کہا: اے یہودی! میں جانتا ہوں کہ تیرا سوال کیا تھا اور اُس نے تمہیں جواب کیا دیا۔ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا اَیْنَ (مکان) کا خالق ہے اور اُس کے لیے کوئی این مقرر نہیں کی جا سکتی۔ اُس کی شان بلند ہے کہ کوئی جگہ اُس کا احاطہ کر سکے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے لیکن نہ اُسے مس کرنا نہ ہی اُس کے قریب ہوتا ہے۔ وہ اپنے علم سے اُس کی تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی بھی چیز اُس کی تدبیر سے خالی نہیں۔ میں یہ جو باتیں کی ہیں اِن کا حوالہ تمہارے نبیوں کی کتاب سے پیش کرتا ہوں۔ بتاؤ اگر تمہیں معلوم ہو گیا تو ایمان لے آؤ گے؟ یہودی نے کہا: جی ہاں۔

مولا نے فرمایا: کیا تمہاری کتابوں میں یہ واقعہ درج نہیں کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام بیٹھے ہوئے کہ مشرق سے ایک فرشتہ اُن کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ اُس نے جواب دیا: میں خدا کے پاس سے آیا ہوں؟ پھر ایک فرشتہ مغرب سے آیا۔ انہوں نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ اُس نے بھی کہا: خدا کی طرف سے۔ پھر ایک اور فرشتہ آیا۔ انہوں نے اُس سے بھی یہی سوال کیا کہاں سے آئے ہو؟ اُس نے کہا: میں ساتویں آسمان سے خدا کے پاس سے آیا ہوں۔ اِس کے بعد ایک فرشتہ آیا۔ انہوں نے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ تو اُس نے بتایا کہ میں ساتویں زمین سے خدا کے پاس سے آیا ہوں۔

اِس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: پاک ہے وہ ذات جس سے کوئی جگہ خالی نہیں اور نہ کوئی جگہ، دوسری کی نسبت اُس سے زیادہ قریب ہے۔

یہ سن کر یہودی عالم نے بے ساختہ کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہی واضح و روشن حق ہے۔ اور آپ اُس کرسی نشین سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام پر بیٹھنے کے لائق ہیں۔ (۱)

۴- ایک اور یہودی عالم نے مولا امیر علیہ السلام سے کچھ سوالات کیے۔ اُن سے ایک سوال یہ تھا: بتائیے آپ کا رب اُٹھاتا ہے یا اُسے اُٹھایا جاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: میرا خدا ہر شے کو اپنی قدرت سے اٹھائے ہوئے ہے۔ اُسے کوئی چیز نہیں اٹھاتی۔ اُس نے کہا: پھر اِس آیت کا کیا معنی ہے: وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾؟

(۱) (بحار الانوار: ۳/۱۳۰)

مولا نے فرمایا: اے یہودی! کیا تو نہیں جانتا کہ خدا آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے اور جو تحت الثریٰ میں ہے، سب کا مالک ہے۔ یہ تمام چیزیں ثریٰ پہ قائم ہیں اور ثریٰ خدا کی قدرت پہ قائم ہے۔ لہٰذا خدا کی قدرت ہر چیز کو اٹھائے ہوئے ہے۔

۵- جناب ابو الصلت ہروی سے روایت ہے کہ مامون نے سرکارِ رضا علیہ السلام سے اِس فرمانِ الٰہی: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔ کی تفسیر معلوم کی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

خدا نے عرش، پانی اور فرشتوں کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے خلق کیا۔ ملائکہ اپنی، عرش اور پانی کی تخلیق کو دیکھ کر خدا کے وجود پر استدلال کرتے تھے۔ پھر اللہ نے پانی کو عرش کے نیچے رکھا تا کہ ملائکہ کے سامنے اپنی قدرت کا اظہار کرے۔ اِس طرح وہ جان لیں کہ خدا ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ پھر خدا نے اپنی قدرت سے عرش کو بلند کیا اور ساتوں آسمانوں سے اوپر لے گیا۔ پھر اُس نے عرش پہ اپنا اقتدار قائم کیا اور چھے ایام میں آسمانوں اور زمین کو خلق کیا۔ وہ اِس پر بھی قادر تھا کہ انہیں گوشۂ چشم ہلنے کی دیر میں خلق کر دے۔ مگر اُس نے انہیں چھے ایام میں خلق کیا تا کہ فرشتوں پہ ظاہر ہو وہ کیسے بعد دیگرے کیا کیا خلق کرتا ہے۔ نیز اِس سے باری باری وجود میں آنے والی چیزوں کے حادث ہونے پر استدلال کیا جائے۔

خدا نے عرش کو اِس لیے خلق نہیں کیا اُسے اِس کی کوئی احتیاج و ضرورت تھی۔ کیونکہ وہ عرش اور دوسری تمام مخلوقات سے غنی و بے نیاز ہے۔ اُس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عرش پر ہے۔ کیونکہ وہ جسم نہیں رکھتا۔ اور اُن تمام باتوں سے بہت بالاتر ہے کہ جو لوگ اُس کے بارے میں کہتے ہیں۔ (۱)

اِس خبر سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرشِ علمی، عرشِ رحمانی اور دیگر عروش کو خدا عالم مجردات، جیسے عقولِ مجردہ، عالم انوار اور عالم ارواح میں خلق کرتا ہے۔ وہ اُس کی مخلوق ہے اور وہ اُس سے بے نیاز ہے۔ لیکن جہاں تک عرش بمعنی علم ہے تو یہ خدا کے عین ذات ہے۔ جیسا کہ یہ اپنے مقام پر ایک صحیح و ثابت شدہ عقیدہ ہے۔

(۱) (بحار الانوار: ۳/۳۱۸؛ عیون اخبار الرضا)

www.shiabookspdf.com

۶۔ ہشام بن حکمؒ سے مروی حدیث میں آیا ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک زندیق امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ سے کچھ سوالات کے جوابات معلوم کیے۔

زندیق سائل نے کہا: کیا آپؑ یہ مانتے ہیں کہ خدا آسمانِ دنیا پہ اترتا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: ہاں! ہم اِس کے قائل ہیں۔ اِس کا ذکر روایات صحیحہ میں آیا ہے۔

سائل نے کہا: جب وہ عرش سے نیچے آتا ہے تو کیا اُس سے ہٹتا نہیں؟ کیا اُس کا منتقل ہونا اُسے عرش سے ہٹاتا نہیں؟!

تو امامؑ نے فرمایا: خدا کے لیے ایسے نہیں ہوتا کہ جیسے مخلوق کو منتقل ہونے کے لیے ایک حالت سے دوسری حالت اور تکلیف وصعوبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور نقل کرنے والا اُس کی حالت کو متغیر کر دیتا ہے۔ جبکہ خدائے بزرگ و برتر پہ تو کوئی حال ظاہر ہوتا ہے اور نہ اُس پہ حوادث وتغیرات آتے ہیں۔ لہٰذا اُس کے نازل ہونے کا مطلب وہ نہیں جو مخلوق کا ہوتا ہے کہ جب وہ ایک جگہ کو چھوڑتی ہے وہ جگہ اُس سے خالی ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ بنا کسی زحمت وحرکت کے آسمان دنیا پر آتا ہے۔ تو وہ جیسے ساتویں آسمان پر ہوتا ہے ویسے ہی آسمان دنیا پر موجود ہوتا ہے۔ اِس سے خدا کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور وہ جہاں چاہتا ہے اپنے اولیاء کو رویت قلبی سے نوازتا ہے۔ اور جس قدر چاہتا ہے اپنی قدرت کے آثار نمایاں کرتا ہے۔ اُس کا قریب و دور ہر جگہ دیکھنا ایک جیسا ہے۔

علامہ مجلسی کہتے ہیں کہ خدا کے عرش پر غالب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کا اقتدار فقط اُسی میں محدود ہے۔ بلکہ اِس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی قدرت کے ساتھ اِس پر غالب ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خیر پر ہے اور اِن اِن کاموں میں مدد کرتا ہے۔ تو اِس کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ فقط یہی کرتا ہے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہوگا وہ اِن کاموں کو انجام دینے کی قدرت وصلاحیت رکھتا ہے۔ (البتہ اُس کی قدرت و استعداد یہیں تک ہی محدود نہیں ہے۔) اِسی طرح خدا کے آسمانِ دنیا پر آنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جاتا ہے اور کوئی مسافت طے کرتا ہے۔ بلکہ اِس سے مراد خدا کا آسمانِ دنیا پر اپنا امر نازل کرنا ہے۔ کیونکہ عرش وہ مقام جہاں پر سدرہ المنتہیٰ تک آنے والے اعمال کو پہنچایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی خدا

آسمانِ دنیا کو رات کے آخری تہائی حصے میں، اور شب ہائے جمعہ میں اعمال کے عرش تک پہنچنے کی مسافت کو باقی اوقات سے کم کر دیتا ہے۔

اُس کے اپنے اولیاء کو اپنا دیدار کرانے سے مراد اُن کے سامنے اپنی فطرت کے عجائبات کو ظاہر کرنا ہے۔ جیسا کہ ہمارے یہاں بھی رائج ہے کہ جب کوئی حاکم اپنی قوت وطاقت اور لاؤ لشکر کو باہر لائے تو ہم کہتے کہ اُس نے اپنا آپ ظاہر کیا ہے۔ کلام اور لفظِ مجاز اِسی پر دلالت کرتے ہیں۔ ①

مخفی نہ رہے کہ یہاں کچھ امور عرش سے متعلق تھے۔ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرش سے مراد علمِ الٰہی ہے۔ بصورتِ دیگر اِسے غیر کے لیے وجود دینا انوار اور اجسام لطیفہ سے ہوگا کہ جو عالم ملکوتی سے مناسبت رکھتی ہوں گی اور عالمِ ناسوتی سے جدا ہوں گی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہیں تعبیر کی کمی کے سبب اجسام لطیفہ کہہ دیا جاتا ہے۔

۷۔ اِس معنی میں روایت میں وارد ہوا ہے کہ مومن کی موت کے وقت ایک منادی اُس کی روح اَز جانبِ خدا افق اعلیٰ یعنی عرش کے وسط سے یہ نداء دیتا ہے: اے محمدؐ و آلِ محمدؐ پہ اطمینان رکھنے والے نفس! بخوشی ورغبت اپنے رب کے پاس پلٹ آ۔ آ میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ ②

www.shiabookspdf.com

۸۔ ابو ولاد حناط سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے صادق آلِ محمد علیہ السلام سے پوچھا: قربان جاؤں! لوگ یہ روایت کرتے ہیں کہ مومنوں کی ارواح سبز پرندوں کے جھنڈ میں عرش کے گرد موجود رہتی ہیں۔ تو امامؑ نے فرمایا: نہیں! خدا کی نگاہ میں مومن کی عزت اِس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ وہ اُس کی روح کو پرندوں کے جھنڈ میں شامل کرے۔ ③

اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مومن وفات بعد عرش کے گرد دنیوی بدن کی مانند بدن کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ جب کوئی اُس کے پاس جاتا ہے تو وہ اُس کی دنیا والی شکل صورت

---

① (بحار الانوار: ۳/۳۳۲)

② (بحار الانوار: ۶/۱۶۴)

③ (بحار الانوار: ۶/۲۶۸)

دیکھ کر اُسے پہچان لیتا ہے۔

۹۔ ابن ابی عمیر سے روایت نقل ہوئی ہے انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ مولا علیؑ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس آیت کریمہ: [يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا] کی تفسیر پوچھی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

یا علیؑ! وفد انہی کو کہا جاتا ہے جو سوار ہوں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے خدا کا تقویٰ اختیار کیا تو اُس نے اُن کو پسند کر لیا، انہیں اپنے یہاں خاص مقام عنایت کیا اور اُن کے اعمال سے خوش ہو کر اُن کا نام متقی رکھ دیا۔ پھر فرمایا: یا علیؑ! اُس خدا کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور کونپل کو نکالا، وہ لوگ اپنی قبروں سے نکلے گے تو اُن کے چہرے برف کی مانند سفید ہوں گے اور اُن کا لباس دودھ کی طرف سفید ہوگا۔ اُن کے جوتے سونے کے ہوں گے جن کے تسمے چمکدار قیمتی موتیوں سے تیار کیے ہوں گے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے: ملائکہ جنتی ناقے لے کر عزت واحترام کے ساتھ اُن کے استقبال کے لیے آئیں گے۔ اُن ناقوں پر سونے کے محمل ہوں گے جو موتیوں اور یاقوت سے مرصع ہوں گے۔ اُن کی جھول اطلس اور نفیس قسم کی ریشم سے بنی ہوگی۔ اُن کی نکیل گہرے سرخ رنگ کے پھولوں سے بنی ہوگی۔ اُن کی مہار زبرجد سے تیار کی گئی ہوگی۔ وہ ناقے انہیں اڑا کر اُن کی نشست گاہ میں پہنچا دیں گی۔ ہر شخص کے آگے اور دائیں و بائیں ایک ایک ہزار فرشتے ہوں گے جو انہیں لے کر جنت کے سب سے بڑے دروازے کے پاس پہنچا دیں گے۔

جنت کے دروازے پر ایک درخت ایسا ہوگا جس کے ایک پتے کے نیچے ایک لاکھ لوگوں کو سایہ ملے گا۔ اُس کے درخت کی دائیں جانب ایک نہایت ہی شفاف و پاکیزہ چشمہ ہوگا۔ جب وہ اُس سے ایک گھونٹ پئیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں کو حسد سے پاک کر دے گا اور اُن کی جلد سے بال اتر جائیں گے۔ اِس چشمے کا ذکر اِس فرمانِ الٰہی میں آیا ہے: وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا (اور اُن کا رب انہیں ایک پاکیزہ مشروب پلائے گا۔) پھر وہ واپس عین ثری کی طرف مڑیں گے جو اُس درخت کی بائیں جانب ہوگا۔ وہ اُس سے غسل کریں گے۔ وہ آبِ حیات کا چشمہ ہے۔ اُس میں غسل کرنے کے بعد انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔

اِس کے بعد انہیں عرش کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور وہ تمام آفات و امراض اور ہر طرح کی گرمی و سردی سے ہمیشہ کے لیے امان میں ہوں گے۔ اُس وقت خداوند جبار اُن کے ہمراہ ملائکہ سے کہے گا: میرے اِن ساتھیوں کو جنت میں لے جاؤ۔ انہیں باقی خلائق کے ساتھ کھڑا نہ کرو۔ میں پہلے ہی اِن سے راضی ہو چکا ہوں اور میں نے اِن پر اپنی رحمت واجب کر دی ہے۔ سواب میں کیوں انہیں نیکو کاروں اور برائیاں کرنے والوں کے ساتھ روکے رکھوں؟! خدا کا حکم پا کر فرشتے انہیں جنت کی طرف لے کر چلیں گے۔ جب وہ جنت کے مرکزی دروازے پر پہنچیں گے تو اُس کی کنڈی بجائیں گے۔ اُس سے ایک گونج پیدا ہوگی جو ہر حور کے کان میں پڑے گی کہ جنہیں خدا نے نیک بندوں کے خلق و آمادہ کیا ہے۔ جب حوریں کنڈی بجنے کی آواز سنیں گی تو ایک دوسرے سے گلے ملیں گی اور کہیں گی: لو خدا کے نیک بندے ہمارے پاس آ گئے۔

پھر اُن کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور حورِ عین اور اولادِ آدمؑ کی حوریں اُن کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔ وہ انہیں دیکھ کر کہیں گی:

www.shiabookspdf.com

مرحبا! ہمیں آپ لوگوں سے ملنے کا کس قدر شوق تھا؟! اُن کے جواب میں خدا نے نیک بندے بھی یہی کہیں گے۔

مولا علی علیہ السلام نے سوال کیا: یا رسولؐ اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یا علیؑ! وہ آپؑ کے شیعہ اور آپؑ اُن کے امام ہیں۔ یہی اِس فرمانِ الٰہی کی تفسیر ہے:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝

"اُس روز ہم متقی لوگوں کو خدائے رحمٰن کی طرف (کجاوں پر بٹھا کر) لے جائیں گے۔ اور مجرموں کو ہانک کر جہنم کی طرف دھکیلیں گے"۔ (سورۃ مریم)[1]

۱۰۔ عامر الجہنی سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں

(بحار الانوار: ۷/۱۷۳)

رسول خدا ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ ہمارے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان تھے، اور ایک کونے میں مولا علیؑ بھی موجود تھے۔ رسول خدا ﷺ آئے اور مولا علی علیہ السلام کے پاس کے بیٹھ گئے۔ وہاں بیٹھ کر آپؐ دائیں بائیں دیکھنے لگے، پھر فرمایا: عرش کی دائیں اور بائیں جانب کچھ لوگ نور کے منبروں پر موجود ہیں۔ اُن کے چہروں سے نور جھلکتا ہے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر اٹھے اور کہا: یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پہ قربان جائیں! کیا اُن میں سے ہوں؟ آپؐ نے اُس سے کہا: تم بیٹھ جاؤ۔ پھر حضرت عمر اٹھے اور انہوں نے بھی یہی پوچھا تو آپؐ نے انہیں بھی بیٹھے رہنے کا کہا۔

جب جنابِ ابن مسعودؓ نے دیکھا کہ رسول خدا ﷺ نے اُن دونوں کو بیٹھنے کا کہا ہے تو وہ اٹھے اور عرض کی: یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پہ نثار! ہمیں بتایئے وہ کون لوگ ہیں۔ تاکہ ہم انہیں اُن کی صفات سے پہچان لیں۔

اِس پر رسول خدا ﷺ نے مولا علی علیہ السلام کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ اور اِس کے شیعہ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ ①

۱۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے، آپؑ نے اپنے باباؑ کے واسطہ سے اپنے جد کریم علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے مولائے کائناتؑ سے فرمایا: یاعلیؑ! مجھے اپنی امت کے طینت والے مثالی جسم دکھائے گئے حتی میں نے اُن میں چھوٹے و بڑے سب کو دیکھ لیا۔ یہ اُن کی روحیں تھیں اور ابھی اُن کے ظاہری جسم نہیں بنے تھے۔ جب میں آپؑ اور آپؑ کے شیعوں کے پاس سے گزرا تو میں نے آپؑ لوگوں کے حق میں طلبِ مغفرت کی۔

مولائے کائناتؑ نے عرض کی:

یارسولؐ اللہ! مجھے اِن کے بارے میں کچھ مزید بتائیں؟

تو آپؐ نے فرمایا: ہاں یاعلیؑ! آپؑ اور آپؑ کے شیعہ اپنی قبروں سے اِس حال میں اٹھائے جائیں گے کہ آپ لوگوں کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح جگمگا رہے ہوں گے۔ تمہاری پریشانیاں ختم اور دکھ زائل ہو چکے ہوں گے۔ تم لوگ عرش کے سایے میں ہو گے۔ لوگ

① (بحار الانوار: ۷/۱۷۹)

خائف و ترساں ہوں گے مگر تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ لوگ غم و بے چینی کا شکار ہوں گے مگر تمہیں کوئی غم نہ ہوگا۔ تمہارے لیے دسترخوانِ نعمت لگایا جائے، جبکہ باقی اپنے اعمال کا حساب دے رہے ہوں گے۔ ①

روزِ قیامت والے عرش سے مراد وہ عرش ہے جس کی تصویر و مثال ہو سکتی ہے۔ وہ خدا کا اسی عرش ہے۔ اُخروی نعمات کی جو بھی دائمی نشانیاں بتائی جاتی ہیں وہ سب عرش میں موجود ہیں۔ شیعانِ امیر المومنینؑ کا جنت میں سب سے بلند مقام ہوگا۔ انہی میں اُن کا امام ہوگا اور انہی میں وہ افراد ہوں گے جو عرش کے نیچے اور اُس کے گرد موجود ہوں گے۔

۱۲۔ حسین بن سعید سے مُعَنعَن روایت ہے، انہوں نے مولائے متقیانؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میں اور میرے شیعہ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ جب ملائکہ ہمارے پاس سے گزریں گے اور ہمیں سلام کہیں گے تو ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ یہ شخص کون ہے؟ اور یہ لوگ کون ہیں؟ تو انہیں کہا جائے گا: یہ علی ابن ابی طالبؑ نبی کے چچازاد ہیں۔ وہ کہیں گے: اور یہ لوگ؟ کہا جائے گا: یہ اُن کے شیعہ ہیں۔

www.shiabookspdf.com

وہ کہیں گے: پھر نبی عربیؐ اور اُن کے چچازاد بھائی کہاں ہیں؟ تو بتایا جائے گا کہ وہ عرش کے پاس ہیں۔

پھر آسمان سے خدا کی جانب سے ایک منادی نداء دے گا: یاعلیؑ! آپؑ اور آپؑ کے شیعہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ آپؑ سے اور اُن سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ تو وہ جنت میں چلے جائیں اور اُس میووں و ثمرات سے لطف اندوز ہوں گے۔ اور ایسے نفیس و اعلیٰ موٹے و باریک ریشم کے لباس پہنیں گے جو پہلے کسی آنکھ نے نہ دیکھے ہوں گے۔ اِن نعمات کو دیکھ کر وہ کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾

تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم و بے چینی کو دور کیا

① (بحار الانوار: ۷/۱۸۰)

بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا قدردان ہے۔ (۱)

وہ جس نے اپنی مہربانی سے ہمیں یہ دو نعمتیں عطا کیں اور ہمیں جنت میں داخل کیا۔ تو یہ عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا صلہ ہے۔ اِس پر ایک منادی انہیں مخاطب کر کے نداء دے گا: خوشی و رغبت سے کھاؤ پیو۔ خدائے رحمٰن نے تم پر اپنی رحمت کی نظر کی ہے۔ سو تم پر نہ کوئی فقر و تنگی آئے گی، نہ حساب اور نہ ہی عذاب آئے گا۔ (۲)

۱۳- مولا امیرؑ روزِ قیامت باتقویٰ لوگوں کے حالات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: عرش کی جانب سے اُن کے لیے ایک ہوا چلے گی جو اُن پر چنبیلی اور گلِ بابونہ نثار کرے گی۔ (۳)

۱۴- رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے، آپؐ روزِ قیامت مولا علی علیہ السلام کی شان اور آپؑ کو پیش آنے والے واقعات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

علی ابن ابی طالب علیہ السلام ایک جنتی ناقہ پہ سوار ہوں گے۔ وہ فرشتوںؑ کے جس گروہ کے پاس سے گزریں گے وہ کہیں گے: یہ خدا کا بھیجا ہوا کوئی نبی معلوم ہوتا ہے۔ اور نبیوںؑ کے جس گروہ کے پاس سے گزریں گے وہ کہیں گے: یہ کوئی مقرب فرشتہ لگتا ہے۔ اِس پر عرش کے وسط سے ایک منادی دے گا: اے لوگو!

یہ نہ کوئی مقرب فرشتہ ہے، نہ فرستادہ نبی اور نہ ہی حاملِ عرش، یہ علی ابن ابی طالب ؑ ہے۔ اُن کے پیچھے اُن کے شیعہ آئیں تو ایک منادی شیعوں سے کہے گا: تم کون ہو؟ وہ جواب میں کہیں گے: ہم علیؑ والے ہیں۔

اِس کے جواب میں انہیں نداء آئے گی: اے علیؑ والو! تم امان میں ہو۔ جس سے محبت و ولاء رکھتے ہو اُس کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (۴)

۱۵- ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: اور میرا بھائی علی بن ابی طالب علیہ السلام

(۱) (سورۃ فاطر)

(۲) (بحار الانوار: ۷/۱۹۹)

(۳) (بحار الانوار: ۷/۲۲۰)

(۴) (بحار الانوار: ۷/۲۳۱)

www.shiabookspdf.com

ایک جنتی ناقہ پر سوار ہوں گے، اُن کے ہاتھ لواء الحمد ہو گا اور وہ عرش کے سامنے کھڑے ہو کر نداء دیں گے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

انہیں دیکھ کر باقی لوگ کہیں گے: یہ کوئی مقرب فرشتہ ہے یا بھیجا ہوا رسول یا پھر اللہ رب العالمین کے عرش کا اٹھانے والا ہے۔ تو عرش کے نیچے موجود ایک فرشتہ انہیں جواب دے گا: اے لوگو! یہ نہ مقرب فرشتہ ہے، نہ بھیجا ہوا نبی اور نہ ہی حاملِ عرش، یہ صدیق اکبر ہے، یہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے۔ (۱)

اِس مضمون کی روایات بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ ممکن ہے کہ تواتر کی حد تک پہنچ جائیں۔

۱۶- ایک حدیث میں ہے کہ پھر ایک منادی عرش کی جانب سے نداء دے گا۔

۱۷- روزِ قیامت کے احوال میں ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: پھر خدائے عز و جل فرمائے گا: اے خلائق! حساب کے لیے تیار ہو جاؤ! اُس روز خداوندِ جبار عرش پہ ہو گا (یعنی عرش سے حکم صادر کرے گا) لوگوں کے اعمال نامے سامنے لائے جائیں گے، میزانِ عمل لگے گا، اور نبیوںؑ اور شہداء یعنی آئمہ طاہرینؑ کو بلایا جائے گا۔ ہر امامؑ اپنے زمانے کے لوگوں کے بارے میں شہادت دے گا کہ اُس نے اُن میں خدا کا امر قائم کر دیا تھا اور انہیں خدا کے راستے کی دعوت دی تھی۔ (۲)

اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ہر چیز ایک مثالی شکل و صورت میں ظاہر ہو گی۔ سوائے خداوند سبحان کے۔ کیونکہ اُس کی مثل و صورت نہیں بن سکتی۔ لہٰذا عرش بھی ایسے ہی صورت میں ظاہر ہو گا جیسے فرشتوں کی صورتیں ہوتی ہیں۔ اِسی طرح قلم اور لوح آدمی کی صورت اختیار کریں گی۔ (۳)

(۱) (بحار الانوار: ۷/۲۳۴)

(۲) (بحار الانوار: ۷/۲۷۰)

(۳) اربابِ تحقیق کے لیے نقطہ ہے کہ تفسیر برہان وغیرہ میں ہے کہ لوح و قلم دو فرشتے ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ وہ فرشتے انسان کی شکل میں ظاہر ہوں۔ نیز وارد ہوا ہے کہ قلم مولا امیر المومنین کا لقب ہے۔ از مترجم

١٨- امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے اِس فرمانِ الٰہی (هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

جب قیامت کا دن آئے گا اور لوگوں کو حساب کے لیے پیش کیا جائے گا تو انہیں قیامت کی ہولناکیوں سے گزارا جائے گا یہاں تک کہ وہ ایک وسیع میدان میں پہنچ جائیں گے۔ وہاں خدائے جبار اُن پہ اپنی ہیبت طاری کرے گا تو وہ سخت اضطراب کی کیفیت محسوس کریں گے۔ پھر انہیں اُس میدان کی وسعت میں کھڑا کیا جائے گا اور خدا عرش سے اُن کی جانب متوجہ ہوگا۔ تو سب سے پہلے جسے نداء دی جائے گی اور وہ نداء تمام خلائق سنیں گے۔ وہ نداء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیٔ قرشی وعربی کے نام کی ہوگی۔ اُس نداء کو سن کر آپؐ اٹھیں گے اور جا کر عرش کی دائیں جانب کھڑے ہو جائیں گے۔ پھر تمہارے مولا علی علیہ السلام کے نام نامی کی نداء آئے تو آپؑ اٹھ کر جائیں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہو جائیں گے۔ پھر امت محمدیہ کو بلایا جائے گا اور وہ آ کر مولا علیؑ کے بائیں کھڑے ہو جائیں گے۔ پھر شروع سے لے کر آخر تک تمام نبیوںؑ اور اُن کی امتوں کو بلایا جائے گا تو وہ عرش کی بائیں جانب کھڑی ہو جائیں گی۔ پھر سب سے پہلے سوال جواب کے لیے قلم کو بلایا جائے گا تو وہ دو آئے گی اور دو آدمیوں کی صورت میں خدا کے سامنے کھڑی ہو جائے گی۔۔۔۔ ①

١٩- رجب کے روزے کی فضیلت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا؛ جو شخص ماہِ رجب کے تیرہ روزے رکھے تو قیامت کے دن اُس کے لیے عرش کے سایے میں سبز یاقوت کا ایک دسترخوان لگایا جائے گا جس کے ستون موتیوں کے ہوں گے اور وہ پوری دنیا کے مقابلے میں ستر گنا زیادہ وسیع ہوگا۔ ②

امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا عرش کے سایے کے نیچے کچھ لوگوں کو بھیجے گا جن کے چہرے اور ریش نور سے بنے ہوں گے۔ وہ نورانی کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے۔ انہیں دیکھ باقی خلائق کہیں گے: یہ انبیاءؑ تو نہیں؟ تو عرش کے نیچے سے نداء آئے گی: نہیں، یہ انبیاء نہیں۔

① (بحار الانوار: ۷/ ۲۸۱)

② (بحار الانوار: ۷/ ۳۰۱)

www.shiabookspdf.com

وہ کہیں گے: پھر کیا یہ شہداء ہیں؟ عرش کے نیچے سے آواز آئے گی: نہیں یہ شہداء بھی نہیں۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی مشکلات میں اُن کے لیے آسانیاں پیدا کرتے تھے اور مشکل میں پڑے شخص کی طرف متوجہ رہتے، یہاں تک کہ اُسے آسانی مل جائے۔ ①

٢٠- قرآن کے مجسم ہونے اور قیامت میں انسان کی شکل میں پیش ہونے کے بارے میں آیا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ قرآن لوگوں، شہداء، نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے پاس سے گزر آگے جائے گا۔ حتیٰ کہ عرش کے نیچے چلا جائے گا۔ وہاں سجدے میں گر جائے گا تو خدا اُسے پکار کر کہے گا: اے زمین میں میری حجت! اے میرے ناطق کلام! اپنا سر اوپر اٹھا۔ تو مانگ تجھے عطا کیا جائے گا اور جس کی چاہتا ہے شفاعت کر تیری شفاعت قبول کی جائے گی۔

تو قرآن اپنا سر اوپر اٹھائے گا۔ خدا کہے گا: تو نے میرے بندوں کو کیسے پایا؟ تو قرآن کہے گا: اے ربّ! اُن میں سے کچھ نے تو میری حفاظت کی، میرا لحاظ رکھا اور میرے حق کو بالکل بھی ضائع نہ کیا۔ مگر کچھ نے ضائع کیا، میرے حق کی تحقیر کی اور مجھے جھٹلایا۔ جبکہ میں ساری مخلوق پر تیری حجت ہوں۔ خدا فرمائے گا: مجھے اپنی عزت و جلالت اور بلند مقام و مرتبے کی قسم! میں آج تمہاری وجہ سے بہترین اجر و ثواب دوں گا اور تمہاری ہی وجہ سے سخت سے سخت عذاب دوں گا۔ ②

٢١- یہ وہی روایت ہے جو اِس سے پچھلی فصل میں ۹۴ویں نمبر پہ گزری ہے۔ اِس معنی میں روایات حدِ استفاضہ تک موجود ہیں۔

٢٢- رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن آئے گا تو خدا (جہنم کے داروغہ) مالکؑ کو حکم دے گا کہ وہ اُس کے ساتوں طبقوں میں خوب آگ بھڑکا دے۔ اور (جنت کے خازن) رضوانؑ کو حکم دے گا کہ آٹھوں کی آٹھوں جنتیں سجا سنوار دے۔ اِس کے بعد حکم دے گا: اے میکائیلؑ! پُل صراط کو جہنم کے اوپر پھیلا دو۔ پھر حکم فرمائے گا: اے جبرائیلؑ! عرش کے نیچے میزانِ عمل لگاؤ۔

① (بحار الانوار: ۷/ ۳۰۲)

② (بحار الانوار: ۷/ ۳۲۰)

اِس کے بعد فرمائے گا: اے محمدؐ! اپنی امت کو حساب کے لیے پیش کریں۔ پھر خدا فرمان صادر کرے گا کہ پُل صراط پر سات بڑی محراب نما عمارتیں بنائی جائیں۔ ہر عمارت کی لمبائی سترہ ہزار فرسخ ہوگی اور اُس پر ستر ہزار فرشتے موجود ہوں گے جو اِس امت کے مردوں اور عورتوں سے پوچھ گچھ کریں گے۔ سب سے پہلی ڈاٹ میں مولا امیر المومنینؑ کی ولایت اور اہل بیت محمدؐ کی محبت کے متعلق سوال ہوگا تو جو اِس کا قائل ہوگا وہ چمکنے والی بجلی کی مانند تیزی کے ساتھ اُسے کو عبور کر لے گا۔ اور جو اہل بیتؑ سے محبت نہ کرتا ہوگا وہ سر کے بل جہنم میں جا گرے گا۔ اگرچہ وہ اپنے ساتھ ستر صدیقین کی نیکیاں ہی لے کر آیا ہو۔ [1]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے اپنے آباء کرامؑ کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ جب قیامت کا دن آئے تو عرش کے وسط سے ایک منادی نداء دے گا کہ اے محمدؐ، اور اے علیؑ! ہر کافر و سرکش کو جہنم واصل کردو۔ اِس لیے جہنم میں ڈالنے والے یہی ہیں۔ [2]

۲۳- اِس معنی میں روایاتِ مستفیضہ وارد ہوئی ہیں: پھر عرش کے وسط سے نداء دی جائے گی: اے معشرِ خلائق! اپنی آنکھیں بند کرلو یہاں تک کہ میرے حبیب کی بیٹیؑ چل کر اپنے قصر کی طرف پہنچ جائیں گی۔ پھر میری بیٹی فاطمہؑ چلی جائیں گی۔ [3]

۲۴- مولا علیؑ سے اِس فرمانِ خدا: القیا فی جھنم کل کفار عنید کی تفسیر میں نقل ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کے روز خدا لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا تو میں اور آپؑ عرش کی دائیں جانب ہوں گے۔ اُس وقت مجھے یہ فرمان صادر ہوگا کہ تم دونوں (بھائی) اُٹھو اور ہر اُس کو جہنم میں ڈال دو جو تم دونوں سے بغض رکھتا تھا، تمہاری مخالفت کرتا تھا اور تمہیں جھٹلاتا تھا۔ [4]

۲۵- برید عجلی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا

[1] (بحار الانوار: ۷/۳۳۲)

[2] (حوالہ سابق)

[3] (حوالہ سابق: ۳۳۶)

[4] (بحار الانوار: ۷/۱۳۷)

www.shiabookspdf.com

کہ لوگ کیوں حجرِ اُسود اور رکن یمانی کا بوسہ لیتے ہیں، باقی دو رکنوں کا کیوں نہیں لیتے؟ تو امامؑ نے فرمایا: کیونکہ حجرِ اُسود اور رکن یمانی عرشِ الٰہی کی دائیں جانب ہیں۔ اور جو چیز خدا کے عرش کے دائیں طرف ہو وہ اُس کا لحاظ کرنا لازم قرار دیتا ہے۔

میں نے پوچھا: تو مقام ابراہیمؑ خانہ کعبہ کی بائیں جانب کیوں ہے؟ فرمایا: کیونکہ روزِ قیامت حضرت ابراہیمؑ کا ایک مخصوص مقام ہوگا اور اِسی طرح حضرت محمد ﷺ کا بھی۔ آپؐ کا مقام ہمارے رب کے عرش کی دائیں طرف اور حضرت ابراہیمؑ کا مقام عرش کی بائیں طرف ہے۔ اِس لیے حضرت ابرہیمؑ کا وہی قیامت کے دن والا مقام ہے۔ ہمارے رب کا عرش ہمارے سامنے کی طرف ہے پیچھے کی طرف نہیں۔

علامہ مجلسیؒ اِس خبر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے والد علامہؒ نے فرمایا:
اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان یہ تصور کرے کہ بیت اللہ دنیا و آخرت میں عرش کے عین سامنے ہے۔ اِس کے ساتھ انسان یہ بھی فرض کرے کہ بیت اللہ کی مثال ایک شخص کی سی ہے جس کا چہرہ لوگوں کی طرف ہو۔ اور بیت اللہ کا سامنے والا حصّہ اُس کا دروازے والا حصہ ہے۔ جب انسان بیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو مقام ابرہیمؑ اُس کے دائیں اور حجر بائیں ہوتا ہے۔ حالانکہ حجر بیت اللہ کے دائیں اور مقام ابراہیمؑ اُس کے بائیں ہے۔ یہی صورت عرش کی ہے آج بھی اور قیامت میں بھی یہی ہوگی۔ حجر ہمارے نبی ﷺ کے مقام کی شکل اور رکن یمانی آئمہ طاہرینؑ کے مقام کی مانند ہے۔

جس طرح اِس دنیا میں نبی کریم ﷺ اور معصومینؑ کا مقام بیت اللہ کے دائیں اور عرش کی دائیں طرف کے مقابل ہے ایسے ہی آخرت میں بھی اُن کا مقام یہی ہوگا۔ کیونکہ عرش کا سامنے والا حصّہ ہماری طرف ہے، نہ پیچھے والا۔ چنانچہ اگر عرش کی ہماری طرف پشت ہوتی تو نبی و آئمہ طاہرینؑ کا مقام اُس کی بائیں جانب اور حضرت ابراہیمؑ کا مقام اُس کی دائیں جانب قرار پاتا۔ یہ اِس خبر کی ظاہری تفسیر ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ اِس کا اشارہ حضرت ابرہیمؑ کے مقابلے میں ہمارے نبی ﷺ کے مقام کی بلندی کی طرف ہو۔ کہ جو نبی کریم ﷺ اور آئمہ طاہرینؑ کے بعد تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں۔ نیز بعض اخبار میں اُن دوسرے دو رکنوں کو

چومنے کے مستحب ہونے کا ذکر بھی آیا ہے۔ لہٰذا اِس سے مراد یہ ہوگا کہ اُن دو رکنوں کا بوسہ لینا تاکیدی ہے اور اِن دونوں کا تاکیدی نہیں۔ (1)

۲۶- رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا، اور وہ بھی عرش کی دائیں طرف اُس کے سایے میں کھڑے ہوں گے۔۔۔ حتیٰ کہ آپؑ (یا علیؑ!) میرے اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان کھڑے ہو جائیں گے۔ پھر عرش سے ایک منادی مجھے نداء دے گا: بہتر بابا، آپؐ کے بابا حضرت ابراہیمؑ ہیں اور بہترین بھائی، آپؐ کے بھائی علیؑ ہیں۔ (2)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ پھر عرش کی جانب سے ایک منادی نداء دے گا کہ کہاں ہیں نبی اُمّی! (3)

۲۷- جب خدا نے رسول اللہ ﷺ پر سورۃ الکوثر نازل کی تو مولا علیؑ نے پوچھا: یارسول اللہ! کوثر کیا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ ایک نہر ہے جو خدا نے مجھے عطا کی ہے۔ مولائے کائناتؑ نے فرمایا: بے شک یہ بہت ہی بابرکت نہر ہوگی۔ یا رسول اللہ! ہمیں بتائیے کہ اُس کی خصوصیات کیا کیا ہیں؟

تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ہاں، یا علیؑ! کوثر ایک نہر ہے جو خدا کے عرش کے نیچے بہہ رہی ہے۔ اُس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ نرم ہے۔ اُس کی بناوٹ میں استعمال کی گئیں اینٹیں زبرجد، یاقوت اور مرجان کی ہیں۔ اُس کی گھاس زعفران اور مٹی خوب مہکنے والی کستوری کی ہے۔ اُس کی بنیادیں عرش کے نیچے ہیں۔ پھر رسالت مآبؐ نے اپنا ہاتھ مولا امیر المومنینؑ کے پہلو پہ مار کر فرمایا: یہ نہر میرے لیے ہے اور میرے بعد آپؑ اور آپؑ کے حبداروں کے لیے ہے۔ (4)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: حوضِ کوثر ساقِ

(1) (بحار الانوار: ۷/۳۴۰)
(2) (بحار الانوار: ۸/۱-۲)
(3) (بحار الانوار: ۸/۱۷)
(4) (بحار الانوار: ۸/۱۸)

عرش سے نکلتی ہے۔ (1)

واضح رہے کہ یہ نہر کوثر کے مصادیق میں سے ایک مصداق ہے۔ اور کوثر دنیا و آخرت دونوں میں خیرِ کثیر کے معنی میں ہے۔

۲۸- نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: یا علیؑ! آپؑ اور آپؑ کے شیعہ حوضِ کوثر پہ ہوں گے۔ جسے پسند کریں گے اُسے سیراب کریں گے اور جسے پسند نہ کریں گے اُسے محروم رکھیں گے۔ تم لوگ بڑی سخت ہولناکی والے دن عرش کے زیر سایہ امان میں ہوں گے۔ لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہوگی اور تم اِس سے محفوظ ہوگے۔ لوگ غم و بے چینی کا شکار ہوں گے اور تم سکون و اطمینان میں ہوگے۔ (2)

۲۹- مولائے کائناتؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: میں پلِ صراط پہ کھڑے ہو کر مسلسل یہ دعا و پکار کروں گا: اے میرے ربّ! میرے شیعوں، حبداروں، ساتھیوں اور دارِ دنیا میں مجھ سے محبت و ولاء رکھنے والوں کو سلامت رکھ۔ پھر ایک دم عرش سے نداء آئے گی: آپؑ کی دعا قبول ہوگئی۔ (3)

www.shiabookspdf.com

ایک طویل حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ تو حضرت آدمؑ کہیں گے: میں تمہارا آقا نہیں۔ میرے رب نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔ پھر مجھے اپنے عرش پہ اٹھا کر فرشتوں سے میرا سجدہ کرایا۔ اِس کے بعد اُس نے مجھے ایک حکم دیا تو مجھ سے ترکِ اولیٰ ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: پھر میں مقامِ محمود کی طرف آؤں گا، حتیٰ کہ اُس پہ فائز ہو جاؤں گا۔ وہ عرش کے بالمقابل خوشبودار کستوری سے بنا ہوا ایک بلند مقام ہے۔ پھر ہمیں بلایا جائے گا اور ہمارا رب عرش پہ متمکن ہوگا۔ اعمال نامے پیش ہوں گے۔ پھر ہم پلٹیں گے اور اپنے دشمن کے خلاف شہادت دیں گے اور ہمارے شیعوں میں سے جو مُرہق ہوگا اُس کی شفاعت کریں گے۔

(1) (حوالہ سابق: ۱۲۶)
(2) (حوالہ سابق: ۲۸)
(3) (مصدر بالا: ۲۸)

راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: مرہق سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: گناہ گار، جو ہمارے شیعہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کریں گے۔ انہیں تو خدا اُن کی نیکی کے سبب خود ہی نجات دے دے گا اور انہیں نہ کوئی تکلیف ہوگی اور نہ وہ کسی غم و پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔

جزری کہتا ہے: فاذا نظرت الی ربی یعنی جب میں اپنے رب کے عرش یا اُس کی عزت یا اُس کے نورِ عظمت کی طرف دیکھوں گا۔ اور عرش پہ بیٹھنے سے حکم ظاہر ہونے، یا عرش سے حکم چلانے یا اُس میں کلام پیدا کرنے سے ہے۔

۳۰-امیر المومنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: جان لو کہ جو خدا سے تقوی اختیار کرتا ہے تو وہ اُس کے لیے فتنوں سے نکلنے کی راہ اور تاریکی سے بچنے کے لیے نور پیدا کر دیتا ہے۔ وہ اُسے ہمیشہ کے لیے وہ چیزیں عطا کر دیتا ہے جو اُسے پسند ہوتی ہیں، اُسے اپنے یہاں عزت کے مقام پہ رکھتا ہے اور اُسے اُس گھر میں ٹھہراتا ہے جسے اُس نے اپنے لیے بنایا ہوتا ہے۔ اُس گھر کی چھت خدا کا عرش، اُس کی روشنی خدا کی رحمت و رضا، اُس کی زیارت کرنے والے خدا کے فرشتے اور اُس کے ساتھی خدا کے رسول ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا: سو تم اپنے اعمال کی جانب سبقت کرو تا کہ خدا کے جوار میں رہنے والوں کے ساتھی بن جاؤ۔ خدا اپنے رسولوں کو اُن کا رفیق بناتا ہے، اپنے فرشتوں کو اُن کی زیارت و سلامی کے لیے بھیجتا ہے، اُن کی سماعتوں کو اپنی رحمت سے ہمیشہ جہنم کے شعلوں کے بھڑکنے کی آواز سے ناراحت ہونے سے امان میں رکھتا ہے اور اُن کے جسموں کو ہر قسم کی تھکاوٹ و اکتاہٹ سے بچائے رکھتا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔ اور وہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔ [1]

۳۱-ایک حدیث میں جنت میں اہل تقویٰ کی حالت کے بیان میں آیا ہے کہ وہ اسی طرح جنت کی آسائشوں میں موجود ہوں گے کہ انہیں عرش کے نیچے سے آواز آئے گی: اے اہل جنت! تمہیں یہاں آنا کیسا لگا؟ تو وہ جواب میں کہیں گے: ہمارا یہاں آنا سب سے اچھا ہے۔

[1] (حوالہ سابق: ۱۶۳)

۳۲-ایک حدیث میں شیطان سے بھی زیادہ شقی لوگوں کا حال بیان ہوا ہے۔ شیطان ملعون کہتا ہے: کہ میں نے جہنم میں دو اشخاص کو دیکھا۔ اُن کی گردنوں میں آگ کے طوق تھے اور انہیں لٹکایا گیا تھا۔ کچھ افراد اُن کے سروں پر کھڑے تھے اور اُن کے ہاتھوں میں آگ کی قینچیاں تھیں۔ وہ انہیں کاٹ رہے تھے۔ انہیں اِس قدر سخت عذاب میں مبتلا دیکھ کر میں نے جہنم کے داروغہ سے کہا: اے مالکؑ! یہ کون ہیں؟ اُس نے کہا: کیا تو نے ساقِ عرش کی تحریر کو نہیں دیکھا۔ تو دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے سے وہاں پہ لکھا ہوا دیکھ چکا ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَيَّدْتُهٗ وَنَصَرْتُهٗ بِعَلِيٍّ

یہ دو لعین اُن ہستیوںؑ کے دشمن اور اُن پہ ظلم کرنے والے ہیں۔

ممکن ہے کہ شاید خدا نے جہنم میں اُن کی صورتیں خلق کر دی ہوں۔ تا کہ وہاں اُن کے مقام کی تعیین ہو اور ملائے اعلی اور دوسروں سے احوال سننے والوں پر اُن کی بدبختی عیاں ہو جائے۔ [1]

www.shiabookspdf.com

۳۳-نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہودیوں کے ساتھ مناظرہ والی حدیث میں آیا ہے۔ یہودی نے کہا: حضرت موسیٰؑ آپؐ سے افضل ہیں؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کس وجہ سے؟ اُس نے کہا: کیونکہ خدا نے اُن سے چار ہزار دفعہ کلام کیا۔ اور آپؐ سے ایک بار بھی مخاطب نہیں ہوا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اِس سے بڑھ کر فضیلت دی گئی ہے۔ انہوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: خدا فرماتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ

(پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصی تک رات سیر کرائی کہ جس کے آس پاس کو ہم نے برکت والا بنایا ہے) [2]

مجھے جبرائیل امینؑ کے پروں پہ سوار کیا گیا حتیٰ کہ میں ساتویں آسمان پہ پہنچ گیا۔ پھر

[1] (بحار الانوار: ۸/۳۱۶)

[2] (سورۃ بنی اسرائیل)

میں سدرۃ المنتہی سے گزرا کہ جس کے پاس جنۃ الماوی ہے۔حتیٰ کہ میں نے ساقِ عرش کو پکڑ لیا۔ تو مجھے وہاں سے نداء آئی: بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی بھی لائقِ عبادت نہیں، میں سلام، مومن، مہیمن، عزیز، جبار، متکبر، رؤوف اور رحیم ہوں۔تو میں نے اُسے فواد (قلب) سے دیکھا۔آنکھ سے نہیں۔اور یہ حضرت موسیٰؑ کے خدا سے کلام کا شرف پانے سے افضل ہے۔

یہ سن کر یہودی عالم نے کہا: اے محمدؐ! آپؐ سچ کہتے ہیں۔تورات میں بھی یہی لکھا ہوا ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: یہ دو ہیں۔ ①

۳۴-ایک حدیث میں ذکر ہوا ہے کہ جب انسان سبحان اللہ کہتا ہے تو عرش کے نیچے موجود تمام چیزیں اُس کے ساتھ ہم آواز کر خدا کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔تو اس کے پڑھنے والے کو دس برابر ثواب دیا جاتا ہے۔ ②

۳۵-کچھ لوگوں نے مولا امیر المومنینؑ سے چند سوالات کیے، اُن میں سے ایک سوال یہ تھا: عرش کو خلق کرنے سے پہلے خدا کہاں تھا؟ اس کے جواب میں مولائے متقیان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: پاک ہے وہ ذات جس کی صفت کی حقیقت کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔حاملینِ عرش کرسی کرامت سے اپنے اپنے قرب کے مقامات پر ہیں اور نہ ہی ملائکہ مقربین اُس جلالِ قدس کے انوار کو دیکھتے ہیں۔تمہارا ستیا ناس ہو! ایسا نہیں کہنا چاہیے کہ خدا کہاں ہے، کس چیز میں ہے، کون ہے اور کیسا ہے؟ ③

۳۶-امام جعفر صادق علیہ السلام کے زنادقہ کے ساتھ مناظرہ میں آیا ہے۔زندیق نے سوال کیا: یہ بتائیں کہ عرش بڑا یا کرسی؟ تو امامؑ نے فرمایا: خدا نے جو بھی چیز خلق کی وہ کرسی میں ہے، سوائے عرش کے۔کیونکہ وہ بڑا ہے اور کرسی اُس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔پھر اُس نے کرسی کو خلق کیا تو آسمان اور زمین (اُس کی وسعت کے سبب) ہیبت زدہ ہو گئے۔کرسی خدا کی مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے۔پھر اُس نے عرش کو کرسی کے مقابلے بڑا خلق کیا۔ ④

① (بحار الانوار: ۹/۲۹۰)
② (مصدر سابق: ۲۹۵)
③ (حوالہ سابق: ۱۲۷)
④ (مصدرِ سابق: ۱۸۸)

www.shiabookspdf.com

۳۷-یہ وہی حدیث ہے جو سابقاً چھٹے نمبر پہ گزر چکی ہے۔

۳۸-حضرت آدمؑ کی تخلیق میں مروی ایک طویل حدیث میں آیا ہے، امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے آباء کرامؑ کے واسطہ سے امیر المومنینؑ سے نقل کیا ہے کہ پھر فرشتوں نے کہا:

اے پروردگار! جو تیری مرضی ہے وہی کر۔ہمارے پاس تو اتنا ہی علم جتنا تو ہمیں سکھایا۔ بے شک تو ہی صاحب علم اور حکمت والا ہے۔تو خدا نے انہیں عرش سے پانچ سو سال کی مسافت پر دور کر دیا۔چنانچہ انہوں نے عرش کی پناہ طلب کی اور اپنی انگلیوں سے اُس کی طرف اشارہ کیا۔پھر رب تعالیٰ نے اُن پر کرم کی نظر کی اور اپنی رحمت کے سبب اُن کے لیے بیت المعمور بنایا۔اور انہیں حکم دیا کہ اِس کے گرد طواف کرو اور عرش کو چھوڑ دو۔اب میری مرضی یہی ہے۔تو وہ بیت المعمور کے طواف میں مشغول ہو گئے۔وہاں روزانہ کی بنیاد پر ستر ہزار ملائکہ جاتے ہیں۔ پھر دوبارہ اُس کی طرف نہیں جاتے۔یوں خدا نے بیت المعمور کو آسمان والوں کی توبہ کے لیے اور خانہ کعبہ کو زمین والوں کی توبہ کے لیے بنایا۔ ①

۳۹-صادقینؑ میں سے ایک امامؑ سے طواف کی ابتداء کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: جب خدا نے حضرت آدمؑ کو خلق کیا تو فرشتوں سے کہا: میں زمین ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔تو دو فرشتوں نے کہا: کیا تو اُسے خلیفہ بنائے گا جو زمین فساد و خون ریزی کرے گا؟! اس پر اُن دونوں اور خدا کے نور کے درمیان حجاب حائل ہو گئے۔اِس سے پہلے فرشتوںؑ کے سامنے خدا کا نور ظاہر ہوتا تھا۔مگر جب بیچ میں حجاب حائل ہوئے تو وہ سمجھ گئے کہ خدا اِن دو فرشتوں کی بات سے ناراض ہو گیا ہے۔

اِس کے پیشِ نظر اُن دو نے باقی فرشتوںؑ سے پوچھا: اب ہم کس چیز کو وسیلہ بنائیں، ہماری توبہ کیونکر قبول ہو گی؟ تو انہوں نے کہا: ہمارے خیال میں تمہاری توبہ کا یہی واحد راستہ ہے کہ عرش سے لپٹ جاؤ۔چنانچہ وہ عرش کے حصار میں چلے گئے۔یہاں تک کہ خدا اُن پر توبہ نازل کی اور اُن کے اور خدا کے نور کے درمیان سے حجابات اٹھ گئے۔خدا نے چاہا کہ اُس کی عبادت اِس طریقے پر کی جائے۔اِس لیے اُس نے زمین پر بیت اللہ خلق کیا اور لوگوں پر اُس

① (بحار الانوار: ۱۱/۱۰۴)

کے گرد طواف کرنا مقرر کیا۔ آسمان میں بیت المعمور خلق کیا۔ ہر روز اُس کے اندر ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ پھر وہ قیامت تک اُس میں دوبارہ نہیں آئیں گے۔

توجہ رہے کہ خدا کے نور سے مراد عرش میں موجود اُس کی مخلوق کے یا آئمہ طاہرینؑ کے انوار ہیں۔ یا پھر اُس کی معرفت، فیض اور فضل کے انوار ہیں۔ حجابات کے متعلق سب سے بہترین رائے یہ ہے کہ وہ معنوی ہیں۔

۴۰۔ مولا علی زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باباؑ سے سوال کیا طواف میں سات چکر کیوں ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: اِس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے لگا ہوں۔ انہوں نے اِس کے جواب میں کہا: کیا تو اُسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فتنہ وفساد کھڑا کرے گا اور خون بہائے گا؟ خدا نے فرمایا: میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اِس سے پہلے اُن کے اور خدا کے نور کے درمیان کوئی حجاب نہیں تھا۔ لیکن اُن کی اِس بات کے بعد سات ہزار سال کے لیے خدا نے اُن سے اپنا نور چھپا لیا۔ چنانچہ وہ سات ہزار سال کے لیے عرش کے ساتھ لپٹ گئے۔ پھر خدا نے اُن پر رحم کیا اور اُن کی توبہ قبول کر کے اُن کے لیے بیت المعمور بنایا جو کہ آسمانِ چہارم میں ہے۔ بیت المعمور کو خدا نے فرشتوں کے لیے جائے امن وثواب بنایا۔ پھر اپنے حرمت والے گھر کعبہ کو بیت المعمور کے نیچے لوگوں کے لیے امن وثواب کا مقام بنا دیا۔ پھر سب لوگوں پر اِس کے گرد طواف کے سات چکر واجب کیے گئے۔ ہر ایک ہزار سال کے مقابلے میں ایک چکر واجب ہوا۔ (۱)

۴۱۔ یہ حدیث اِس سے پچھلی فصل میں ۶۳ ویں نمبر پہ ذکر ہو چکی ہے۔

۴۲۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت آدمؑ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! جب میں خدائے جل شانہٗ کے سامنے کھڑا ہوا تو میں نے عرش کے اوپر یہ سطر لکھی ہوئی دیکھی: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مُحَمَّدٌ وَّ آلُ مُحَمَّدٍ خَيْرُ مَنْ بَرَأَ اللهُ۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ تمام خلقِ خدا سے افضل ہیں۔ (۲)

(۱) (مصدر سابق: ۱۱۱)

(۲) (حوالہ سابق: ۱۱۵)

۴۳۔ یہ وہی روایت ہے جو تیسرے نمبر پر گزری ہے۔

۴۴۔ امامؑ نے اِس فرمانِ خدا: (وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ) کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: خدا فرماتا ہے کہ زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب تمہارے لیے خلق ہوا ہے۔ جب ہم نے فرشتوں کو حضرت آدمؑ کا سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اُس وقت یہ چیزیں خلق کیں۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ جب خدا نے امام حسین علیہ السلام کا اور اُس لشکر کا امتحان لیا کہ جس آپؑ کو شہید کیا اور سر اقدس تن سے جدا کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ اُس وقت امامؑ نے اپنے لشکر والوں سے فرمایا:

میں نے تم لوگوں سے اپنی بیعت اٹھا لی ہے لہٰذا تم واپس اپنے اپنے قبیلوں اور عزیز و اقرباء کے پاس چلے جاؤ۔ پھر اپنے اہل بیتؑ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: میں نے تمہیں اپنا ساتھ چھوڑ دینے کی اجازت دے دی ہے۔ تم اِن ظالموں کی کئی گنا زیادہ تعداد اور طاقت کا مقابلہ نہ کر پاؤ گے۔ نیز اِن کا واسطہ فقط اور فقط مجھ سے ہے۔ اِس لیے تم مجھے اور انہیں اکیلا چھوڑ دو۔ بلاشبہ خدائے عز وجل میری مدد کرے گا اور مجھے اپنی نظرِ کرم سے محروم نہیں رکھے گا۔ جیسا کہ وہ ہمارے سابقہ اسلاف کے ساتھ بھی ایسی ہی کریمانہ روش اختیار کرتا تھا۔ اِس اعلان کے بعد امامؑ کے لشکر والے آپؑ سے جدا ہو گئے

مگر آپکے اہل بیتؑ اور اقربا نے آپؑ کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا اور عرض کرنے لگے: ہم ہرگز آپؑ سے جدا نہ ہوں گے۔ ہم ہر اُس کو پریشانی کا سامنا کریں گے جس کا آپؑ کو سامنا ہو گا۔ ہم تمام تر مصائب اور پیش آنے والے واقعات میں آپؑ کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔ ہم آپؑ کی رکاب میں رہ کر خدا کے زیادہ قریب ہوں گے۔

امامؑ نے اپنے اہل بیتؑ کی یہ والہانہ عقیدت دیکھی تو ارشاد فرمایا:

فان كنتم قد وطنتم انفسكم على ما وطنت نفسي عليه فاعلموا ان الله انما يهب المنازل الشريفة لعباده باحتمال المكاره، و ان الله قد خصني مع من مضى من اهلي الذين انا آخرهم بقاء في الدنيا من الكرامات بما يسهل على معها

www.shiabookspdf.com

احتمال المکروھات فان لکم شطر ذلك من کرامات الله تعالیٰ، و اعلموا ان الدنیا حلوھا و مرھا حلم، و الانتباہ فی الآخرۃ، والفائز من فاز فیھا، والشقی من شقی فیھا اولا احدثکم باول امرنا و امرکم معاشر اولیائنا و محبینا و المتعصبین لنا لیسھل علیکم احتمال ما انتم له مقرون؟

قالوا: بلیٰ! یابن رسول الله!

قال: ان الله تعالیٰ لما خلق آدم و سواہ و علمه اسماء کل شیئ و عرضھم علی الملائکة جعل محمدا و علیا و فاطمة و الحسن و الحسین اشباحا خمسة فی ظھر آدم۔ و کانت انوارھم تضیئ فی الآفاق من السماوات و الحجب والجنان و الکرسی و العرش. فامر الله الملائکة بالسجدۃ لآدم تعظیما له انه قد فضله بان جعله وعاء لتلك الاشباح التی قد عم انوارھا فی الآفاق. فسجدوا الا ابلیس ابی ان یتواضع لجلال عظمة الله، و ان یتواضع لانوارنا اھل البیت، و قد تواضعت لھا الملائکة کلھا فاستکبر و ترفع و کان بابائه ذلك و تکبرہ من الکافرین

"اگر تم نے بھی خود کو اُس امر کے لیے آمادہ کرلیا ہے جو میں چاہتا ہوں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سختیاں جھیلنے کے صلے میں ہی بلند مقامات عطا کرتا ہے۔ اگرچہ خدا نے مجھے اپنے پہلے گزر جانے والے اہل بیتؑ میں سے کہ میں جن کا آخری فرد ہوں، ان کرامات سے مخصوص کیا ہے کہ میرے لیے یہ سختیاں جھیلنا آسان ہوگیا ہے۔ اب ان کرامات الٰہیہ میں تمہارا بھی حصہ ہے۔ جان لو کہ دنیا کی مٹھاس و تلخی خواب کی مانند ہے۔ بیداری تو آخرت میں ہوگی۔ اصل میں کامیابی اُسی کی ہے جو وہاں آخرت

www.shiabookspdf.com

میں کامیابی حاصل کرے اور بدبختی اُس کے لیے جو وہاں نامراد رہے۔

اے ہمارے ساتھیو، ہم سے محبت کرنے والو اور ہمیں ٹوٹ کر چاہنے والو! کیا میں تمہیں اپنے اور تمہارے امر کی ابتداء کے بارے میں نہ بتاؤں؟!

سب نے کہا: کیوں نہیں! اے فرزندِ پیغمبرؐ، ضرور بتایئے۔

تو امامؑ نے فرمایا: جب خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق کیا اور اُن کے اعضاء کو ترتیب دی، انہیں تمام چیزوں کا علم سکھا کر فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ اور محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کی پانچ اشباح اُن کی پشت میں ودیعت کیں۔ اُن اَشباح کے نور آسمانوں، حجابات، جنت، کرسی اور عرش پوری کائنات میں جلوہ افروزی کرنے لگے۔ چنانچہ خدا نے فرشتوںؑ کو حکم دیا کہ حضرت آدم کی تعظیم بجالاتے ہوئے انہیں سجدہ کریں۔ کیونکہ خدا نے انہیں اِن اشباح کا ظرف بنا کر فرشتوں پر فضیلت عطا کی کہ جن کا نور تمام آفاق میں پھیلا ہوا تھا۔ خدا کا حکم پا کر تمام فرشتے سجدے میں چلے گئے مگر ابلیس نے خدا کی عظمت کے جلال اور ہم اہل بیتؑ کے انوار کے سامنے عاجزی ظاہر کرنے سے انکار کردیا۔ تمام فرشتوںؑ نے اُس کے آگے تواضع ظاہر کی مگر ابلیس لعین نے تکبر کیا اور بڑائی ظاہر کی۔ سو وہ اپنے انکار و تکبر کے سبب کافروں میں شامل ہوگیا"۔

۴۵- امام علی زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے باباؑ نے اپنے باباؑ کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت آدمؑ نے اپنی صلب سے ایک نور بلند ہوتا دیکھا۔ کیونکہ ہماری اشباح عرش کی بلندی سے نقل ہو کر اُن کی پشت میں آگئی تھیں۔ انہوں نے خدا سے پوچھا: اے پروردگار! یہ انوار کیسے ہیں؟ تو خدا نے فرمایا: یہ کچھ اشباح کے نور ہیں جنہیں میں نے عرش کے سب سے بلند سے اٹھا کر تیری پشت میں رکھ دیا ہے۔ چونکہ تو اِن اشباحؑ کو اٹھانے کا ظرف تھا اِس لیے میں نے فرشتوںؑ کو تیرا سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا: خدایا! کیا ہی بہتر ہوتا اگر تو مجھے بتا دیتا کہ یہ اشباح کس کی ہیں؟

آوازِ قدرت آئی: اے آدمؑ! عرش کی بلندی پر دیکھو۔ جب حضرت آدمؑ نے دیکھا تو وہاں ہماری اشباح کی صورتیں ظاہر ہو گئیں جیسے ایک شفاف آئینے میں انسان کا چہرہ نظر آتا ہے۔ انہوں نے ہماری اشباح دیکھ کر خدا سے سوال کیا: اے میرے پروردگار! اِن اشباح کی کیا حقیقت ہے؟

خدا نے فرمایا: اے آدمؑ! یہ اشباح میری ساری مخلوقات سے افضل ہیں۔ یہ محمدؐ ہیں اور میں اپنے تمام افعال میں حمید و محمود ہوں۔ میں نے اِن کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ یہ علیؑ ہیں اور میں علیِ عظیم ہوں۔ اِن کا نام بھی میں نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ یہ فاطمہؑ ہیں اور میں آسمانوں اور زمین پیدا کرنے والا، اپنے فیصلہ صادر کرنے والے دن دشمنوں سے اپنی رحمت سے اور اپنے اولیاء کو قابلِ عار و تشنیع امور سے الگ کرنے والا ہوں۔ میں نے اِس بی بیؑ کا نام بھی اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ یہ حسن و حسین علیہما السلام ہیں اور میں احسان کرنے والا اور اچھائی کے ساتھ پیش آنے والا ہوں۔ اِن دونوں کے نام بھی میں نے اپنے نام سے اخذ کیے ہیں۔ یہ میری مخلوق میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ لائقِ عزت افراد ہیں۔ میں اِن کی وجہ سے لوں گا اور انہی کی وجہ سے عطا کروں گا۔ انہی کی وجہ سے عذاب دوں گا اور انہی کی وجہ سے ثواب عطا کروں گا۔ تو اے آدمؑ! تم انہیں میری بارگاہ میں اپنا وسیلہ بناؤ۔ اور جب تمہیں مشکل پڑ جائے تو انہیں میرے آگے اپنا سفارشی بنانا۔ بلاشبہ میں نے اپنے اوپر سچی قسم عائد کی ہوئی ہے کہ جو بھی اِن کے وسیلے سے کوئی امید لے کر آئے اُسے نا اُمید نہ رکھوں گا اور جو بھی اِن کے واسطہ سے کوئی سوال کرے اُسے محروم نہ رکھوں گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُن سے ترکِ اولیٰ سرزد ہوا اور انہوں نے خدا سے اِن اشباح کے وسیلہ سے دعا کی تو خدا نے اُن کی توبہ قبول کر لی اور انہیں معاف کر دیا۔ ①

۴۶- امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے نیچے آئے تو ہندوستان کی زمین پر اترے۔ پھر اُن کی طرف حجرِ اسود پھینکا گیا۔ وہ یاقوت کا تھا اور عرش کے صحن میں موجود تھا۔ جب انہوں نے حجرِ اسود کو دیکھا تو پہچان لیا اور اُس پر جھک کر اُس

① (بحار الانوار: ۱۱/۱۰۵)

کا بوسہ لیا۔ پھر اُسے وہاں سے اٹھا کر مکہ لے گئے۔ جب آپؑ راستے میں اُس کے بوجھ کی وجہ سے تھک جاتے تو حضرت جبرائیلؑ اُسے اٹھا لیتا۔ لیکن جب حضرت جبرائیلؑ اُن کے پاس نہ آتے تو وہ غمگین و پریشان ہو جاتے۔ ایک دفعہ انہوں نے جناب جبرائیلؑ سے اِس کا شکوہ کیا تو جبرائیلؑ نے کہا: جب بھی آپؑ کو کسی طرح کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے تو یہ کہا کریں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ①

۴۷- امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک فرشتہ خدا کے پاس نہایت بلند مقام و مرتبے پر فائز تھا۔ (اُس کے کسی ترکِ اولیٰ کے سبب) خدا نے اُسے آسمان سے نیچے زمین پر بھیج دیا تو نبیِ خدا حضرت ادریسؑ کے پاس آیا اور عرض کی: آپؑ خدا کے حضور میری سفارش کیجیے۔ تو حضرت ادریس علیہ السلام نے تین راتیں مسلسل قیام کیا اور اُن کے دنوں میں روزہ رکھا۔ پھر اگلی سحر کو خدا سے فرشتے کے لیے آسمان پر واپسی کے لیے اِذن طلب کیا تو اُسے اذن مل گیا۔ اِس پر اُس فرشتے نے کہا: میں آپؑ کی اِس مہربانی کا صلہ دینا چاہتا ہوں۔ آپؑ مجھ سے کوئی خواہش کریں تو حضرت ادریسؑ نے کہا: تم مجھے ملک الموت سے ملوا دو ہو سکتا ہے کہ میں اُس سے مانوس ہو جاؤں۔ کیونکہ جب مجھے اُس کی یاد آتی ہے دنیا کی کوئی چیز بھلی دکھائی نہیں دیتی۔

www.shiabookspdf.com

یہ سن کر اُس فرشتے نے اپنے پر کھولے اور کہا: سوار ہو جائیے۔ چنانچہ وہ حضرت ادریسؑ کو لے کر اوپر کی جانب پرواز کر گیا۔ جب اُس نے آسمانِ دنیا سے ملک الموت کے بارے میں معلوم کیا تو بتایا گیا کہ وہ اوپر ہے۔ سو وہ اُسے ڈھونڈنے اوپر کے آسمانوں کی طرف گیا تو چوتھے اور پانچویں آسمان کے درمیان اُسے پا لیا۔ ملک الموت کو دیکھ کر فرشتے نے کہا: یہ آپؑ کے ماتھے پر شکن کیسے ہیں؟ ملک الموت نے جواب دیا: میں حیران ہو کہ میں عرش کے سایے میں موجود تھا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ چوتھے اور پانچویں آسمان کے درمیان حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کروں۔ جب حضرت ادریسؑ نے ملک الموت کی بات سنی تو فرشتے کے پروں سے نیچے اتر آئے اور ملک الموت نے وہیں پر اُن کی روح قبض کر لی۔ یہی اِس

① (بحار الانوار: ۱۱/۲۱۰؛ علل الشرائع: ۱۶۳)

فرمانِ خدا کی تفسیر ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

”اور اِس کتاب میں حضرت ادریسؑ کا ذکر بھی کیجیے۔ بلاشبہ تو وہ بڑے سچے نبی تھے۔ اور ہم انہیں بہت بلند مقام پر لے گئے“۔ [1] [2]

حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب صبح ہوئی اور سورج طلوع ہوا تو انہوں نے اُس کی روشنی دیکھی اور دیکھا کہ سورج کے طلوع ہوتے ہی پوری دنیا میں روشنی ہوگئی ہے تو انہوں نے (سورج کی پوجا کرنے والوں کے عقیدے پر چوٹ لگاتے ہوئے) کہا: هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ یہ میرا رب ہے، یہ (چاند سے) بڑا ہے اور زیادہ واضح و روشن ہے۔ جب سورج نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور زوال کی طرف بڑھنا شروع کیا تو خدا نے آسمانوں کے پردے ہٹا دیے حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ نے عرش اور جو کچھ اُس کے اوپر تھا، اُسے دیکھ لیا۔ خدا نے انہیں آسمانوں اور زمین کی ملکوت کا نظارہ کرایا تو انہوں نے کہا:

يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

”اے میری قوم کے لوگو! تم یہ جو شرک کرتے ہو میں اِس سے بیزار ہوں۔ میں نے اپنا رخ بالکل سیدھا اُس خدا کی جانب کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں“۔ [3] [4]

۴۸- امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے زمین سے پردہ ہٹایا تو انہوں نے زمینوں اور اُن کے نیچے کی تمام چیزوں کو دیکھا۔ پھر آسمانوں سے پردہ ہٹایا گیا

[1] (سورۃ مریم:۵۶-۵۷)
[2] (بحارالانوار:۱۱/۲۷۸)
[3] (سورۃ الانعام:۷۸-۷۹)
[4] (بحارالانوار:۱۲/۳۰)

www.shiabookspdf.com

تو انہوں نے آسمانوں اور اُن میں موجود فرشتوں اور حاملینِ عرش کو دیکھا۔ یہ اِس لیے تھا تاکہ وہ یقین والوں میں سے ہو جائیں۔ [1]

۴۹- امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے اِس فرمانِ خدا: كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے زمین سے پردہ ہٹایا تو آپؑ نے اُسے اور اُس میں موجود تمام چیزوں کو دیکھ لیا۔ آسمان سے پردہ ہٹایا تو آپؑ نے اُسے، اُس میں موجود مخلوقات، اُس فرشتے کو جس نے آسمان اور عرش کو اٹھایا ہوا تھا اور جو کچھ عرش کے اوپر تھا، وہ سب دیکھ لیا۔ اِسی طرح تمہارے مولاؑ کو بھی یہ سب چیزیں دکھائی گئیں۔ [2]

۵۰- امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے کہ آپؑ نے اِسی آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: حضرت ابرہیم علیہ السلام کے لیے سات آسمانوں کے پردے ہٹائے گئے تو انہوں نے عرش کے اوپر تک سب دیکھ لیا۔ اُن کے لیے زمین کے پردے بھی ہٹائے گئے حتیٰ کہ انہوں نے ہوا میں موجود سب کچھ دیکھ لیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی ایسا کیا گیا۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے وقت کے امامؑ (یعنی میرے ساتھ) اور اُس کے بعد تمام آئمہؑ کے ساتھ بھی یہ ہوگا۔ [3]

۵۱- امام صادق علیہ السلام سے ہی مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب قوم لوط نے بدعملی کی تو زمین نے اپنے رب کے حضور فریاد کی حتیٰ کہ اُس کے آنسو آسمان تک گئے۔ اور آسمان بھی رویا حتیٰ کہ اُس کے آنسو عرش تک گئے۔ اِس پر خدا نے آسمان کو وحی کی کہ اِن پر پتھر برساؤ اور زمین کی طرف وحی کی کہ انہیں نیچے دھنسا دو۔ [4]

۵۲- حضرت ابوبصیرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو کس وجہ سے دنیوی آزمائش میں مبتلا کیا گیا؟ تو امامؑ نے فرمایا: اس

[1] (بحارالانوار:۱۲/۱۸)
[2] (بحارالانوار:۱۲/۷۲)
[3] (حوالہ سابق)
[4] (بحارالانوار:۳۰/۱۶۷)

کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک نعمت عطا کی اور انہوں نے اس پر شکر ادا کیا۔ اُس عرصے میں ابلیس کا آسمان پر جانا بند نہیں تھا۔

چنانچہ جب وہ اوپر گیا اور حضرت ایوبؑ کا نعمت پر ادا کیا ہوا شکر دیکھا تو اُسے آپؑ سے حسد ہو گیا۔ اُس نے کہا: اے پروردگار! تو نے ایوبؑ کو مال دنیا عطا کر رکھا ہے اس لیے وہ تیری شکر گزاری کر رہا ہے! اگر تو اسے دنیا کی نعمتوں سے محروم کر دے تو وہ کبھی کسی نعمت پر شکر ادا نہیں کرے گا۔ مجھے ذرا اُس کی دنیا پہ تسلط دے کر دیکھ لے وہ تمہارا کبھی شکر ادا نہیں کرے گا۔

اُسے کہا گیا: لے میں نے تجھے اُس کے مال و اولاد پہ اختیار دے دیا۔ ①

۵۳- حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کی دعا میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا:

پھر رسول خدا ﷺ نے فرمایا: اے اولادِ عبد المطلبؑ! اِن کلمات سے خدا سے دعا کرو۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جو بھی شخص خلوصِ دین کے ساتھ اِن کلمات کو ادا کر کے خدا سے دعا کرے تو اُس کا عرش لرز جاتا ہے اور وہ فرشتوں سے کہتا ہے: گواہ رہنا، میں نے اِس کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات سن لیے اور جلدی دنیا اور آنے والی آخرت کے بارے میں اِس کی حاجت پوری کر دی۔

اِس کے بعد آپؑ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا: اِن کلمات کے وسیلہ سے خدا سے سوال کرو اور قبولیت میں دیر نہ سمجھو۔ ②

۵۴- رسول خدا ﷺ کی نوری خلقت کے باب میں مولا امیر المومنینؑ سے مروی ایک طویل حدیث میں آیا ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: پھر خدا نے حضرت محمد ﷺ کے نور سے ایک موتی خلق کیا اور اُسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصّے کی طرف اُس نے نگاہِ ہیبت سے دیکھا تو وہ میٹھے پانی میں بدل گیا۔ اور دوسرے حصّے کی طرف شفقت کی نگاہ سے دیکھا۔ پھر اُس سے عرش کو خلق کیا اور اُسے سطحِ آب پہ ٹھہرایا۔ پھر اُس نے عرش کے نور سے کرسی کو، کرسی کے نور

① (علل الشرائع: جلد اول، باب ۶۵؛ بحار الانوار: ۳۰/۳۴۶)

② (بحار الانوار: ۱۴/۳۲۸)

www.shiabookspdf.com

سے لوح کو اور لوح کے نور سے قلم کو خلق کیا۔ اور اُس سے کہا: میری توحید لکھ۔ ①

۵۵- خداوند عالم فرشتوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: اُن کا کھانا پینا خدا کی پاکی اور تسبیح بیان کرنا ہے۔ اُن کی زندگی عرش کی ہوا ہے۔ اُن لذت کا سبب مختلف اقسام کے علوم ہیں۔ خدا نے انہیں اپنی قدرت سے انوار و ارواح کی صورت میں خلق کیا کہ جیسے اُس نے چاہا اور ارادہ کیا۔ ②

۵۶- ایک روایت میں آیا ہے کہ عرش میں ہر بندے کی ایک صورت موجود ہے۔ جب بندہ خدا عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو فرشتے اُس کی صورت کو دیکھتے ہیں۔ لیکن جب بندہ گناہ کرتا ہے تو خدا بعض فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اُس کی صورت کو اپنے پروں سے چھپا لیں تا کہ دوسرے ملائکہ اُسے (گناہ کرتا) نہ دیکھیں۔ رسالت مآب ﷺ کی اِس دعا کا یہی معنی ہے:

یامن اظهر الجمیل وستر القبیح

"اے وہ ذات جس نے اچھائی کو ظاہر کیا اور برائی پہ پردہ ڈالا۔" ③

۵۷- نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن عرش کے نیچے سے ایک منادی اعلان کرے گا: اے امتِ محمدؐ! تمہارے پاس میرا جو حق تھا وہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اب تمہارے ایک دوسرے کے ذمے ہی کچھ امور رہتے ہیں۔ لہٰذا تم بھی ایک دوسرے کو بخش دو اور میری رحمت سے جنت میں چلے جاؤ۔ ④

① (بحار الانوار: ۱۵/۲۹)

② (بحار الانوار: ۲۶/۳۳۹)

③ (بحار الانوار: ۶/۷)

④ (حوالہ سابق: عدۃ الداعی)

عرش کے بارے میں روایات کا اجمال کا ذکر

۱۔ ساقِ عرش پہ نور کے ساتھ محمد ﷺ لکھا ہوا ہے۔ [1][2]

۲۔ خدا نے ساقِ عرش پہ نامِ محمد ﷺ لکھ رکھا ہے۔ [3]

۳۔ میں نے اُن کے نام ساقِ عرش پہ لکھے ہوئے دیکھے ہیں۔ [4]

۴۔ میں نے دیکھا تو ساقِ عرش پہ لکھا تھا۔ [5]

۵۔ خدا نے عرش کے دو پایوں کو امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے زینت عطا کی۔ [6]

۶۔ پھر خدا نے عرش سے اُس (دشمنِ علیؑ) پر لعنت کی [7]

۷۔ خدا نے انہیں میثاق میں عرش کی دائیں جانب قرار دیا۔ [8]

۸۔ اُس نے عرش کی دائیں جانب اِن کی طرف دیکھا۔ [9]

۹۔ میری بیٹی آ کر عرش کے پائے کو تھام لے گی۔ [10]

---

[1] واضح رہے کہ حوالہ جات میں بحار الانوار کی جلد، صفحہ اور سطر ترتیب کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں۔ جیسے پہلی روایت کی جلد ۳۶، صفحہ ۳۳۷ اور سطر ۳ ہے۔

[2] (۳/۳۳۷/۳۶)

[3] (۱۰/۳۴۱/۳۶)

[4] (۳/۷۳۳/۶۳)

[5] (۱۱/۸۴۳/۶۳)

[6] (۰۱/۴۳/۷۳)

[7] (۱۳/۶۵/۷۳)

[8] ۲/۶۳/۳۷)

[9] (۵/۶۳/۳۷)

[10] (۱۰/۷۰/۳۷)

۱۰۔ میں نے آپؐ اور علیؑ کو عرش کی طینت سے خلق کیا۔ [1]

۱۱۔ میں نے اُس کی ذریت کو عرش کی طینت سے خلق کیا۔ [2]

۱۲۔ خدا نے میرے نور سے کرن جدا کی اور اُس سے عرش کو خلق کیا۔ [3]

۱۳۔ میرا نور عرش کے نور سے افضل ہے۔ [4]

۱۴۔ پھر اُس نے قندیلیں نکال کر انہیں عرش کے وسط میں لٹکا دیا۔ [5]

۱۵۔ ثریٰ سے عرش تک آبدار موتیوں اور قیمتی جواہرات سے پر ہو۔ [6]

۱۶۔ خدا نے ہمیں زیرِ عرش نور سے خلق کیا۔ [7]

۱۷۔ خدا نے مجھے عرش کے نیچے نور سے خلق کیا۔ [8]

۱۸۔ پھر عرش کے وسط سے ایک منادی ندا دے گا۔ [9] بکثرت وارد ہوا ہے۔

۱۹۔ مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ میں عرش کے نیچے چلا گیا۔ [10]

www.shiabookspdf.com

۲۰۔ لوحِ محفوظ عرش کے نیچے ہے۔ [11]

۲۱۔ کرسی و عرش کو قرار نہ آیا۔ [12]

---

[1] (۶/۷۹/۳۷)

[2] (۵۱/۳۸/۷۳)

[3] (۵۱/۳۸/۷۳)

[4] (۱۵/۸۳/۳۷)

[5] (۴/۳۸/۷۳)

[6] (۱۱/۳۳۱/۷۳)

[7] (۰۲/۴۷۱/۷۳)

[8] (۱/۱۷۵/۳۷)

[9] (۲۰/۳۰۱/۳۷)

[10] (۱۵/۳۱۹/۳۷)

[11] (۱۲/۳۱۵/۳۷)

[12] (۱۱/۱۲۱/۳۸)

۲۲۔ جب مجھے معراج پر لے گئے تو میں عرش تک چلا گیا۔ ①

۲۳۔ فرشتے عرش کے گرد کناروں پر موجود ہیں۔ ②

۲۴۔ روزِ قیامت عرش کے وسط سے آواز آئے گی۔ ③

۲۵۔ عرش سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا۔ ④

۲۶۔ ہم فرشتوں کو عرش کے گرد کناروں پر موجود پاتے ہیں۔ ⑤

۲۷۔ خدا نے اس فرشتے کو خلق کیا ہے تاکہ عرش اس کی طرف دیکھے۔ ⑥

۲۸۔ خدا کے کچھ فرشتے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہیں۔ ⑦

۲۹۔ سلمانؓ و مقدادؓ سے عرش و کرسی محبت کرتے ہیں۔ ⑧

۳۰۔ اہل سماء میں سے جس نے سب سے پہلے اُس سے محبت کی وہ حاملین عرش ہیں۔ ⑨

۳۱۔ فطرت عرش کے نیچے ہے۔ ⑩

۳۲۔ حاملین عرش کے علاوہ سب ملائکہ نے دیکھا۔ ⑪

۳۳۔ روزِ قیامت امام حسن علیہ السلام عرش کی دائیں جانب ہوں گے۔ ⑫

---

① (۲/۱۳۸/۳۸)
② (۷/۱۴۲/۳۸)
③ (۵/۳۳۷/۳۸)
④ (۱۲/۸۲/۳۹)
⑤ (۱۲/۹۷/۳۹)
⑥ (۸۱/۷۹/۹۳)
⑦ (۲/۹۷/۳۹)
⑧ (۲۱/۶۰۱/۹۳)
⑨ (۸/۱۱۰/۳۹)
⑩ (۲/۱۱۶/۳۹)
⑪ (۱/۱۶۰/۳۹)
⑫ (۷۱/۸۷/۹۳)

www.shiabookspdf.com

۳۴۔ امام حسین علیہ السلام عرش کی بائیں جانب ہوں گے۔ ①

۳۵۔ آپؐ اور میں اُس دن عرش کی دائیں جانب ہوں گے۔ ②

۳۶۔ میزانِ عدل عرش کے نیچے نصب کیا جائے گا۔ ③

۳۷۔ آپؐ میرے اور حضرت ابراہیمؑ کے مابین عرش کے سایے میں کھڑے ہوں گے۔ ④

۳۸۔ عرش کے نیچے سے نداء آئے گی۔ ⑤

۳۹۔ ہم سب آ کر عرش کے نیچے کھڑے ہو جائیں گے۔ ⑥

۴۰۔ عرش کی دائیں سمت میرے لیے ایک نورانی قبہ بنایا گیا۔ ⑦

۴۱۔ علیؑ کے ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا اور وہ عرش کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ ⑧

۴۲۔ انہیں عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ جواب دے گا۔ ⑨ بکثرت وارد ہوا ہے۔

۴۳۔ قیامت کے دن میں عرش کے مالک کی پناہ لوں گا۔ ⑩

۴۴۔ قیامت کے دن میں عرش کے مالک کی رسی تھاموں گا۔ ⑪

۴۵۔ عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ نداء دے گا کہ میں علیؑ سے محبت کرتا ہوں۔ ⑫

---

① (حوالہ سابق)
② (۳۱/۹۹۱/۹۳)
③ (۸/۳۱۲/۹۳)
④ (۸/۳۱۲/۹۳)
⑤ (۹/۲۱۴/۳۹)
⑥ (۸۱/۵۱۲/۹۳)
⑦ (۲/۲۲۲/۹۳)
⑧ (۹/۳۲۲/۹۳)
⑨ (۱۱/۲۲۳/۳۹)
⑩ (۶/۸۳۲/۹۳)
⑪ (۷۱/۰۴۲/۹۳)
⑫ (۰۲/۷۳۲/۹۳)

۴۶۔ آپؑ کی محبت عرش کے نیچے مخفی ہے۔ [1]

۴۷۔ محمد وآلِ محمدؐ کے اسماء سرادقِ عرش پہ لکھے ہوئے ہیں۔ [2]

۴۸۔ تم عرش کے زیر سایہ امان میں ہو گے۔ [3]

۴۹۔ عرش کے سایے میں کچھ لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ [4]

۵۰۔ خدا نے علیؑ کے نور سے ایک کرن جدا کی اور اُس سے عرش کو خلق کیا۔ [5]

۵۱۔ خدا اُسے عرش کے قائم مقام بنایا۔ [6]

۵۲۔ روزِ قیامت میرے لیے عرش کی دائیں جانب منبر نصب کیا جائے گا۔ [7]

۵۳۔ حضرت ابراہیمؑ کے لیے عرش کی دائیں جانب منبر لگایا جائے گا۔ [8]

۵۴۔ میرے لیے عرش کی بائیں جانب منبر لگایا جائے گا۔ [9]

۵۵۔ اُسے ایک حلہ پہنایا جائے گا، پھر عرش ایک منادی نداء دے گا۔ [10]

۵۶۔ کرسی اور عرش کے فرشتوں نے لعنت کی۔ [11]

۵۷۔ مجھے بلا کر عرش کی بائیں سمت کھڑا کیا جائے گا۔ [12]

---

[1] (۱۶/۲۸۶/۳۹)

[2] (۸/۳۰۶/۳۹)

[3] (۳۱/۷۰۳/۹۳)

[4] (۲/۶/۴۰)

[5] (۸/۴۴/۴۰)

[6] (۱۴/۴۴/۴۰)

[7] (۲/۸۴/۴۰)

[8] (۱/۵۵/۴۰)

[9] (۲/۵۵/۴۰)

[10] (۲/۲۸/۴۰)

[11] (۱۸/۲۶/۴۱)

[12] (۱۲/۱۰۶/۴۱)

www.shiabookspdf.com

۵۸۔ میں عرش کے نیچے فرشتوں کی تسبیح کی آوازیں سن رہا تھا۔ (فرمانِ سلمانؓ) [1]

۵۹۔ فاطمہؑ ساقِ عرش کے نیچے ایک مخصوص مقام پہ رہتی تھیں۔ [2]

۶۰۔ میں عرش سے بلند مرتبہ رکھتا ہوں [3]

۶۱۔ جنابِ سیدہؑ کا نور عرش کے نیچے فانوس میں معلق تھا۔ [4]

۶۲۔ علیؑ ہی سب سے پہلے میرے ساتھ عرش کے دائیں کھڑے ہوں گے۔ [5]

۶۳۔ نسطائیلؑ عرش کے پایوں پر موکل فرشتوں میں سے ایک ہے۔ [6]

۶۴۔ میں عرش کے ایک پائے پر موکل فرشتہ ہوں۔ [7]

۶۵۔ وہ عرش کے پائے کو پکڑے گی۔ [8] [بکثرت وارد ہوا ہے۔]

۶۶۔ خدا نے انہیں اذن دیا تو وہ عرش سے فوج در فوج نازل ہوئے۔ [بکثرت وارد ہوا ہے۔] [9]

۶۷۔ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام عرش کے جھومر ہیں۔ [10]

۶۸۔ حضرت جبرائیلؑ اُس وقت عرش کے پائے کے پاس موجود تھے۔ [11]

۶۹۔ کیا تم اِس بات سے راضی نہیں کہ تیرا بیٹا حاملینِ عرش میں سے ہو؟ [12]

---

[1] (۹۱/۰۵/۲۳)

[2] (۳۱/۴/۴۳)

[3] (۲۱/۷۱/۴۳)

[4] (۹۱/۷۱/۴۳)

[5] (۱۶/۰۰۱/۴۳)

[6] (۳/۹۰۱/۴۳)

[7] (۱۶/۱۲۷/۴۳)

[8] (۱۳/۳۲۰/۴۳)

[9] (۳/۹۵۲/۴۳)

[10] (۳۲/۵۷۲/۴۳)

[11] (۳۱/۹۰۳/۴۳)

[12] (۱/۵۶۲/۴۴)!

۷۰۔ رضوان ، مالک اور حاملین عرش امام حسینؑ کی مظلومیت پہ گریہ کریں گے۔
(فرمانِ مولا علیؑ بروایت جناب میثم تمارؒ)[1]

۷۱۔ حداث (نئے فیصلوں کا صدور) عرش کے نیچے اور عرش کے سایے میں ہوتا ہے۔[2]

۷۲۔ مجھ سے پوچھو، میں بتاؤں گا کہ عرش کے اوپر کیا ہے؟[3]

۷۳۔ مجھ سے پوچھو، میں بتاؤں گا کہ عرش کے نیچے کیا ہے؟[4]

۷۴۔ شبِ معراج آپؐ نے عرش کے اندر سے یہ آواز سنی۔[5]

۷۵۔ جو شخص اپنے بھائی کے حق میں پشت پیچھے دعا کرے تو اُسے عرش سے نداء آتی ہے[6]

۷۶۔ عرش کے ستونؑ ہل گئے۔[7]

۷۷۔ خدا نے دو فرشتے بھیجے اور وہ انہیں اٹھا کر عرش کے سرادق کے پاس لے گئے۔[8]

۷۸۔ پھر وہ ایک علم بلند کریں گے جس کا پایہ عرش کا پایہ ہوگا۔[9]

۷۹۔ یارسول اللہؐ! عرش کے سامنے، آپؐ کہاں موجود تھے؟[10]

۸۰۔ خدا کے عرش پر موجود ہونے سے صفت نہیں بیان کی جاسکتی۔[11]

۸۱۔ وہ عرش پہ غالب ہوا۔[12]

---

[1] (۸۱/۲۰۲/۵۴)
[2] (۱۸/۲۱۷/۳۵)
[3] (۸۱/۵۳۲/۶۴)
[4] (حوالہ سابق)
[5] (۱/۱۳۵/۴۷)
[6] (۳/۱۷۳/۳۸)
[7] (۱۸/۲۷/۵۱)
[8] (حوالہ بالا)
[9] (۸۱/۸۳۲/۳۵)
[10] (۰/۱۳۲/۷۵)
[11] (۱۱/۵۷/۷۵)
[12] /۵۷)

۸۲۔ خدا نے عرش کو خلق کیا۔[1]

۸۳۔ خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو عرش سے پہلے خلق کیا۔[2]

۸۴۔ خدا نے جوہر کے دوسرے حصّے کی طرف دیکھا اور اُس سے عرش کو خلق کیا۔[3]

۸۵۔ پھر خدا نے کرسی کو عرش کے نور سے خلق کیا۔[4]

۸۶۔ نورِ محمد عرش کے نیچے ساکن ہوگیا۔[5]

۸۷۔ اُس نے جو چاہا خلق کیا اور عرش پہ غالب ہوا۔[6]

۸۸۔ خدا نے پانی کو تقسیم کیا اور اُس کا آدھا عرش کے نیچے رکھا۔[7]

۸۹۔ خدا نے پانی کو عرش سے پہلے خلق کیا۔[8]

۹۰۔ وہ عرش کے سرادق میں سے ایک ہے۔[9]

۹۱۔ ملائکہ عرش کے گرد طواف کرتے ہیں۔[10]

۹۲۔ یہ اُس کی نسبت آسان ہے کہ وہ عرصہ شمار کروں کہ جس دوران وہ عرش میں رہے۔[11]

www.shiabookspdf.com

۹۳۔ میں عرش کے نیچے فرشتوں کے پروں کی آوازیں سنتا تھا۔[12]

---

[1] (۱۳/۱۶۹/۵۷)
[2] (۶۱/۵۷۱/۷۵)
[3] (۱۶/۲۰۰/۷۵)
[4] (۱۷/۲۰۰/۵۷)
[5] (۵/۲۰۲/۵۷)
[6] (۱۳/۲۰۲/۵۷)
[7] (۵/۸۰۲/۷۵)
[8] (۶/۳۱۳/۵۷)
[9] (۳/۳۱۹/۵۷)
[10] (۸/۳۱۹/۵۷)
[11] (۷۱/۷۳۳/۷۵)
[12] (۱۱/۹۳۳/۷۵)

۹۴۔ عرش میں ہر مومن کی ایک صورت موجود ہے۔ [1]

۹۵۔ ملائکہ اُسے عرش کے پاس دیکھتے ہیں۔ [2]

۹۶۔ لوح محفوظ کے دو کونے ہیں، ایک کونہ عرش کی دائیں جانب ہے۔ [3]

۹۷۔ اُسے لپیٹ کر عرش کے رکن میں رکھ دیا۔ [4]

۹۸۔ خدا نے ایک کتاب لکھی ہے جو عرش پہ اُس کے پاس ہے۔ [5]

۹۹۔ سبز زبرجد کو خدا نے عرش کے نیچے رکھا۔ [6]

۱۰۰۔ کرسی، عرش کے مقابلے میں چھوٹا تخت ہے۔ [7]

۱۰۱۔ سائل نے سوال کیا کہ کرسی بڑی ہے یا عرش؟ [8]

۱۰۲۔ بیت المعمور چوکور شکل میں ہے، کیونکہ یہ عرش کے بالمقابل ہے۔ [9]

۱۰۳۔ خدا نے اپنی عزت سے عرش کے ارکان کو کھڑا کیا۔ [10]

۱۰۴۔ خدا نے عرش کے نیچے ایک گھر بنایا ہے۔ [11]

۱۰۵۔ کرسی، عرش کے علاوہ تمام مخلوقات پہ محیط ہے۔ [12]

---

[1] (۱۱/۳۴۵/۵۷)
[2] (۱۲/۳۴۵/۵۷)
[3] (۴/۲۶۳/۷۵)
[4] (۴/۲۶۳/۷۵)
[5] (۲۱/۱۷۳/۷۵)
[6] (۴/۵۷۳/۷۵)
[7] (۱۳/۲/۵۷)
[8] (۰/۱۲/۸۵)
[9] (۹/۵/۸۵)
[10] (۵/۶/۸۵)
[11] (۸/۸/۵۸)
[12] (۱/۹/۸۵)

www.shiabookspdf.com

۱۰۶۔ مولا امیرؑ نے فرمایا: خدا عرش کو اٹھانے والا ہے۔ [1]

۱۰۷۔ بکثرت وارد ہوا ہے کہ اُس روز عرش کے اٹھانے والے آٹھ ہوں گے۔

۱۰۸۔ ہر امت عرش کی زبانوں میں سے ایک زبان میں خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ [2]

۱۰۹۔ حاملین عرش کے سر اُس سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ [3]

۱۱۰۔ ہر طبقہ عرش کے پہلے طبقے کی مانند ٹھوس ہے۔ [4]

۱۱۱۔ کرسی عرش کے نور کا جزو ہے۔ [5]

۱۱۲۔ افق مبین، عرش کے سامنے ایک وسیع جگہ کا نام ہے۔ [6]

۱۱۳۔ وہ عرش کے کسی پائے تک نہ پہنچ سکا۔ [7]

۱۱۴۔ اگر وہ نہ ہوتے تو عرش کے نیچے موجود ہر چیز جل کر خاکستر ہو جاتی۔ [8]

۱۱۵۔ سرادق، عرش کے نیچے ہیں۔ [9]

۱۱۶۔ لوح محفوظ عرش کے نیچے معلق ہے۔ [10]

۱۱۷۔ علیین ساتوں آسمان پر عرش کے نیچے مقام ہے۔ [11]

۱۱۸۔ مومن کی روح کو عرش پہ پہنچایا جاتا ہے۔ [12]

---

[1] (۱۸/۹/۵۸)
[2] (۱/۸/۵)
[3] (۳/۰۲/۸۵)
[4] (۳/۴۵/۵۸)
[5] (۲۱/۷۲/۸۵)
[6] (۸/۹۲/۸۵)
[7] (۲۱/۳۴/۵۸)
[8] (۲/۵۳/۸۵)
[9] (۹/۵۳/۸۵)
[10] (۱/۵/۵۸)
[11] (۵/۳۵/۵۸)
[12] (۵/۲۵/۸۵

۱۱۹۔ جن عرش کے نیچے تک جاتے ہیں۔ [1]

۱۲۰۔ وہ آسمان تمام آسمانوں کا سردار ہے جس پر عرش ہے۔ [2]

۱۲۱۔ بحر مسجور، عرش کے نیچے جاری ہوتا ہے۔ [3]

۱۲۲۔ اُسے بلند کیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ عرش کے نیچے پہنچ جاتی ہے۔ [4]

۱۲۳۔ پھر جبرائیل عرش کے نور کی کرن سے بنا ہوا حلہ لے کر آئیں گے۔ [5]

۱۲۴۔ کرسی، عرش کے نور کا جزو ہے۔ [6]

۱۲۵۔ وہ نکاح نہیں کرتے، وہ صرف عرش کی ہوا میں رہتے ہیں۔ [7]

۱۲۶۔ کروبین کو خدا نے عرش کے نیچے رکھا ہے۔ [8]

۱۲۷۔ ملائکہ، عرش کی ہوا میں جیتے ہیں۔ [9]

۱۲۸۔ خدا نے ایک مرغ خلق کیا ہے جس کی گردن عرش کے نیچے ہے۔ [10] بکثرت وارد ہوا ہے۔

۱۲۹۔ خدا نے عرش کے علاوہ روح سے بڑی کوئی چیز خلق نہیں کی۔ [11]

[1] ۳/۸۸/۸۵
[2] (۰۱/۳۰/۸۵)
[3] (۱۸/۱۰۷/۵۸)
[4] (۳/۵۴/۸۵)
[5] (۹/۵۴/۸۵)
[6] (۹/۱۶۱/۵۸)
[7] (۶۱/۴۷/۹۵)
[8] (۱۱/۱۸۳/۵۹)
[9] (۳/۱۹۲/۵۹)
[10] (۲۲/۷۹/۹۵)
[11] (۰۱/۲۲۲/۹۵)

۱۳۰۔ پھر حضرت اسرافیل عرش کے سامنے والے حصے میں داخل ہوئے۔ [1]

۱۳۱۔ پھر اُس نے اپنا دایاں پاؤں عرش کے نیچے ڈالا۔ [2]

۱۳۲۔ بارش، عرش کے نیچے ایک سمندر ہے۔ [3]

۱۳۳۔ جب ہمارا رب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش اُس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ [4]

۱۳۴۔ کیونکہ وہ عرش کی بائیں طرف سے آتی ہے۔ [5]

۱۳۵۔ رکن یمانی، عرش کی دائیں جانب سے آیا ہے۔ [6] ۱۳۶۔ مومنین کا نور عرش کے نور سے ہے۔ [7]

۱۳۷۔ پھر میں نے اُس مرحلے کو عبور کیا تو دیکھا کہ عرش کے نیچے علیؑ کے ساتھ کھڑا ہوں۔ [8]

۱۳۸۔ خدا نے ز عرش موجود پانی کا ایک قطرہ نازل کیا۔ [9]

۱۳۹۔ عرش کے گرد سبز پرندوں کے جھنڈ میں۔ [10]

www.shiabookspdf.com

۱۴۰۔ ارواح کو عرش کے نیچے قندیلوں کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ [11]

۱۴۱۔ میں نے اُسے ساقِ عرش پہ دیکھا۔ [12]

---

[1] (۱۲۳/۹۵)
[2] (۱۳/۲۶۱/۵۹)
[3] (۱۰/۳۸۳/۵۹)
[4] (۹/۳۸۸/۵۹)
[5] (۳/۱۰/۶۰)
[6] (۱۰/۱۰/۶۰)
[7] (۱۵/۲۶۰/۶۰)
[8] (۸/۳۰۳/۰۶)
[9] (۸۱/۵۸۳/۰۶)
[10] (۱۰/۵۰/۶۱)
[11] (۲۱/۱۰/۱۶)
[12] (۲۰/۸۰/۶۳)

۱۴۲۔ہم عرش کے نیچے سایوں کی صورت میں موجود تھے۔[1]

۱۴۳۔خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیر عرش موجود طینت سے خلق کیا۔[2] ۴۴۱۔خدا عرش کی دائیں جانب سے کچھ بندوں کو اٹھائے گا۔[3]

۱۴۵۔روزِ قیامت عرش کے گرد نور کے منبر نصب کیے جائیں گے۔[4]

۱۴۶۔تم عرش کے سایے میں امان میں ہو۔[5]

۱۴۷۔جو علیؑ سے محبت کرے اُسے عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ نداء دیتا ہے۔[6]

۱۴۸۔مجھے سورۃ فاتحہ عرش کے نیچے سے ملی۔[7]

۱۴۹۔وہی عرش کے سایے میں سبقت کرنے والے ہیں۔[8]

۱۵۰۔میرے لیے ایک خزانہ ہے جو عرش سے عظیم تر ہے۔[9]

۱۵۱۔روٹی میں وہ پانی کام کرتا ہے جو عرش کے نیچے ہے۔[10]

۱۵۲۔اُس کے دل سے نکلا یہاں تک کہ عرش پہ پہنچ گیا۔[11]

۱۵۳۔جب مومن جھوٹ بولتا ہے تو حاملین عرش اُس پہ لعنت کرتے ہیں۔[12]

---

[1] (۴/۰۰۱/۷۶)
[2] (۵/۶۱/۸۶)
[3] (۵/۶۱/۸۶)
[4] (۵/۹۱/۸۶)
[5] (۹/۶۳/۸۶)
[6] (۳/۵۴/۸۶)
[7] (۱/۴۲۳/۸۶)
[8] (۲/۳۰۳/۹۶)
[9] (۳/۹۵/۰۷)
[10] ۱/۳۶۳/۲۷
[11] ۱/۳۶۳/۲۷
[12] (حوالہ سابق)

۱۵۴۔حضرت موسیٰؑ نے عرش کے نیچے ایک شخص کو دیکھا۔[1]

۱۵۵۔جب یتیم روتا ہے تو عرش لرز جاتا ہے۔[2]

۱۵۶۔نہر کوثر ساق عرش سے جاری ہوتی ہے۔[3]

۱۵۷۔اُس کے لیے عرش کے نیچے موجود ایک پرندہ طلبِ مغفرت کرتا ہے۔[4]

۱۵۸۔وہ اسی طرح رہتا ہے، یہاں تک کہ عرش کے نیچے پہنچ جاتا ہے۔[5]

۱۵۹۔میں عرش کے نیچے موجود ہواؤں میں سے ایک ہوا کو ضرور حکم دوں گا۔[6] ۰۶۱۔تم اوپر جا کر عرش کے پاس ایک چشمے پر بیٹھ جاؤ گے۔[7]

۱۶۱۔جب بدکار کی تعریف کی جائے تو عرش ہل جاتا ہے۔[8]

۱۶۲۔عرش کے نیچے اُس کے ذکر کا ہمہمہ رہتا ہے۔[9]

۱۶۳۔خدا زیرِ عرش خزانوں سے نیچے نازل کرتا ہے۔[10]

۱۶۴۔آسمان نے گریہ کیا، یہاں تک کہ اُس کے آنسو عرش تک گئے۔[11]

۱۶۵۔عباد، عرش کے ارکان میں سے ایک رکن کے نیچے چشمے کا نام ہے۔[12] ۶۶۱۔مجھ

---

[1] (۳/۳۸/۴۷)
[2] (۱۳/۵/۷۵)
[3] (۱/۰۴/۵۷)
[4] (۵/۳۵/۶۸)
[5] (۳/۵۵/۶۸)
[6] (۲/۵۴/۷۷)
[7] (۷/۷۳/۷۷)
[8] (۳/۲۵/۷۷)
[9] (۱۰/۲۹۲/۷۷)
[10] (۱۶/۲۹۲/۷۸)
[11] (۵/۲۷/۹۷)
[12] (۳/۰۱۳/۰۸)

www.shiabookspdf.com

سے پوچھو کہ عرش کے نیچے کیا ہے؟[1]

۱۶۷۔ وہ ایک چشمہ ہے جو عرش کے ارکان میں سے ایک رکن سے بہتا ہے۔

۱۶۸۔ حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا تو انہیں عرش کی جانب ایک نور دکھائی دیا۔[2]

۱۶۹۔ آپ پر سکینہ نازل ہوئی، جس کی عرش کے گرد ایک طرح کی آواز تھی۔[3]

۱۷۰۔ مجھے آیت الکرسی عرش کے نیچے ایک خزانے سے عطا کی گئی۔[4]

۱۷۱۔ اُس پر ایک مہر لگائی اور اُسے عرش کے نیچے رکھ لیا۔

۱۷۲۔ خدا کی حمد ہو اُس کی رضا کی انتہاء تک اور عرش کے وزن کے برابر۔[5] بکثرت وارد ہوا ہے۔

۱۷۳۔ یہ دعا عرش کے خزانوں میں سے ایک ہے۔[6]

۱۷۴۔ رب تعالیٰ عرش پہ غالب ہوا۔[7] بکثرت وارد ہوا ہے۔

۱۷۵۔ ایک منادی اُسے عرش کے نیچے سے نداء دے گا۔[8]

۱۷۶۔ یہ اُس سے بھی زیادہ قیمتی ہے جو عرش کے خزانوں میں موجود ہے۔ اِس کا ذکر سورۃ الفاتحہ کے بارے میں کثرت کے ساتھ آیا ہے۔

۱۷۷۔ خدا نے عرش کے اوپر نوری حجابوں کی طرف ایک نور کو خلق کیا۔[9] ۱۷۸۔ یہ

---

[1] (۲۲/۳۵۲/۲۸)
[2] (۲/۰۸/۵۸)
[3] (۱/۱۶/۶۸)
[4] (۶/۶۲/۶۸)
[5] (۵/۱۹/۶۸)
[6] (۲/۰۳۳/۶۸)
[7] (۶/۱۶۷/۹۰)
[8] (۱/۲۹۹/۹۰)
[9] (۱/۲۳۳/۲۹)

کلمات زیرِ عرش، جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔[1]

۱۷۹۔ خدا نے ایک عمود بنایا جس کا سرا عرش کے نیچے ہے۔[2]

۱۸۰۔ جب بندہ لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو عرش کانپ جاتا ہے۔[3]

۱۸۱۔ میں تیرے اُس اسم کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے عرش کو طاقت دی۔[4]

۱۸۲۔ خدا نے انہیں اپنے ہاتھ آسمان پہ موجود عرش کی جانب بلند کرنے کا حکم دیا۔[5]

۱۸۳۔ کیونکہ اِن کے اور عرش کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہوتا۔[6]

۱۸۴۔ جو پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کے لیے دعا کرے اُسے عرش سے نداء آتی ہے۔[7]

۱۸۵۔ میں تیرے اُس اسم کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جس کے سبب عرش قائم ہے۔[8]

۱۸۶۔ خدا نے یہ دعا عرش کے پایوں پر لکھی ہے۔[9]

۱۸۷۔ ملائکہ اُسے کھینچ کر عرش کے نیچے لے جاتے ہیں۔[10]

۱۸۸۔ بسم اللہ، ساقِ عرش پہ لکھی ہوئی ہے۔[11]

www.shiabookspdf.com

---

[1] ۸/۵۷/۳۹
[2] (۸۶/۳۹/۳۹)
[3] (۳/۳۹/۳۹)
[4] (۱۹/۲۵۵/۹۳)
[5] (۱۰/۳۰۹/۹۳)
[6] (۲/۲۳۳/۳۹)
[7] (۳/۵۸۳/۳۹)
[8] (۱/۸۵۳/۳۹)
[9] (۱۳/۳۸۳/۹۳)
[10] (۹/۰۰۳/۳۹)
[11] (۹/۳۵/۹۵)

۱۸۹۔ چار چیزیں عرش کے گرد لکھی ہوئی ہیں۔[1]

۱۹۰۔ جو بھی اِس دعا کو اخلاص کے ساتھ پڑھے تو عرش ہل جاتا ہے۔[2] بکثرت وارد ہوا ہے۔

۱۹۱۔ میں اُسے عرش میں اپنی مخلوق کی تعداد کے برابر عطا کروں گا۔[3] ۱۹۲۔ میری نظر عرش میں موجود ایک کھلے ہوئے مقام کی طرف گئی۔[4]

۱۹۳۔ میں اُسے عرش کے موتیوں کی تعداد کے برابر اجر دوں گا۔[5]

۱۹۴۔ میں نے اُسے سواری بنایا اور اٹھا کر ساقِ عرش تک لے گیا۔[6]

۱۹۵۔ عرش کے نیچے سے ہوا چلی۔[7] بکثرت وارد ہوا ہے۔

۱۹۶۔ خدا کا ایک فرشتہ ہے جس کا شانہ عرش کے نیچے ہے۔[8]

۱۹۷۔ اُس کے لیے عرش کے نیچے دسترخوان بچھایا گیا۔[9]

۱۹۸۔ خدا اُسے قبر میں مبارک باد دیتا ہے حتیٰ کہ وہ عرش کی طرح ہو جاتی ہے۔[10]

۱۹۹۔ جبرائیلؑ نے اُسے عرش کے سامنے سے ندا دی۔[11]

۲۰۰۔ افقِ مبین، عرش کے سامنے ایک وسیع و کشادہ ہال ہے۔[12]

---

[1] (۲۱/۱۵۵/۹۵)

[2] (۷/۶۷/۵۹)

[3] (۸۱/۹۶/۵۹)

[4] (۲۲/۳۰۶/۹۵)

[5] (۹۱/۱۵۳/۵۹)

[6] (۳/۹/۶۹)

[7] (۳/۳۳۸/۹۶)

[8] (۷/۸۳۳/۶۹)

[9] (۱۶/۲۸/۹۶)

[10] (۳/۷۶/۷۹)

[11] (۱۷/۷۰/۹۷)

[12] (۹/۱۹/۷۹)

www.shiabookspdf.com

۲۰۱۔ روزبہمن، عرش کے نیچے موجود ایک فرشتے کا نام ہے۔

۲۰۲۔ قلبی طور پر ملائکہ کے ہمراہ عرش کے گرد طواف کرو۔[1]

۲۰۳۔ عرش کے احاطے میں سرخ یاقوت تھا۔[2] ۲۰۴۔ اُس سے بات کرنے والے یعنی امام حسینؑ عرش کے نیچے تھے۔[3]

۲۰۵۔ امام حسینؑ عرش کے سائے میں بیٹھے۔[4] ۲۰۶۔ تمہارے آنسو سے عرش کے سائے لرز گئے۔[5]

۲۰۷۔ خدا عرش کے نیچے سے بہت سے لوگوں کو اٹھائے گا۔[6] بکثرت وارد ہوا ہے۔

۲۰۸۔ میں حاملین عرش کو اولادِ آدمؑ کی صورت میں دیکھتا ہوں۔[7]

۲۰۹۔ لیکن عرش کا سایہ اِس سے زیادہ خوبصورت اور بڑا ہے۔[8] ۲۱۰۔ میں عرش کے نیچے پہنچا تو علیؑ میرے ساتھ تھے۔[9]

۲۱۱۔ خدا نے عرش کو چوکور کی شکل میں بنایا ہے۔[10]

۲۱۲۔ عرش کے گرد چار نہریں ہیں۔[11]

۲۱۳۔ حاملین عرش کے پاؤں ایک خیمے میں ہیں۔[12]

---

[1] (۰۲/۳۲/۹۹)

[2] (۵/۲۲۵/۹۹)

[3] (۳/۱۱/۱۰۱)

[4] (۸/۵۷/۱۰۱)

[5] (۱۵/۲۶۶/۱۰۱)

[6] (۳/۱۵۱/۲۰۱)

[7] (۱۱۳/۷)

[8] (۹/۹۲/۵۷)

[9] (۸/۳۰۳/۰۶)

[10] (۱۶/۲۵/۵۷)

[11] (۱۷/۱۸/۵۸)

[12] (۱۳/۳/۸۵)

۲۱۴۔ اُسے عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ نداء دیتا ہے کہ اپنا عمل نئے سرے انجام دے۔ ①

۲۱۵۔ عرش، علم و قدرت کا نام ہے۔ ②

۲۱۶۔ اُس نے عرش پہ چند شان والے نام لکھے ہوئے دیکھے۔

۲۱۷۔ عرش کے علاوہ مجھ سے جس چیز کا بھی سوال ہوگا میں اُس کا جواب دوں گا۔ ③

۲۱۸۔ عرش کی تقدیر وہی کر سکتا ہے جس نے اُسے خلق کیا ہے۔ ④

۲۱۹۔ میں نے عرش کے دائیں پائے پر لکھا ہے کہ میں اللہ ہوں۔

۲۲۰۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اُس عرش کے رب جو حرکت نہیں کرتا۔ ⑤

۲۲۱۔ یہ عرش کے حامل ہیں جو کہ علم ہے۔ ⑥

۲۲۲۔ عرش، جو کہ خدا کا علم ہے، اُس کے حامل چار ہیں۔ ⑦

۲۲۳۔ اِس میں عرش سے لے کر زمین تک کے تمام عوامل کارفرما ہیں ⑧ بکثرت وارد ہوا ہے۔

۲۲۴۔ تمام حمد اللہ کے لیے، جو عرش عظیم کا رب ہے۔ ⑨

۲۲۵۔ تو عرش مولا علیؑ کی زیارت کا مشتاق ہوگیا۔ ⑩

---

① (۲۱/۱۴/۵۸)

② ۶۱/۷۵/۱۱

③ (۲/۶۲/۰۱)

④ (۱/۱۴/۸۵)

⑤ (۱۴/۷۴/۵۹)

⑥ (۱۴/۷/۵۷)

⑦ (۱۸/۲۱/۲۴)

⑧ (۸/۰۷۴/۶۶)

⑨ (۱۹/۱۱۴/۷۳)

⑩ (۱۶/۹۷/۳۹)

۲۲۶۔ آج عرش کے حامل چار ہیں۔ ①

۲۲۷۔ یاد رکھو، عرش کے سرادق پر لا الہ الا اللہ لکھا ہوا ہے۔ ② ۲۲۸۔ عرش میں تمام مخلوقات کے عکس موجود ہیں۔ ③ بکثرت وارد ہوا ہے۔

۲۲۹۔ لوح محفوظ اور عرش کے مابین کوئی حجاب نہیں۔ ④

۲۳۰۔ اے جبرائیلؑ! یہ حاملینِ عرش نے اپنے سروں کو کیوں جھکایا ہوا ہے؟ ⑤ بکثرت وارد ہوا ہے۔

۲۳۱۔ ساقیِ عرش پہ اللہ کے رسولؐ ہوں گے۔ ⑥

۲۳۲۔ عرش کے سایے میں ستر ہزار امتیں ہوں گی۔ ⑦

۲۳۳۔ ملائکہ اور عرش کے درمیان ستر حجابات ہیں۔ ⑧

۲۳۴۔ عرش کے نیچے ستر نورانی حجابات ہیں۔ ⑨

۲۳۵۔ پھر اُس نے دونوں انوار کو حکم دیا تو وہ ستر سال عرش کے گرد محوِ طواف رہے۔ ⑩

۲۳۶۔ عرش کے سایوں کی طرف سبقت کرنے والوں کے لیے بشارت ہے۔ ⑪

۲۳۷۔ عرش کے نیچے لوح محفوظ میں علیؑ لکھا ہوا ہے۔ ⑫

---

① (۶/۵۲/۵۸)

② (۳۱/۱۴۴/۳۹)

③ (۳/۶۴/۸۵)

④ (۱/۵۵/۹۰)

⑤ (۱۴/۳۱۸/۱۶)

⑥ (۹/۳۰۱/۶۱

⑦ (۱۸/۳۳۸/۵۸)

⑧ (۲۱/۴۴/۸۵)

⑨ (۹/۳۵/۵۸)

⑩ (۶/۲۱/۲۵)

⑪ (۹/۳۰۳/۶۹)

⑫ (۱۴/۲۹۹/۳۷)

www.shiabookspdf.com

۲۳۸۔ پھر اُس نے اپنا عرش پانی پہ ٹھہرایا۔ ① بکثرت وارد ہوا ہے۔

۲۳۹۔ عرش دھند کے حجابات سے نیچے پانی پر قائم ہے۔ ②

۲۴۰۔ عرش کا ایک کنارہ اُس کے کندھے پر ہے۔ ③

۲۴۱۔ خدا نے عرش کے بوجھ کو فرشتوں کے کندھوں پر ہلکا کیا۔ ④

۲۴۲۔ عرش حضرت اسرافیلؑ کے کندھے پر ہے۔ ⑤

۲۴۳۔ اے وہ جو اپنی رحمانیت کے ساتھ غالب ہوا اور عرش غائب ہو گیا۔ ⑥

۲۴۴۔ خدا نے عرش کو خلق کیا اور اُس پر غالب ہوا۔ ⑦

۲۴۵۔ عرش کی جانب سے ایک ہوا چلے گی اور اُن کا پسینہ سکھا دے گی۔ ⑧

۲۴۶۔ وہ ساقِ عرش کے پاس پہنچے اور علم کے ذریعے قریب ہوئے۔ ⑨

۲۴۷۔ میں عرش کے اوپر پہنچا تو وہاں میں نے چار انوار دیکھے۔ ⑩

۲۴۸۔ خدا نے عرش کو خلق کیا اور اُس کے ارکان پہ یہ تحریر لکھی:۔ ⑪

۲۴۹۔ اصلاً عرش سے مراد حکومت ہے۔ ⑫

---

① ۱۳/۱۰/۵۱
② ۷/۶۹/۰۴
③ (۱۶/۲۵۹/۵۹)
④ (۱۱/۶۳۳/۶۲)
⑤ (۷/۸۰۳/۳۶)
⑥ (۰۱/۷۳۲/۸۹)
⑦ (۳/۳۷۲/۵۷)
⑧ (۵/۲۳۳/۷)
⑨ (۹/۱۳/۰۱)
⑩ (۸/۵/۵۳)
⑪ (۲/۲۳۳/۶۳)
⑫ (/۵۸)

۲۵۰۔ عرش سے اوپر ہر درجے میں ایک ہزار فرشتے موجود ہیں۔ ①

۲۵۱۔ ایک دوسری صورت میں عرش سے مراد علم ہے۔ ②

۲۵۲۔ عرش ایک اور اعتبار سے تمام مخلوق کو کہا جاتا ہے۔ ③

۲۵۳۔ ہر شب جمعہ ہماری ارواح عرش پہ جاتی ہیں۔ ④

۲۵۴۔ نبیوںؑ کی ارواح ہر جمعرات کو عرش پہ جمع ہوتی ہیں۔ ⑤

۲۵۵۔ عرش، تخت کی طرح نہیں کہ جیسے تم نے سمجھ رکھا ہے۔ ⑥

۲۵۶۔ میں نے عرش کو کھنکھنایا تو وہ ایسے بجا تھا جیسے زنجیر طشت پہ بجتا ہے۔ ⑦

۲۵۷۔ عرش پر بیٹھنا، حکم صادر کرنے سے کنایہ ہے۔ ⑧

۲۵۸۔ اس نے عرش پہ [لا الہ الا اللہ] لکھا ہوا دیکھا۔ ⑨

۲۵۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام 'محمدؐ' عرش پہ لکھا ہوا ہے۔ ⑩

۲۶۰۔ عرش کے ارکان تک سوائے مولا علیؑ کے کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ⑪

www.shiabookspdf.com

۲۶۱۔ امام حسینؑ عرش کی دائیں طرف سے اُس کے ساتھ لپٹے ہوں گے۔ ⑫

---

① (۳/۹۷/۶۸)
② (۱۲/۸۳۳/۳)
③ (۱/۲۹/۵۸)
④ (۳/۱۵۲/۱۷)
⑤ (۱۰/۹۰/۲۶)
⑥ (۲۷/۳۳۳/۳)
⑦ (۲/۲۸۲/۳۹)
⑧ (۱۳/۳۷/۸)
⑨ (۸/۲۵/۶۳)
⑩ (۱۷/۲۹/۱۱)
⑪ (۳۲/۹۵۲/۹۳)
⑫ (۷/۶۷۳/۵۲)

۲۶۲۔ بے شک مولا حسین عرش کی دائیں طرف اُس سے لپٹے ہوں گے۔ [1]

۲۶۳۔ اے اللہ! مجھے وہ مقام عطا کر کہ میں تیرے کمالِ رحمت کے ساتھ عرش کا طواف کروں۔ [2]

۲۶۴۔ اُس اِسم کے واسطہ، جس سے تو نے عرش و کرسی کو خلق کیا۔ [3]

اے میرے اللہ، اے عالمین کے پروردگار! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اپنے عرش کے ساکنوں اور دنیا و آخرت میں اُس کے حاملین میں سے قرار دے۔ ہمیں علومِ عرشی اور نجاتِ قدس کو اٹھانے کی توفیق عطا کرے اور ہمارا حشر و نشر محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ساتھ کرے۔ (آمین!)

[1] (۴۴/۲۹۲/۳)

[2] (۴۹/۲۷۳/۲۱)

دسویں فصل

امام حسین علیہ السلام چراغِ ہدایت اور کشتیٔ نجات ہیں

۱۔ امام حسین علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ فرماتے ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا تو وہاں ابی بن کعب بھی موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا اس طرح استقبال کیا:

مَرْحَبًا بِكَ يَا أَبَا عَبْدِاللهِ . مَرْحَبًا بِكَ يَا زَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرَضِيْنَ

"مرحبا اے ابوعبداللہ! مرحبا اے آسمانوں اور زمین کی زینت!"

اس پر ابی بن کعب عرض کرنے لگے: یا رسول اللہؐ! آپؐ کے علاوہ بھی کوئی آسمانوں اور زمین کی زینت ہو سکتا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: اے ابی! اُس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا آسمان میں وہ زمین کی نسبت زیادہ بڑی شان کے مالک ہیں۔ بلاشبہ خدا کے عرش کی دائیں جانب لکھا ہوا ہے کہ وہ ہدایت کا چراغ، نجات کا سفینہ، خیر و برکت کا امامؑ، پیکر عزت و افتخار اور علم کا لبریز و ناپیدا کنار سمندر ہیں۔

خدا نے اُن کی صلبِ مبارک میں ایک طیب، مبارک اور پاکیزہ نطفہ رکھا ہے۔ اُس نے دعا کے چند کلمات سکھائے ہیں۔ اگر کوئی بھی مخلوق اُن کلمات سے دعا کرے تو خدا اُسے اُن کے ساتھ محشور کرے گا اور وہ آخرت میں اُس کے شفیع و مددگار رہوں گے۔ خدا اُس کے تمام غم و پریشانیاں دور کر دے گا، اُس کے قرضے چکا دے، اُس کا معاملہ آسان اور اُس کی راہ صاف کر دے گا۔ اُسے دشمن پہ غلبہ عنایت کرے گا اور اُس کا پردہ برقرار رہے گا۔

ابی بن کعب نے کہا: یا رسولؐ اللہ! وہ دعائیہ کلمات کون سے ہیں؟

www.shiabookspdf.com

آپؑ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھ چکو تو اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے یہ کہو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ بِكَلِمَاتِكَ وَ مَعَاقِدِ عَرْشِكَ وَسُكَّانِ سَمٰوَاتِكَ وَ اَنْبِيَائِكَ وَ رُسُلِكَ اَنْ تَسْتَجِيْبَ لِی فَقَدْ رَهِقَنِیْ مِنْ اَمْرِی عُسْرًا ۔ فَاَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَ اَنْ تَجْعَلَ لِی مِنْ اَمْرِی يُسْرًا۔

جب تم یہ دعا پڑھو گے تو خدا تمہارا معاملہ آسان کرے گا، تمہارا سینہ کھول دے گا اور جب تمہاری سانس نکل رہی ہوگی تو تمہیں اپنی وحدانیت کی شہادت کی تعلیم دے گا۔ [1]

یہ حدیث کافی طویل ہے۔ اِس میں امام حسینؑ کی اولاد سے ہونے والے آئمہ طاہرینؑ کے اسماء اور اُن کی دعائیں ذکر ہوئی ہیں۔

۲۔ محقق جعفر تستری خصائصِ حُسینیہؒ میں لکھتے ہیں کہ اُن کی تعریف میں عرش کی دائیں جانب یہ تحریر لکھی ہوئی ہے: اِنَّ الْحُسَيْنَ مِصْبَاحُ الْهُدٰی وَ سَفِيْنَةُ النِّجَاةِ
"بے شک امام حسین علیہ السلام ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہیں"۔ [2]

اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۵ پر لکھتے ہیں: خدا نے انہیں سب سے بڑی مخلوق عرش عطا کی ہے۔ اس عطا کی کچھ کیفیتیں ہیں:

پہلی کیفیت: خدا نے انہیں عرش کا سایہ عطا کیا ہے۔ جیسا کہ اُس نے عرش کے سایے میں ایک مخصوص بنایا ہے جہاں امام حُسین علیہ السلام قیامت کے دن بیٹھیں گے اور اُن کے زائرین اور اُن پہ گریہ کرنے والے بھی اُن کے ساتھ ہوں گے۔ ان کی بیویاں انہیں جنت سے پیغام بھیجیں گی تو وہ اُن کے پاس جانے سے انکار کر دیں گے اور امامؑ کی مجلس میں بیٹھے رہیں گے۔ خدا نے عالم برزخ میں امام عالی مقامؑ کو عرش کی دائیں طرف مقام عطا کیا ہے۔ آپؑ وہاں سے ہمیشہ اپنی مقتل، وہاں سکونت کرنے والوں، اپنے زائرین اور گریہ و نوحہ کرنے والوں کو دیکھتے ہیں۔ اُن کے لیے طلبِ مغفرت کرتے ہیں۔ اُن کو مخاطب کر کے بلاتے ہیں۔ اور اپنے نانا و بابا علیہما السلام سے اُن کے حق میں استغفار کراتے ہیں۔

---

[1] (بحارالانوار: ۴۲/۲۶۲؛ ۳۶/۲۰۵)

[2] (صفحہ ۴۷، ۴۸)

[قارئین کرام! آپ کو خدا کا واسطہ، مجھے یہ بتائیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اُن عترت طاہرہؑ اور بالخصوص امام حسینؑ کسی کے لیے مغفرت کریں تو اُس کا کوئی گناہ باقی رہے گا؟!]

خدا نے انہیں عرش پہ اپنے زائر کے متعلق بات کرنے کا مقام عنایت کیا ہے۔ جیسا کہ زائر کے بارے میں یہ فضیلت بھی نقل ہوئی ہے کہ وہ عرش کے اوپر خدا سے ہم کلام ہونے والوں میں سے ہوتا ہے۔ [1] اِس طرح عرش زائر امام حسینؑ کے ذکر کی مجلس کا مقام ہے۔ اور اُس کا سایہ اُس شخص کے لیے ہے جو امامؑ کا ذکر کرتا ہے۔ اب تصور کیجیے کہ اُس شخص سے بالاتر کون ہو سکتا ہے جس سے خدا ہم کلام ہو؟!

خدا نے امامؑ کو عرش کے ایسے سایے عطا کیے ہیں جن میں آپؑ کے خون کی وجہ سے زلزلہ پیدا ہوا اور وہ آپؑ کی مظلومیت پہ گریہ کناں ہوئے۔ خدا نے آپؑ کو اطراف سے گھیرنے اور طواف کرنے والے ملائکہ سے عرش کی مثل مقام عنایت کیا ہے۔ [2] (یعنی وہ عرش کی مثل آپؑ کو ہمیشہ گھیرے رکھتے ہیں اور آپؑ کے گرد طواف میں مشغول رہتے ہیں۔)

دوسری کیفیت: یہ سابقہ کیفیت سے زیادہ بلند و بلیغ تر ہے۔ وہ یہ کہ ہم یہ کہیں کہ خدا نے آپؑ کو عرش عطا کیا ہے اور اُس پہ سارا اختیار آپؑ کا ہے۔ کیونکہ آپؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ مل کر اُس کی زینت کا سبب، اُس کے جھومر اور گوشوارے کی طرح ہیں۔ اور ہر چیز اپنی زینت کے ساتھ کامل ہوتی ہے۔ اِس لیے اگر عرش کوئی بات کہے تو وہ یہ کہے گا: اَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ میں حسینؑ سے ہوں۔ الغرض عرش کا وجود خواہش حسینیؑ ہے۔

صفحہ ۳۸ پر آپؑ کی برزخ کی خصوصی کیفیت کے متعلق بیان کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں: ایک حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ مولا حسین علیہ السلام عرش کی دائیں سمت موجود ہیں اور اپنی جائے شہادت، وہ ٹھہرنے والوں اور اپنے لشکر کے مقام کو دیکھتے ہیں۔ آپؑ اپنی زیارت کے لیے آنے والوں کو بھی دیکھتے ہیں اور انہیں اُن کے اسماء، اُن کے باپ دادا کے ناموں،

---

[1] (کامل الزیارات: ۱۴۱)

[2] (الارشاد: ۲۴۹)]

www.shiabookspdf.com

خدا کے یہاں اُن کے درجات و منازل کو تم سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

امامِ مظلومؑ اپنے اوپر گریہ و نوحہ کرنے والے کو دیکھتے ہیں اور اُس کے لیے گناہوں سے معافی طلب کرتے ہیں۔ اپنے آباءِ اطہارؑ سے اُس کے حق میں استغفار کراتے ہیں۔ اور اُسے مخاطب کر کے کہتے ہیں:

اَيُّهَا الْبَاكِي! لَوْ تَعْلَمُ مَا اَعَدَّ اللهُ لَكَ، لَكَانَ فَرَحُكَ اَكْثَرَ مِنْ جَزَعِكَ۔

"اے رونے والے! اگر تو جان لے کہ خدا نے تمہارے لیے کیسا اجر تیار کر رکھا ہے تو تمہاری خوشی غم سے زیادہ ہو جائے گی"۔

محشر میں امام عالی مقامؑ کو خصوصی مقام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: روایات میں آیا ہے کہ عرش کے سایے میں امام حسینؑ کی ایک خاص مجلس ہوگی۔ جس کا تعلق صرف انہی سے ہے۔ وہ یہ کہ اُس مجلس میں شریک لوگ اُن پہ رونے والے، اُن کی زیارت کرنے والے اور اُن کے کلام کو توجہ سے سننے والے ہوں گے۔ وہ امامؑ کے پاس بیٹھ کر تمام تر سختیوں سے امان میں ہوں گے۔ جنت سے اُن کی بیویاں اُن کی طرف پیغام بھیجیں گی کہ ہم تمہاری یاد میں بے قرار ہیں تو وہ جنت میں جانے سے انکار کر دیں گے۔ اور امام حسینؑ کی مجلس میں بیٹھے رہیں گے۔[1]

امامِ مظلومؑ کا حشر میں ایک اور بھی خاص مقام ہوگا جو تمام اہلِ محشر کے اضطراب و بے چینی کا سبب بن جائے گا۔ وہ مقام جب جناب سیدہؑ دیکھیں گی تو نہایت ہی غم انگیز لہجے میں گریہ و فریاد کریں گی۔ یہ اُس وقت ہوگا کہ جب آپؑ کو اِس حالت میں میدان حشر میں لایا جائے گا کہ آپؑ کا بدن سر کے بغیر ہوگا اور رگوں سے خون اچھل رہا ہوگا۔ جیسا کہ اِس کی تفصیلات اپنے مقام پر بیان کی جائیں گی۔[2]

---

[1] (کامل الزیارات: ۸۱، ۸۲؛ بحار الانوار: ۴۵/۲۰۷)

[2] (الخصائص الحسینیہ: ۳۹)

گیارہویں فصل

آیتِ سفینہ و حدیثِ سفینہ اور اِن میں شباہت کا پہلو

خدائے عزوجل نے اپنی کتاب میں حضرت نوح علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا

"ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنائیں"۔

اِسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لفظاً و معناً اور تفصیلاً و اجمالاً متواتر بین الفریقین روایت میں ارشاد ہوتا ہے:

مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي كَسَفِينَةِ نُوحٍ علیہ السلام مَنْ رَكِبَهَا نَجَى، وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوَى

"میرے اہل بیتؑ حضرت نوحؑ کی کشتی کی مانند ہیں جو اُس پر سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جس نے اُس سے منہ موڑا وہ غرق ہوا اور ہلاکت میں پڑا"۔

روایت میں ہے کہ جب خدا کی ناطق زبان سرکارِ صادق آلِ محمدؑ سے حدیث نبویؐ اِنَّ الْحُسَيْنَ مِصْبَاحُ الْهُدَى وَ سَفِينَةُ النَّجَاةِ کے بارے میں پوچھا کہ کیا آپؑ سب نجات کی کشتیاں نہیں؟ تو امامؑ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّنَا سُفُنُ النَّجَاةِ اِلَّا اَنَّ سَفِينَةَ الْحُسَيْنِ اَوْسَعُ وَ اَسْرَعُ

"ہم سب نجات کی کشتیاں ہیں، مگر حسینؑ کی کشتی سب سے بڑی اور سب سے تیز ہے"۔

جس طرح جنت دروازوں میں سب سے بڑا دروازہ باب الحسینؑ ہے۔ اِسی

www.shiabookspdf.com

طرح امام حسین علیہ السلام کا سفینہ اِس قدر کشادہ ہے کہ اُس میں حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے آخری آدمی تک کی گنجائش موجود ہے۔ جیسے کہ یہ کشتی اسلام کے کنارے، نجات کے ساحل اور خدا کی رحمت واسعہ کے سمندر اور فناء فی اللّٰہ کی منزل تک پہنچانے میں سب سے تیز ہے۔

میری نظر میں مصباح حسینیؑ اہل تقویٰ افراد کے لیے سبب ہدایت ہے۔ کیونکہ آپؑ قرآن کی مثل، بلکہ ناطق قرآن ہیں۔ تو جیسے تدوینی وعلمی قرآن باتقویٰ لوگوں کی ہدایت کا سبب ہے ایسے ہی تکوینی وعملی قرآن بھی صرف متقی لوگوں کے لیے ہدایت کا باعث ہے۔

البتہ سفینہ حسینیہؑ گناہ گاروں کے لیے ہوتا ہے۔ کیونکہ اِن دونوں کی تجلیات، شعاعیں اور کرنیں آسمانوں اور زمینوں کی نورانیت کا سبب ہیں۔ جیسا کہ تمام ادوار اِس حقیقت کے عینی شاہد ہیں۔ چنانچہ امامؑ کی مظلومانہ شہادت پر آسمان خون کے آنسو رویا۔ جیسا کہ انبیاء، اولیاء اور اوصیاء بھی آپؑ کی غربت پر گریہ کناں رہتے اور آپؑ کا ماتم ومجلسِ عزا برپا کرتے تھے۔ یہ سب اُسی بابرکت سفینے کی تجلیات اور اُسی پرنور مصباح شعاعیں ہیں۔

www.shiabookspdf.com

امامؑ کی شہادت اور کربلا کے خونین واقعہ کے بعد ایک ہزار سال (سے زیادہ) کے عرصے سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ انقلابی تحریکیں اٹھ رہی ہیں، ماتم ومجالس عزا کا سلسلہ شروع ہے، اور امام بارگاہیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ گویا کہ یہ ذکر قرآن کی طرح ہر مقام پر اور ہر دور میں تازہ ہے۔ یہ سب اُسے سفینے اور چراغ ہدایت کی برکتیں ہیں۔

کیونکہ شعائرِ حسینیہؑ، شعائر الٰہیہ میں سے ہیں اور انہیں قائم کرنا دلوں کی طہارت کا سبب بنتا ہے۔

یہ وہ دل ہیں جن میں امام حسینؑ کی شہادت کی ایسی حرارت موجود ہے جو کبھی کم نہ ہوگی۔ یہ ایسا بھڑک دار شعلہ ہے جو ہر زمانے اور ہر نسل کے زندہ دل اور آزاد ضمیر لوگوں کے جذبات کو ابھارتا رہے گا۔ بلاشبہ شعائرِ حسینیہؑ کے تمام مظاہر اور شرعی طور پر ممکنہ صورتیں اُس سفینہ وچراغ کے تجلیات کا حصّہ ہیں۔ اور خدائے حکیم بھی نے یہی چاہا ہے کہ اُس کا دین امام حسینؑ اور آپؑ کے پیاروں کے خون سے سیرابی پا کر ہمیشہ کے لیے زندہ رہ جائے۔

تو اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نجات کی کشتیاں ہیں جو انہیں چھوڑے وہ لامحالہ غرق ہوگا

اور ہلاکت کا شکار ہوگا۔ جیسا کہ قرآن وسنت کی نصوص اس پر شاہد ہیں اور عقل سلیم وفطرتِ سلیمہ کا بھی یہی تقاضا ہے۔

۱۔ کشتیٔ نوحؑ خدا کے حکم سے بنائی گئی

علم بلاغت کے جاننے والوں کو معلوم ہے کہ تشبیہ میں وجہ شباہت کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اور یہ مشبہ، مشبہ بہ، اداۃ تشبیہ اور وجہ شباہت سے مکمل ہوتی ہے۔ مثلاً جب کہا جاتا ہے: زید کالاسد تو اُس میں زید اور شیر کے درمیان وجہ شباہت یعنی شجاعت کا ہونا لازم ہے۔ یا اگر کہا جائے کہ وہ لومڑی کی مانند ہے تو اِس میں وجہ شباہت چالاکی ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ گدھے کی مثل ہے تو اُس میں حماقت کا ہونا حتمی ہے۔

اب جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیتؑ کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو اِس میں بھی کسی نہ کسی وجہ شباہت کا ہونا ضروری ہے تاکہ مثال صحیح اور مکمل ہو سکے۔

ہمارے خیال میں اُس کی بعض صورتیں جو مقام تشبیہ میں ممکن ہو سکتی ہیں وہ یہ ہیں:

خداوند متعال حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کی کشتی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا

"ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنائیں"۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی بنانا خدا کی وحی اور اُس کی طرف سے صادر ہونے والی نص کی وجہ سے تھا۔ نہ کہ اُس کا کام لوگوں کے سپرد کیا گیا تھا۔ بلکہ خدا کی نگرانی وحفاظت میں سب کچھ ہوا۔ یہ فرمان اولاً حضرت نوحؑ کی تسلی کے لیے تھا تاکہ قوم سے رنجیدہ خاطر ہونے پر انہیں اطمینان دلایا جائے کہ خدا آپؑ کو اور آپؑ کے کشتی بنانے کے عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا آپ فکرمند نہ ہوں، ہم آپؑ کی ہر طرح سے حفاظت کریں گے۔ ثانیاً اس فرمان

کا مقصد یہ بتانا تھا کہ یہ جو کشتی بنائی جا رہی ہے اِس کا حکم وحی الٰہی میں آیا اور ارادۂ خداوندی اِس عمل کو انجام دلوانا چاہتا ہے۔

بعینہٖ یہی مقام اہل بیتِ اطہار کا بھی ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی مرضی اور وحی مطابق تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ

(وہ خدا کا نور ایسے گھروں میں ہے کہ جن کے بارے میں اُس نے حکم دیا ہے کہ اُن کی قدر افزائی کی جائے اور اُن میں اُس کا نام لیا جائے۔)[1]

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ

(اے رسولؐ! وہ حکم پہنچا دیں جو آپؐ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور اگر آپؐ نے اُسے نہ پہنچایا تو خدا کی رسالت ہی نہ پہنچائی۔)[2]

بنابریں حجۃ الوداع میں غدیر خم کے مقام پر مولا امیر المومنینؑ کے وصی، امیر اور خلیفۃ الرسولؐ ہونے کا تقرر خدا کی وحی اور اُس کی طرف سے صادر ہونے والی نص کے مطابق تھا۔ یہی نہیں قرآن واحادیثِ نبویہؐ کی کئی ایک نصوص جو فریقین کے یہاں ثابت ہیں، اِس پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ رسول خدا ﷺ نے نص فرمائی کہ امام بارہ ہوں گے اور اُن کا تعلق قریش سے ہوگا۔ جیسا کہ اہل سنت محدثین نے اپنی صحاح ستہ میں بھی اِن نصوص کو نقل کیا ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک تو یہ نصوص متواتر ہیں۔

سرکارِ رضا علیہ السلام نے اپنے آباء کرامؑ سے نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام، قریش سے ہوں گے۔[3]

معانی الاخبار میں ہے کہ امام کو امام اِس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے راہنما ہوتا

[1] (سورۃ النور: ۳۶)

[2] (سورۃ المائدہ: ۶۷)

[3] (بحار الانوار: ۲۵/ ۱۰۴؛ عیون اخبار الرضا: ۲۲۳)

www.shiabookspdf.com

ہے۔ اُس کا تقرر خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور بندوں پر اُس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے اِس فرمانِ الٰہی (إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: اگر خدا اِس بھی کوئی اچھا نام دیکھتا تو ہمیں اُس سے موسوم کرتا۔[1]

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے مروی ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب سعد بن عبداللہ قمی نے آپؑ سے علت پوچھی کہ آخر کیوں لوگ اپنے لیے امامؑ کا انتخاب نہیں کر سکتے؟ امامؑ نے پوچھا: کون سا امام اصلاح کرنے والا یا فساد کرنے والا؟ میں عرض کی: اصلاح کرنے والا۔

امامؑ نے فرمایا: کیا یہ ممکن ہے کہ اُن کا انتخاب غلط ہو، بعد اِس کے کہ جب کوئی دوسرے کے دل کی حالت کو نہیں جانتا کہ وہ اصلاح چاہتا ہے یا فساد؟

میں نے کہا: جی ہاں! یہ ممکن ہے۔

تو امامؑ نے فرمایا: بس یہی وجہ ہے۔ میں اسے ایک ایسے برہان کے ساتھ تمہارے سامنے رکھتا ہوں کہ تمہاری عقل مطمئن ہو جائے گی۔ پھر فرمایا: مجھے اُن رسولوں کے بارے میں بتاؤ جنہیں خدا نے منتخب کیا، اُن پر کتابیں نازل کیں اور وحی وعصمت کے ذریعے اُن کی مدد کی۔ وہ اپنی امتوں سے بڑے عالم تھے اور اُن کے انتخاب میں درستی کا پہلو زیادہ تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، آیا یہ ممکن ہے کہ اِن کی عقل کے مضبوط اور علم کے کامل ہونے کے باوجود بھی جب یہ انتخاب کریں تو اِن کا چناؤ منافق ہو اور وہ اُسے مومن سمجھ رہے ہوں؟

میں نے کہا: نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔

امامؑ نے فرمایا: دیکھو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی عقل کے راسخ، علم کے کامل اور وحی کے نزول کی اہلیت رکھتے ہوئے خدا سے ملاقات کی خاطر اپنی قوم کے سرداروں اور لشکر کے اعلیٰ عہدے داروں میں سے ستر افراد کا انتخاب کیا جن کے ایمان واخلاص میں انہیں کوئی شبہ

[1] (تفسیر عیاشی: ۱/ ۵۸)

نہیں تھا۔ مگر اِس کے باوجود بھی اُن کا انتخاب منافقین پہ ٹھہرا۔ خدا اِس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۔

"اور موسیٰ علیہ السلام ہم سے ملاقات کے لیے اپنی قوم کے ستر افراد کا انتخاب کیا"۔

سو جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی جسے خدا نے نبوت کے منصب کے لیے چنا، اُس کا انتخاب صالح کی بجائے فاسد قرار پایا، حالانکہ وہ اُسے صالح سمجھ رہے تھے نہ کہ فاسد۔ اِس سے ہمیں علم ہو جاتا ہے کہ انتخاب کا حق اُسی ذات کو ہے جو سینوں کے مخفی رازوں سے واقف ہو۔ ①

رسول اللہ ﷺ سے مروی متواتر بین الفریقین حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَ اَحَدُهُمَا اَکْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ: کِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ، وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ، اَلَا وَاِنَّهُمَا لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ

"میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک تم اِن دونوں سے جڑے رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اُن میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ اور وہ کتابِ خدا ہے۔ جو کہ آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی رسی ہے۔ اور دوسری چیز میری عترت اہل بیتؑ ہے۔ آگاہ رہو کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی حتیٰ کہ میرے پاس حوضِ کوثر پہ پہنچ جائیں"۔

① (میزان الحکمہ: ار)

www.shiabookspdf.com

۲۔ عصمت

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو کشتی پر سوار ہونے کی دعوت دی تاکہ وہ طوفان کی زد میں آنے سے بچ جائے، مگر بیٹے نے کہا: میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا اور وہ مجھے طوفان سے بچا لے گا۔

اِس پر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: آج کوئی بھی چیز خدا کے امر سے بچانے والی نہیں۔

اِس فرمانِ الٰہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت طوفان میں غرق ہونے سے بچنے کا واحد راستہ کشتی میں سوار ہونا تھا۔ اِسی لیے حضرت نوحؑ نے اُسے کہا کہ آؤ ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ۔

یہی صورت اہل بیت اطہارؑ کی بھی ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں انہیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ معصوم ہیں اور دوسروں کے لیے باعثِ امان ہیں۔ لہٰذا جو بھی اِن سے روگردانی کرے گا وہ لا محالہ غرق ہو جائے گا۔ تو جس طرح اُس زمانے میں عذابِ خدا سے بچنے کا ذریعہ فقط حضرت نوحؑ کی کشتی پہ سوار ہونا تھا اُسی طرح آج کے دور میں خدا سے غضب سے امان حاصل کرنے ایک ہی وسیلہ ہے۔ اور وہ ہے اہل بیتؑ کی کشتی پہ سوار ہونا۔ جو اِس پہ سوار نہ ہوا وہ ہلاک ہو جائے گا، خواہ وہ اُن کی اولاد میں سے کیوں نہ ہو۔

عصمت خدا کا لطف وعنایتِ خاص ہے۔ یہ ایسی مقدس قوت ہے جو معصوم کو تمام تر برائیوں، عیوب، رزائل اور گناہ کے کام انجام دینے سے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ قوت خدا نے اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء و اوصیاء کو عطا کی ہے تاکہ اُس کے دین و شریعت کی حفاظت ہو سکے۔ اگر یہ نہ ہو تو دین کی حفاظت میں خدا کا لطف کامل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

"بے شک ہم نے ہی اِس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اِس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔ ①

① (سورۃ الحجر: ۹)

لہٰذا عصمت دین کو ضائع، منحرف اور محو ہونے سے بچانے کی ایک ضمانت کا نام ہے۔

امام علی زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: ہم میں سے صرف معصوم ہی امام ہوگا۔ یہ صفت کوئی ظاہر خلقت میں نہیں ہوتی ہے کہ اِسے پہچانا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ امام وہی ہوتا ہے جو منصوص ہو۔

کہا گیا: یا ابن رسول اللہؐ! معصوم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: وہ اللہ کی رسی کو تھامے رکھتا ہے۔ اور اللہ کی رسی قرآن کریم ہے۔ وہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ امام قرآن کی طرف ہدایت کرے گا اور قرآن امام کی طرف ہدایت کرے گا۔

یہی اِس فرمانِ خدا کا مطلب ہے:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

(بے شک یہ قرآن اُس راستے کی جانب راہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے۔)①

حسین الاشقر سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: میں نے جناب ہشام بن حکمؒ سے سوال کیا کہ تم جو کہتے ہو کہ امام صرف معصوم ہی ہو سکتا ہے، اِس کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اِس کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا تھا: معصوم وہ ہوتا ہے جو خدا کی توفیق سے تمام حرام کاموں سے باز رہتا ہے۔ جیسا کہ خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے:

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾

(اور جو شخص خدا سے وابستہ ہو گیا وہ ضرور سیدھے راستے پر لگا دیا گیا۔)②

خصال میں اِس فرمانِ الٰہی [لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿١٢٤﴾]③ کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: اِس سے امامت مراد لی گئی ہے۔ یہ اُس

① (سورۂ بنی اسرائیل: ۹)، (بحار الانوار: ۲۵/۱۹۴)

② (آل عمران)، (معانی الاخبار: ۴۴)

③ (سورۃ البقرۃ)

www.shiabookspdf.com

شخص کے لیے جائز نہیں ہو سکتی جس نے لمحے بھر کے لیے بھی کسی بت یا مورت کی پوجا کی ہو یا خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہو۔ اگرچہ بعد میں مسلمان ہو گیا ہو۔ ظلم سے مراد کسی چیز کو اُس کے مقام سے ہٹا کر رکھنا ہے۔ اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ

اسی طرح وہ شخص بھی امام بننے کا اہل نہیں ہوتا جس نے کوئی صغیرہ یا کبیرہ حرام کام انجام دیا ہو۔ اگرچہ اُس نے بعد میں توبہ کر لی ہو۔ اگر کسی پر خود حد بنتی ہو تو وہ کسی دوسرے پر حد جاری نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صرف معصوم ہستی ہی امام بن سکتی ہے۔ اور عصمت کا پتہ خدا کی طرف آنے والی نص سے لگتا ہے کہ جو اُس کے نبیؐ کی زبان مبارک پہ جاری ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ انسان کے ظاہری اوصاف میں سے نہیں ہوتی جیسے سیاہ و سفید ہونا وغیرہ۔ یہ غائب ہوتی ہے اور اِس کا پتہ غیب جاننے والے خدا کے بتانے سے ہی ہوتا ہے۔①

اِس سے ثابت ہوا کہ امام جو اِس منصب کے اہل ہوتا ہے اُس کی کچھ شرائط اور علامات ہیں۔ اُن میں سے ایک اُس کا معصوم عن الخطا ہونا ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: اُس کے بارے میں علم ہو کہ وہ تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہے۔ نہ حکم بیان کرنے میں لغزش کا شکار ہوگا اور نہ ہی جواب دینے میں خطا کا مرتکب ہوگا۔ نہ اُس سے غلطی ہوگی اور نہ ہی اُس کے بارے میں بھول چوک کا اندیشہ ہوگا۔ اِس سے وہ اپنی رعایہ سے ممتاز ہو جائے گا کہ جو غیر معصوم ہوتے ہیں۔ اگر وہ معصوم نہ ہو تو اُس کے بارے میں ہمیشہ یہ خطرہ رہے گا کہ کہیں باقی لوگوں کی طرح وہ بھی کبیرہ اور ہلاکت میں ڈالنے والے گناہوں، شہوتوں اور لذتوں کا شکار نہ ہو جائے۔②

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو چیزیں امامت کے منصب کے اہل بناتی ہیں اُن میں سے ایک تطہیر اور تمام گناہوں اور ہلاک خیز معصیتوں سے پاک ہونا ہے کہ جو جہنم میں جانے کا موجب بنتی ہیں۔ اِس کے بعد اُن تمام چیزوں کا علم رکھنا کہ جو حلال و حرام کے اعتبار سے امت کو درپیش ہوتی ہیں۔ نیز کتاب خدا کے خاص و عام، محکم و متشابہ، اُس کے علمی

① (خصال: ۱/۱۳۹)

② (بحار الانوار: ۲۵/۱۶۴)

دقائق، تاویلاتِ غریبہ اور ناسخ و منسوخ کو جاننا۔ [1]

بنابریں امام کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے۔ اور کسی کی عصمت ذاتی کے بارے میں خدا کے علاوہ دوسرا نہیں بتا سکتا۔ لہٰذا وہی ہے جو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی نص کے ذریعے لوگوں پر امام مقرر کرتا ہے اور لوگوں کو اُن کے معصوم عن الخطا ہونے کے بارے میں بتاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنا، آپؐ نے ارشاد فرمایا: میں، علیؑ، حسنؑ، حسینؑ اور اولادِ حسینؑ میں سے نو افراد پاک اور معصوم ہیں۔ [2]

انہی وجوہات کی بنا پر خدا ہی انتخاب کا حق رکھتا ہے اور اپنے بندوں میں سے انبیاءؑ اور پھر اُن کے اوصیاءؑ و خلفاء کا چناؤ کرتا ہے۔ تو جو بھی اِن کے ہمراہ ہوا وہ نجات کی کشتی میں سوار ہو گا۔ جو حضرت نوح علیہ السلام کے سفینہ میں سوار ہوا اُسے غرقابی سے امان نصیب ہوئی اور جو امام حسینؑ کے سفینہ پر سوار ہو گا اُسے بھی ڈوبنے اور ہلاک ہونے امان ملے گی۔ امان پانے کا حل صرف اور صرف اِن دو سفینوں پہ سوار ہونے میں پوشیدہ ہے۔ آیت میں جس سفینے کا ذکر ہوا وہ قوم نوح کے لیے تھا اور روایت میں جس سفینے کا ذکر آیا ہے وہ اِس امتؐ کے لیے ہے۔

۳-ایمان

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پر سوار ہونے والے کے لیے اُس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ جیسے ارشاد ہے: اِرۡکَبۡ مَّعَنَا (ہمارے ساتھ سوار ہو جا) ساتھ ہونا ایمان کو مستلزم ہے۔ لہٰذا مومن وہی ہے جو کشتی پر سوار ہونے کی طرف سبقت کرے۔ یہی صورت اہل بیتؑ کے لیے بھی ہے۔ لہٰذا جو اُن کے سفینہ پر سوار ہونا چاہے اُسے پہلے اُن پر ایمان لانا ہو گا۔ اور ایمان، معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔ ایمان کی طرح معرفت کے بھی درجے اور مراحل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ

[1] (بحار الانوار: ۲۵/۱۳۹)

[2] (اکمال الدین: ۱۶۳)

www.shiabookspdf.com

روایات میں دس سے لے کر چار سو درجات تک کا بیان ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بنیادی درجے دس ہوں اور باقی اُن کی فروعات میں سے ہوں۔ اِس طریقے سے اخبار میں جو اختلافِ تعداد کے حوالے سے تضاد نظر آتا ہے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

تو یہ فرمانِ خدا: اِرۡکَبۡ مَّعَنَا صیغہ امر میں ہے اور اِس کا ظہور وجوب میں ہوتا ہے۔ یعنی حضرت نوحؑ کے بیٹے پر واجب تھا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ کشتی پہ سوار ہوتا، مگر اُس نے نافرمانی کی اور حکمِ خدا کے مقابلے میں سرکشی ظاہر کرنے والوں میں سے ہو گیا۔ نتیجتاً وہ غرق ہوا اور دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے خسارے میں ٹھہرا۔ اُسے اُس کے نسب اور خاندانِ نبوت کے ساتھ مادی اور جسمانی اتصال سے کوئی فائدہ نہ ملا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو افراد حضرت نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی میں تھے وہی اُن سے تعلق و قرابت رکھتے تھے۔

اِسی طرح جو شخص امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہوا اور اُن کی کشتی پر سوار ہو وہی نجات پائے گا اور اُس کا شمار حسینیؑ قافلے میں ہو گا۔ اور اُس کے والد امامؑ ہوں گے۔ جیسا کہ رسولِ خدا ﷺ نے کی متفق علیہ حدیث ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: میں اور علیؑ اِس امت کے دو باپ ہیں۔

اِس لیے جو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہو، اِس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تو وہ امامؑ پر ایمان رکھتا ہے اور اِس کے بعد آپؑ کے سفینہ پر سوار ہوتا ہے اور آپؑ کی سیرت، قیام، کلام اور حیاتِ طیبہ سے کسبِ ضیاء کرتا ہے۔

المختصر ایمان کی تکمیل اللہ، رسولؐ اور عترت طاہرہؑ کی معرفت و اطاعت سے ہوتی ہے۔

جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: بے شک وہی شخص خدا کو پہچانتا ہے اور اُس کی عبادت کرتا ہے جو خدا اور ہم اہل بیتؑ میں سے ہونے والے امامؑ کی معرفت رکھتا ہو۔ (الکافی ۱/۱۸۱:)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو ہماری معرفت رکھتا ہو وہ مومن ہو گا اور جسے ہماری معرفت نہ ہو وہ کافر ہو گا۔ سوائے اُس صورت کے کہ جو خدا اور مخلوق کے درمیان خاص ہو۔ لہٰذا جو اُس کی معرفت رکھتا ہو وہ مومن اور جو اُس کی معرفت سے جاہل ہو وہ کافر ہے۔ [1]

[1] (بحار الانوار: ۲۳/۸۸)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اُسے اپنے امامؑ کی معرفت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ [1]

صادق آل محمدؑ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نہ ہماری معرفت رکھتا ہو اور نہ ہی معرفت سے جاہل ہو (یعنی وہ اس بات کوئی معنی ہی نہ دے)، وہ گمراہ ہے، یہاں تک کہ وہ ہماری واجب اطاعت والی اُس راہ کی طرف پلٹ آئے کہ جو خدا نے اُس پر فرض کی ہے۔ اگر وہ اپنی گمراہی پر ہی دنیا سے چلا جائے تو خدا اُس کے ساتھ جو چاہے گا کرے گا۔ [2]

۴۔طہارت

مامون کی امام علی رضا علیہ السلام اور دوسرے علماء زمانہ کے ساتھ ایک طویل مجلس والی حدیث میں ذکر ہے۔

علماء نے امامؑ سے سوال کیا: اے ابوالحسنؑ! ہمیں بتایئے کہ عترت پیغمبرؐ، آل میں سے ہے یا غیر آل میں سے؟ امامؑ نے فرمایا: آل میں سے۔

انہوں نے کہا: پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معنی سے ہٹ کر یہ کیوں کہا: اُمت، میری آل ہے؟ اور یہ علماء ایک خبر مستفیضہ کے حوالے سے کہتے ہیں جسے رد نہیں کیا جا سکتا کہ آل محمدؐ، آپؐ کی امت ہیں۔

یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: مجھے بتاؤ کیا تمہاری نظر میں آل نبیؐ پر صدقہ حرام ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ امامؑ نے پوچھا: کیا امت پہ بھی صدقہ حرام ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

امامؑ نے فرمایا: یہی فرق ہے امت اور آل میں۔ تمہارا برا ہو، تم کس غلط راہ پہ چل پڑے ہو۔ کیا تم نے نصیحت سے منہ پھیر لیا ہے یا تم ہو ہی حد سے گزر جانے والے؟! کیا تم نہیں جانتے کہ وراثت و طہارت آل رسولؐ کے صرف برگزیدہ اور ہدایت پہ قائم رہنے والوں کے حصے میں آئی، نہ کہ سب کے۔

---

[1] (حوالہ سابق: ۷۷)

[2] (الکافی: ۴/۱۸۶)

انہوں نے کہا: اے ابوالحسنؑ! یہ بات آپؑ نے کہاں سے اخذ کی ہے؟ امامؑ نے فرمایا: اِس فرمانِ خدا سے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٦﴾

"بتحقیق ہم نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ اور اُن کی ذریت میں نبوت کا منصب اور کتاب رکھی۔ اُن میں سے بعض ہدایت یافتہ ہیں اور بہت سے فاسق ہیں"۔ [1]

اِس طرح نبوت و کتاب کی میراث ہدایت یافتہ افراد کے حصے میں آئی، نہ کہ گناہ گاروں کے حصے میں۔ کیا تم لوگوں کو علم نہیں کہ جب حضرت نوحؑ نے اپنے رب سے سوال کیا: اے میرے رب! میرا بیٹا میں گھر کے افراد میں سے ہے، بلاشبہ تیرا وعدہ حق ہے اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے اُن سے وعدہ فرمایا تھا کہ انہیں اور اُن کے اہل خانہ کو طوفان سے نجات عطا کرے گا۔ مگر اُن کے سوال کے جواب میں خدا نے فرمایا: اے نوحؑ! وہ تیرے افرادِ خانہ سے نہیں، اُس کا عمل درست نہیں۔ لہٰذا مجھ سے اُس چیز کا سوال مت کرو جس کا تجھے علم نہیں، میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ بنو۔

مامون نے سوال کیا: کیا خدا نے پیغمبرؐ کی عترت کو باقی لوگوں پر فضیلت عطا کی ہے؟

امامؑ نے جواب دیا: خدا نے اپنی کتاب میں عترتِ طاہرہؑ کی شان کو باقی لوگوں کے مقابلے میں بالکل کھول کر بیان کیا ہے۔

مامون نے کہا: یہ کتابِ خدا میں کہاں لکھا ہوا ہے؟ تو امامؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ

"بے شک اللہ نے حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، آل ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ

---

[1] (سورۃ الحدید)

www.shiabookspdf.com

کو تمام جہانوں پر چن لیا۔ یہ بعض، بعض کی اولاد ہیں"۔ (1)

پھر یہ آیت پڑھی:

اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ فَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِیۡمَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاٰتَیۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِیۡمًا ﴿۵۴﴾

"کیا وہ اُن لوگوں کے ساتھ اُس فضیلت کے بارے میں حسد کرتے ہیں جو خدا نے انہیں اپنے فضل سے عنایت کی۔ تو بلاشبہ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب وحکمت عطا کی اور ملکِ عظیم سے نوازا"۔ (2)

اس کے بعد خدا نے اپنے خطاب کا رُخ تمام اہل ایمان کی طرف موڑا اور فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ ۚ

"اے ایمان والو! خدا کی اطاعت کرو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولی الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں"۔ (3)

یہاں اولی الامر سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے کتاب وحکمت کا ہم پلہ قرار دیا۔ اور اِن دونوں کی وجہ سے اُن کے ساتھ حسد کیا گیا۔ اس لیے مذکورہ بالا آیت سے مراد (اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ۔۔۔) چنیدہ اور پاک افراد کی اطاعت ہے۔ یہاں ملک سے مراد اُن کی اطاعت کرنا ہے۔ (4)

یہ روایت شریفہ اس آیت کے مفہوم کو واضح کرتی ہے اور ہمیں بتاتی ہے کہ کشتیٔ نجات کے مالک کا ہر لحاظ سے پاک ہونا ضروری ہے۔ جیسے طہارتِ ولادت، طہارتِ نفس اور طہارتِ اعتقاد وغیرہ۔

(1) (آل عمران)

(2) (سورۃ النساء)

(3) سورۃ النساء: ۵۹

(4) (بحار الانوار: ۲۵/۲۲۲)

اس بنا پر کتاب اور اُس کا علم اور نبوت اور اُس کے معالم حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کی ذریت میں ہی رہیں گے۔ البتہ یہ عظیم منصب امامت و خلافت ہر کس و ناکس کو نصیب نہ ہوگا۔ تو جس نے اپنی زندگی میں گناہ و معصیت کا ارتکاب کیا ہو یا اُس نے اپنی عمر کا ایک حصہ غیر خدا کی پرستش میں گزارا ہو وہ اِس منصب کا اہل نہ ہوگا۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ میں ارشاد ہوا ہے: لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ (میرا یہ عہدہ ظالموں کے پاس نہیں جائے گا۔) مخفی نہ رہے کہ اِن دونوں نبیوںؑ کی ذریت میں بہت سے افراد فاسق تھے اس لیے وہ کتاب، خدا اور نبوت کے حق سے کچھ نہیں پائیں گے۔ حتیٰ کہ وہ حضرت نوحؑ کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

www.shiabookspdf.com

سو جب نبی کا بیٹا فاسق ہو کر الٰہی منصب کا حامل نہیں قرار پا سکتا تو نبیؐ کا صحابی کیونکر اِس کے اہل ہو سکتا ہے؟! جو نبیؐ کے طریقے پر نہ ہو وہ نہ اہل میں سے رہتا ہے اور نہ ہی اُس کی صحابیت کا شرف باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الفتن میں ہے کہ حوض کوثر سے کچھ لوگوں کو دور کیا جائے گا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے بارے میں پوچھیں گے تو آپؐ سے کہا جائے گا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپؐ کے بعد کیسے کیسے برے کام انجام دیے۔ اس لیے حضرت نوحؑ اور امام حسینؑ کی کشتی پر وہی سوار ہو سکتا ہے جو طاہر ہو اور طہارت، سچی توبہ اور ولایت کبریٰ کے ساتھ راہِ راست پہ آ چکا ہو۔ جیسا کہ خبر شریف میں وارد ہوا ہے۔

۵۔ حصولِ ہدایت

جو شخص شب تاریک میں کسی لمبے صحرا میں سفر کر رہا ہو تو وہ آسمان کے ستاروں سے ہدایت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جو شخص دنیا کے نشیب و فراز میں صحیح سمت تلاش کرنا چاہتا ہو

اُس کی راہنمائی کا وسیلہ آئمہ حق ؑ ہیں۔ یہ ہدایت اسی وقت تمام ہوتی ہے جب انسان کو آئمہ ہدیٰؑ کی معرفت ہو، وہ اُن کی اتباع واطاعت کرے، اُن کی سیرت وسلوک کی پیروی کرے اور اُن کی ولایت کو قبول کرے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے:

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴿۸۲﴾

(بے شک اُس شخص کو بہت زیادہ بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے، ایمان لائے، عمل صالح انجام دے اور پھر ہدایت کی راہ پہ قائم رہے۔) ①

علامہ مجلسیؒ کہتے ہیں کہ بہت سی اخبار میں اس آیت کی تفسیر ولایت کی طرف ہدایت حاصل کرنے سے کی گئی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے اِس فرمانِ خدا کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: دیکھا تم نے، خدا نے کیسی شرط رکھ دی۔ انسان کو توبہ، یا ایمان اور عمل صالح نفع نہیں دے سکتے، یہاں تک کہ وہ ہدایت پا جائے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ عبادت میں سر توڑ کوشش کرے، پھر بھی اُس سے قبول نہ ہوگی، یہاں تک کہ وہ ہدایت پا لے۔

راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: قربان جاؤں! کس کی طرف؟ فرمایا: ہماری طرف۔ ②

یعقوب بن شعیب سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس فرمانِ الٰہی [وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴿۸۲﴾] کی تفسیر معلوم کی تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: جو ظلم سے توبہ کرے، کفر سے ایمان لائے، عمل صالح انجام دے۔ پھر ہماری ولایت کی طرف ہدایت پائے۔ اس دوران امامؑ نے اپنے دستِ مبارک سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔ ③

سعد بن طریف سے منقول ہے، وہ بیان کرتے ہیں: میں امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں عمرو بن عبید آیا اور کہنے لگا: مجھے اس فرمانِ الٰہی کی تفسیر بتایئے:

① (سورۃ طٰہٰ)

② (بحار الانوار: ۲۷/۱۶۹)

③ (بصائر الدرجات: ۲۳)

www.shiabookspdf.com

[وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾]

اور اس کے بارے میں سرکشی نہ کرو (حد سے نہ گزرو) ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے وہ ہلاک ہی ہوگیا۔ اور جو کوئی توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے اور پھر راہِ راست پر قائم رہے تو میں اس کو بہت ہی بخشنے والا ہوں۔ ①

تو امامؑ نے اُس سے فرمایا:

اِس فرمان میں خدا نے تمہیں بتایا ہے کہ توبہ، ایمان اور عمل صالح اُسی وقت قبول ہوں گے کہ جب تم ہدایت یافتہ ہو گے۔ توبہ شرک سے ہوتی ہے، ایمان سے مراد خدا کو واحد جاننا ہے، عمل صالح فرائض کا ادا کرنا ہے اور ہدایت والیانِ امر کے ذریعے ہوتی ہے۔ اور وہ ہم ہیں۔ بے شک لوگوں کے ذمہ یہی ہے کہ وہ قرآن ایسے پڑھیں کہ جیسے وہ نازل ہوا ہے۔ مگر یاد رکھ اے عمرو! جب انہیں اس کی تفسیر کی ضرورت پیش آئے گی تو وہ ہمارے ذریعے اور ہماری طرف ہدایت پائیں گے۔ ②

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: خداوند متعال اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴿۸۲﴾

اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص توبہ کرے، ایمان لائے اور عملِ نیک انجام دے، مگر اُسے ہماری ولایت ومودت کی طرف ہدایت نہ ہو اور وہ ہمارے مقام ومرتبے کی معرفت نہ رکھتا ہو تو خدا اُس کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ ③

① (سورۃ طٰہٰ)

② (تفسیر فرات: ۹۱)

③ (حوالہ سابق)

داؤد رقیؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں صادق آلِ محمدؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: قربان جاؤں! اِس فرمانِ خدا کی سمجھ نہیں آتی ہے:

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾

یہ توبہ، ایمان اور عمل صالح کے بعد کون سی ہدایت ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ آئمہ طاہرینؑ کی معرفت ہے جو ایک ایک کرکے آئیں گے۔ (۱)

اِسی فرمانِ خدا کے متعلق جناب ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: یعنی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان رکھے، نیک اعمال انجام دے یعنی فرائض ادا کرے، پھر آلِ محمدؑ کی محبت کی طرف ہدایت پائے۔ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا:

"اُس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، تم میں سے کسی کو بھی تین چیزیں فائدہ نہ دیں گی، جب تک وہ چوتھی چیز کو انجام نہ دے۔ اب جو چاہے اسے حق سمجھے اور جو چاہے اس کا انکار کردے۔ بے شک ہم ہدایت کی منازل اور نیک سیرت آئمہؑ ہیں، ہماری وجہ سے دعائیں مستجاب ہوتی ہیں، بلائیں دور ہوتی ہیں اور آسمان سے بارش برستی ہے۔ ہمارے علم کے بغیر علماء گونگے ہیں۔ ہم مغفرت کا دروازہ اور کشتیٔ نوحؑ ہیں، ہم وہ جنب اللہ ہیں کہ جس کے حق میں کوتاہی کرنے والا روزِ قیامت حسرت وندامت کی فریاد بلند کرے گا۔ ہم خدا کی مضبوط رسی ہیں جو ہمیں تھام لے وہ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت پائے گا۔ ہم سے محبت کرنے والا ہمیشہ غریب الوطن، موردِ ایذاء، تن تنہا، سزا یافتہ، مجبور، مکذوب، دکھی، آنسو بہانے والا اور دکھی دل والا ہوگا۔ یہاں تک اُسے اسی حال میں موت آجائے گی۔ خدا کی خاطر ایسے حال میں رہنے والے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔" (۲)

(۱)(بحار الانوار: ۲۷/۱۹۷)

(۲)(حوالہ سابق)

www.shiabookspdf.com

سبحان اللہ! یہ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ مولا امیر المومنینؑ تمام مظلوموں کے سردار تھے اور اُن کی اِس مظلومیت کا اثر اُن کے اہلِ بیتؑ میں بھی ظاہر ہوا۔ بعض کو تلوار سے شہید کیا گیا تو بعض کو زہرِ جفا سے قتل کیا گیا۔ بلکہ آپؑ کے اہلِ بیت تو کیا مظلومیت کا یہ اثر طولِ تاریخ سے لے کر تا حال باقی ہے۔ حتیٰ اُن کے شیعہ اور ماننے والے بھی اِن مظالم کی زد میں ہیں۔ ظالموں کے قید خانے موالیانِ اہل بیتؑ سے بھرے رہتے ہیں اور انہیں حکامِ جور کی طرف سے طرح طرح کی سختیوں اور شکنجوں میں ڈالا جاتا ہے۔

انہیں اپنے شہر میں بھی سکون سے نہیں رہنے دیا جاتا ہے، اس لیے وہ ہمیشہ غریب الدیار رہ کر زندگی کے دن پورے کرتے ہیں۔ اُن کے دل غم زدہ، آنکھیں پردرد مناظر سے بھری ہوئی اور زندگی دکھوں ومصائب کا گھر ہوتی ہے۔ مگر چونکہ یہ سب خدا کی نظروں کے سامنے ہوتا ہے، اس لیے یہ اِن کی نظروں میں حقیر اور اِسے برداشت کرنا اُن کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ قربانی، دین خدا کے لیے بہت ہی معمولی ہے۔ کیونکہ اِس کی خاطر تو مقدس خون بہائے گئے اور پاکیزہ جانوں کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ولایت وانوارِ ولایت کے صدقے میں شہادت کا بلند مقام عطا کرے۔ اور ہمارا شمار کشتیٔ نجات کے ملاح سرکارِ سید الشہداءؑ کے زمرہ میں کرے۔ (آمین)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں میں میری مثال سورج کی سی اور علیؑ کی مثال چاند جیسی ہے۔ جب سورج غروب ہو جائے تو چاند سے راہنمائی لے لینا۔ (۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے اس فرمانِ خدا (وَعَلٰمٰتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾) (۲) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: نجم سے مراد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علامات آپؐ کے اوصیاءؑ ہیں۔ اُن کے ذریعے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے۔

مولا امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: میرے اہل بیتؑ کی مثال ستاروں

(۱)(بحار الانوار: ۲۴/۷۶)

(۲)(سورۃ النحل)

جیسی ہے۔ جب کوئی ستارہ ڈوبتا ہے تو اُس کی جگہ دوسرا طلوع ہو جاتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مذکورہ آیت کریمہ (وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ⑯) کی تفسیر میں نقل ہوا ہے، آپؑ نے فرمایا: نجم سے مراد ہم آلِ محمدؐ ہیں۔

۶۔نجات

طوفانِ نوحؑ والے دن نجات کا واحد راستہ اُن کی کشتی پہ سوار ہو جانا تھا۔ اِس کے علاوہ کوئی چیز خدا کے عذاب سے امان دینے والی نہ تھی، حتیٰ کہ بلند و بالا پہاڑ۔ کیونکہ وہ خدا کی قدرت کے آگے بے بس تھا۔ یہی معاملہ اہل بیتؑ کی کشتیٔ نجات کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے جانے کے بعد جو بڑا طوفان اٹھا، جس کے نتیجے میں سوائے تھوڑے لوگوں کے، سب مرتد ہو گئے۔ اُس میں امن و سلامتی کا ذریعہ دامن اہل بیتؑ کو تھامنے کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ جیسا کہ خداوند متعال نے بھی یہی حکم دیا ہے:

(يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ⑲) ①

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔

سرکارِ سید الشہداءؑ سے اِس فرمانِ خدا [يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ] ② کے ذیل میں روایت کی گئی ہے کہ ایک امام ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور لوگ اُس کی آواز پہ لبیک کہتے ہیں اور ایک امام گمراہی کی دعوت دیتا ہے اور لوگ اُس کی دعوت قبول کرتے ہیں۔ وہ پہلے لوگ جنت میں اور یہ دوسرے جہنم میں ہوں گے۔ یہی اِس فرمانِ خدا کی تفسیر ہے: فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۞ ایک گروہ جنت میں ہوگا تو دوسرا جہنم میں۔ ③

صادقِ آلِ محمد علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

① (سورۃ التوبہ: ۱۱۹)
② (سورۃ بنی اسرائیل: آیت: ۷۱)
③ (سورۃ شوریٰ)

www.shiabookspdf.com

انه ليس من قوم ائتمنوا بامامهم في الدنيا الا جاء يوم القيامة يلعنهم و يلعنونه. الا انتم و من على مثل حالكم

"بے شک دنیا میں جس گروہ نے بھی اپنا امام خود سے بنایا تو وہ قیامت کے دن اِس حال میں آئے گا کہ وہ اُن پہ لعنت کرے گا اور وہ اُس پر۔ سوائے تمہارے اور جو تمہاری طرح ہوں"۔ ①

۷۔طوفان

اگر آیتِ سفینہ اور حدیثِ سفینہ کو باہم ملا کر دیکھا جائے گا کہ یہ ایک طوفان اور کئی طوفانی حادثات کی خبر دیتی ہیں۔ یہ طوفان و انقلاب و احوال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے قیامت تک باقی ہے۔ یہ دنیا دارِ امتحان اور مقامِ ابتلاء و آزمائش ہے۔ جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف اِس بات پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے، اور اُن کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟! ②

تاریخ انسانیت طوفانوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک کے بعد ایک طوفان سر پہ کھڑا ہے۔ اِس کا آغاز حضرت آدمؑ و شیطان سے ہوا، پھر ہابیل و قابیل آئے، پھر انبیاءؑ اور وقت کے فرعونوں کا سلسلہ چلا، پھر وارثانِ انبیاءؑ اور سلاطینِ جور۔ آئے روز نوعِ انساں کو عقائد، ثقافت، افکارِ فاسدہ، معاشرتی برائیوں جیسے قسم قسم کے طوفانوں اور فسادات کا سامنا ہے۔ مگر حق ہے کہ تمام طوفانی حالات میں نجات کا وسیلہ صرف اور صرف امام عالی مقام کی کشتیٔ نجات پہ سوار ہونا ہے۔ لہٰذا ہمیں عقائد، شریعت اور اخلاق سب چیزیں اہل بیت عصمتؑ سے لینی چاہئیں۔ وہ ہی نجات کے سفینے ہیں۔

① (میزان الحکمہ: ۱/۱۶۹؛ بحار الانوار: ۱۱/۱۸)
② (سورۃ عنکبوت: ۲)

۸-نجات کا انحصار

یہ واضح ہے کہ ہمارے اِس دور کے سفری وسائل موٹر سائیکل، گاڑی، ٹرین اور جہاز وغیرہ ہیں۔ جیسا کہ اُس وقت جانوروں کو سواری کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اگر انسان سفر کے ان نئے و پرانے وسائل کو ترک کر دے اور اُن پہ سوار نہ ہو تو یہ اُس کے لیے ہلاکت کا موجب نہیں بنتا، بخلاف کشتی کے۔ بالخصوص طوفانِ نوح کے زمانے میں تو نجات کا انحصار ہی اِسی پر تھا۔ اور اُس سے روگردانی دوسرے لفظوں میں اپنی ہلاکت و بربادی کو آواز دینا تھی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اہل بیتؑ کو حضرت نوحؑ کی کشتی سے تشبیہ دینے کا مقصد بھی یہی ہے کہ آپؐ کے بعد نجات کی ضمانت انہی کے پاس ہے۔ اِسی کو دیکھ کر مخالفین نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایک جھوٹ کی نسبت دی کہ معاذ اللہ آپؐ نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جسے بھی لے لو ہدایت پا جاؤ گے۔ ہم اِن سے پوچھتے ہیں جب دو صحابہ ایک وقت میں دو متضاد عمل انجام دیں تو ہم اُن میں سے کس کی بات کو لیں گے۔ کیونکہ اس صورت میں اُن میں سے ایک ہی حق پر ہوگا۔ بالفاظ دیگر حق یا تو یزید جیسے شرابی کبابی کے ساتھ ہوگا، یا امام حسینؑ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طیب و طاہر نواسے کے ساتھ۔ یہی معاملہ اِن دو سے پہلے باہم مقابل آنے والوں کا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ دونوں کے طور طریقے ایک دوسرے کے برعکس ہوں اور پھر بھی دونوں حق پہ ہوں۔

خلاصہ یہ کہ جب نجات کا سفینہ اہل بیت پیغمبرؐ ہیں تو اُن کے غیر کے ساتھ نجات نہیں مل سکتی، بلکہ اُن کے غیر کے ساتھ گمراہی و ہلاکت کا موجب بنتا ہے۔ کیونکہ حدیث سفینہ کی نص اس پر بالکل صراحتاً دلالت کرتی ہے۔ یہ حدیث فریقین کے یہاں متواتر ہے۔

اصولِ کافی میں شیخ کلینی رضوان اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے اِس آیتِ کریمہ (اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَلَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً ؕ) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: یہاں مومنین سے مراد آئمہ طاہرینؑ ہیں۔ اہل ایمان اُن کے علاوہ کسی کو

اپنا دوست نہیں بناتے۔ [1]

آپؑ سے ہی مروی ہے کہ اِس فرمانِ خدا میں مومنین سے مراد آل محمدؐ ہیں اور ولیجہ، نہایت قریبی دوست کو کہتے ہیں۔

جناب ابانؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اے باتیں بنانے والو! خدا سے ڈرو اور مال و جاہ کے بندوں کے پاس نہ جایا کرو۔ انہیں اُن کے حال پہ چھوڑ دو، یہاں تک کہ وہ لومڑیاں بن جائیں۔ خدا کو چھوڑ کر اُس کے بندوں کو اپنا قریبی مت جانو۔ اللہ کی قسم میں، اللہ کی قسم میں، تمہارے لیے اُن سے بہتر ہوں۔ پھر امامؑ نے اپنا دستِ مبارک اپنے سینے پہ مارا۔

۹-مودت کی حقیقت

www.shiabookspdf.com

قرآنِ کریم میں ہم سے اہل بیتؑ کی مودت کا بطورِ اجر رسالت تقاضا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: قل لا اسئلکم علیه اجر الا المودة فی القربیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیں میں تم لوگوں سے اپنی قریبی رشتہ داروں کی محبت کے علاوہ کسی اجر کا مطالبہ نہیں کرتا۔ لیکن کچھ لوگ جو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، اُن کی محبت ظاہری اور ایک خاص حد تک ہے۔ ایسی نہیں کہ اُس کی جھلک اُن کے اعضاء و جوارح پہ دکھائی دے۔ وہ محبت کا دم تو بھرتے ہیں مگر اُن کے پاکیزہ تعلیمات و فرامین پر عمل نہیں کرتے۔ یہ بات ہماری سمجھ سے ماوراء ہے کہ بندہ خانوادۂ عصمت و طہارت سے مودت و عقیدت کے بلند و بام دعوے تو کرے مگر عمل کے مرحلے میں دوسروں کی روش اپنا لے۔ دین کا سبق لینے میں اُن کے غیروں کے دروازے پر جائے اور ایسی جگہ سے ہدایت طلب کرے جو انہیں پسند نہیں۔ اتباع کے بغیر محبت بے سود ہے۔ قرآن کریم میں یہی ذکر ہوا ہے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

---

[1] (بحار الانوار: ۲۴ / ۲۴۴)

آیت و حدیث سفینہ کو باہم ملانے سے بھی یہی چیز سامنے آتی ہے۔ حضرت نوحؑ کے دل میں اپنے بیٹے کی محبت تھی، جب ہی تو انہوں اُسے کشتی پر سوار ہونے کی دعوت دی۔ جیسا کہ بیٹے کی باپ سے محبت بھی ایک فطری شے ہے۔ لیکن محض شفقتِ پدری اور دوسری طرف سے بیٹے کا باپ کو چاہنا کافی ثابت نہ ہوا۔ بلکہ نجات کے لیے کشتی میں آنا ضروری قرار پایا۔ اس قرآنی واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ نکلتا ہے ظاہری اور فطری محبت کافی نہیں ہوتی ہے، اس کے ساتھ قولی وفعلی اتباع اور محبت قلبی ناگزیر ہوتی ہے۔ المختصر اتباع عملی وعقیدتی کے بغیر دین کامل نہیں ہوتا ہے۔ روزِ غدیر دین امیر المومنینؑ اور دوسرے آئمہ طاہرینؑ کی ولایت کے ساتھ کامل ہوا۔

۱۰-امامت کا تسلسل

امامت کے سلسلے کا قیامت تک جاری رہنا لازمی امر ہے۔ جیسا کہ اس کے ثابت ہونے پر قطعی دلائل موجود ہیں۔ مثلاً شیعہ وسنی مصادر میں رسول خدا ﷺ کی متواتر حدیث میں یہ لفظیں وارد ہوئی ہیں:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً

"جو شخص اس حال میں مرے کہ اُسے اپنے وقت کے امام کی معرفت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ ①

یہ روایت ہمارے موقف کو بالکل واضح طور پر بیان کرتی ہے۔

اسی طرح حدیث ثقلین بھی اس کا شاہد ناطق ہے۔ وہ لفظاً ومعناً اور تفصیلاً واجمالاً ہر لحاظ سے بین الفریقین متواتر ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں:

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ، كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ الْبَيْتِ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَبَدًا، وَإِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ.

① متفق بین الفریقین

www.shiabookspdf.com

"بے شک میں تم لوگوں کے درمیان دو قیمتی اور گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک تم اُن کے ساتھ متمسک رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں بھی جب تک حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ نہ جائیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی"۔ ①

جس طرح قرآن کریم قیامت تک باقی رہے گا اسی طرح اہل بیت اطہار بھی ہمیشہ موجود رہیں گے۔ کیونکہ یہ شروع سے آخر تک کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ جب طوفان وحوادث اور بدعات وضلالات کا سلسلہ روزِ موعود تک برقرار ہے تو سفینہ نجات کا وجود بھی تمام ازمان واحوال میں ضروری ہے۔ آج کے دور میں سفینۂ حسینیؑ کی سرپرستی امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کر رہے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اپنے اہل سمیت دھنس جاتی۔ تو اُن کے وجود کے فیض سے آسمان وزمین اپنی جگہ قائم ہیں۔ اور اُن کی برکت سے خلق خدا کو روزی میسر ہے۔ وہ قطب عالم امکان، شریک قرآن، امام انس وجان، صاحب العصر والزمان، خدا کی بارہویں حجت اور منتظر امام ہیں۔ خدا ہمیں اُن کے مخلص شیعوں وانصار، اُن کے چراغ کی روشنی سے راہ پانے والوں اور اُن کے سفینہ پر سوار ہونے والوں میں سے قرار دے۔ (آمین ثم آمین)

۱۱-خلائف الارض

خدائے مہربان فرماتا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

① (کتب فریقین)

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾

"آپ ان کے سامنے حضرت نوحؑ کا واقعہ بیان کریں کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا: اے میری قوم! اگر تم لوگوں پر میرا مقام اور آیت خدا سے تنبیہ کرنا گراں ہے تو خدا پر توکل کرتا ہوں، تم بھی اپنے معاملات کو درست کرو اور اپنے حامیوں کو جمع کرلو۔ تاکہ تمہارا فیصلہ خود تم پر بھی مبہم نہ رہے۔ پھر تم سب میری طرف آجاؤ اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ سو اگر تم مجھ سے منہ پھیر چکے ہو تو (غم نہ کرو) میں تم سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کرتا۔ میرا اجر تو خدا کے ذمے ہے۔ اور مجھے حکم ہے کہ تابع فرماں بن کر رہوں۔ قوم والوں نے اُن کی باتیں سن کر انہیں جھٹلا دیا تو ہم نے انہیں اور اُن کے ہمراہ کشتی میں سوار ہونے والوں کو نجات دی اور اگلوں کی جگہ انہیں زمین میں بسایا۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا انہیں ہم نے غرق آب کر دیا۔ تو دیکھیے! کیا برا انجام ہوا اُن لوگوں کا جنہیں تنبیہ کی گئی تھی؟!"[1]

صاحب مجمع البیان نے جعلنٰہم خلائف کی تفسیر میں لکھا ہے:

یعنی ہم نے حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں نجات پانے والوں کو طوفان میں غرق ہونے والوں کا جانشین بنایا۔ کہا گیا ہے وہ نجات پانے والے اَسی افراد تھے۔ بلخی کہتا ہے کہ اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے انہیں زمینی ریاست عطا کی اور باقی سب لوگوں کو حضرت نوحؑ کو جھٹلانے کے سبب ہلاک کر دیا۔ تو اے سننے والو! غور کرو، جنہیں خدا اور اُس کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا، اُن (کی غفلت) کا کیسا برا انجام ہوا؟![2]

---

[1] (سورۂ یونس)

[2] (تفسیر مجمع البیان: ۱۱/۲۱۲)

تفسیر المیزان میں ہے: خلائف، خلیفہ کی جمع ہے۔ یعنی ہم نے عذاب سے نجات پانے والے اور طوفان کے بعد باقی رہ جانے والوں کو اپنے اسلاف کا خلیفہ اور قائم مقام بنایا۔[1]

خلیفہ وہ ہوتا ہے جو کسی کام میں کسی دوسرے کا نمائندہ ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اس کا اطلاق حضرت آدم علیہ السلام پر کیا گیا۔ وہ خدا کے خلیفہ تھے۔ ہر شے کی خلافت اُس کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اس لیے خدا کی خلافت اُس کے اسماء وصفات، علم، قدرت اور حیات میں ہوتی ہے۔

علامہ محمد حسین طباطبائی اپنی وقیع علمی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَي الْمَلٰۗئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِــُٔـوْنِيْ بِاَسْمَاۗءِ هٰٓؤُلَاۗءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾

www.shiabookspdf.com

"اے رسولؐ! اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں اور انہوں نے کہا کہ کیا اسے بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے اور خونریزی کرے جب کہ ہم تیری تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں تو ارشاد ہوا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔ اور خدا نے آدمؑ کو تمام اسماء کی تعلیم دی اور پھر ان سب کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ ذرا تم ان سب کے نام تو بتاؤ اگر تم اپنے خیالِ استحقاق میں سچے ہو۔ ملائکہ نے عرض کی کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں

---

[1] (۱۱/۹۸)

جتنا تو نے بتایا ہے کہ تو صاحبِ علم بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی۔ ارشاد ہوا کہ آدمؑ! اب تم انہیں باخبر کردو۔ تو جب آدمؑ نے باخبر کردیا تو خدا نے فرمایا کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمان و زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو سب کو جانتا ہوں"۔ [1]

یہ آیات انسان کو زمین پر بھیجے جانے کے مقصد، خلافتِ ارضی کی حقیقت اور اس کے آثار و خواص کو بیان کرتی ہیں۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ [کیا تو اُسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد ڈالے گا اور ناحق خون ریزی کرے گا۔ حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔]

فرشتوں کے اس قول سے یہ بات عقل میں آتی ہے کہ وہ خدا کے اس قول سے کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں، یہ سمجھ گئے تھے کہ زمین میں فساد واقع ہوگا اور ناحق خون بہایا جائے گا۔ کیونکہ زمینی موجودات مادی ہیں اور غضب و شہوت کی قوتوں سے مل کر بنے ہیں۔ یہ دنیا باہم مزاحمت کا گھر ہے، اس کی جہات محدود ہیں، تضادات زیادہ ہیں، اس کے مرکبات زوال پذیر ہیں، اس کے انتظامات و اصلاحات کے ہمیشہ فاسد و باطل ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ یہاں زندگی کی تکمیل کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے حیات نوعی، اس دنیا میں بقاء کا دارو مدار اکٹھے رہنے اور باہمی تعاون پر ہے۔ اس لیے فساد و خون ریزی اس کا لازمہ ہے۔ اس سے انہوں نے سمجھا کہ خدا زمین میں جس خلاف کی بات کر رہا ہے وہ افراد کی کثرت اور اُن کے درمیان اجتماعی نظام کے ساتھ واقع ہوگی۔ جس کا نتیجہ فساد اور قتل و غارت گری کی صورت میں سامنے آئے گا۔

خلافت جس سے مراد ایک چیز کا دوسری کے قائم مقام ہونا ہے۔ یہ اُس وقت کامل ہوتی ہے کہ خلیفہ اپنی اصل اور خلیفہ بنانے والے کے تمام تر وجودی خاصیتوں، اُس کے آثار و احکام اور تدابیر کو ایک نائب کی حیثیت سے آگے لے کر چلے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے وجود میں اسماء

[1] سورۃ البقرۃ

حسنیٰ اور جمال وجلال کے بلند ترین اوصاف سے متصف، اپنی ذات میں ہر نقص و عیب سے مبرا اور اپنے فعل ہر طرح کے شر و فساد سے پاک ہے۔ جبکہ خلیفہ ارضی اپنے نقائص و کمزوریوں کے ساتھ خلیفہ خدا بننے کی استعداد نہیں رکھتا اور نہ ہی اپنے نقص و عیب کا شائبہ رکھنے والے وجود سے خدا کے وجود کی مظہریت ظاہر کرسکتا ہے کہ جو تمام تر عیوب و نقائص اور فانی و زوال پذیر خصائص سے پاک ہے۔ یہ ہو بھی بھلا کیسے؟ کہاں مشتِ تراب اور کہاں رب الارباب؟!

ملائکہ نے یہ ذاتِ احدیت سے سوال کیا، اس کا مقصد خدا کے فیصلے پر اعتراض کرنا یا اُس کے حکم کے سامنے اپنی ظاہر کرنا نہیں تھا۔ بلکہ وہ خلیفہ کے اُس مقام کے بارے میں جاننا چاہتے تھے، جس کا انہیں علم نہیں تھا، اور اس کے متعلق اپنی الجھن کو دور کرنا چاہتے تھے۔ اس پر یہ دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے جس میں خدا نے فرشتوں کا قول حکایت کیا ہے: اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ (بے شک تو ہی سب سے بڑا عالم اور حکمت والا ہے۔) کیونکہ اس جملہ کی ابتداء خدا نے (اِنَّ) تعلیلیہ سے کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جس جملے پر داخل ہے فرشتے اُس جملے میں ذکر کردہ بات کو تسلیم کرتے ہیں۔

فرشتوں کے قول کا خلاصہ یہ ہوا کہ خلیفہ بنانے کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ اپنے وجود سے خلیفہ بنانے والے کی حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس کی مظہریت ظاہر کرے۔ جبکہ زمینی خلافت، خلیفہ کو اِن امور کے اختیار کرنے میں مانع ہوتی ہے۔ بلکہ اُسے فساد و شر انگیزی کی طرف راغب کرتی ہے۔ اس خلافت کی تقرری کا مقصد تسبیح و تقدیس بیان کرنا ہے کہ جو ہم کرتے ہیں۔ اس لیے تیرے خلفاء ہم فرشتے ہیں، ہمیں اپنا خلیفہ بنا۔ اس خلافتِ ارضی کا بھلا کیا فائدہ ہے؟! تو خدا نے انہیں جواب میں فرمایا: اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اُس نے آدمؑ کو سارے اُسماء تعلیم کردیے)

اس سیاق سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

اوّلاً: یہ جس خلافت کا ذکر اِن آیات میں ہوا ہے یہ خدا کی خلافت ہے، نہ کہ کسی دوسری زمینی مخلوق کی کہ جو انسانوں سے پہلے یہاں موجود تھا۔ جب انہوں نے دنگا فساد کیا اور اُن کی نسلیں معدوم ہوگئیں تو خدا نے اِنسان کو اُن کا خلیفہ بنایا۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے یہ احتمال دیا

www.shiabookspdf.com

ہے۔ یہ اِس لیے نہیں، کیونکہ خدا کا فرشتوں کو دیا ہوا جواب اور حضرت آدمؑ کو اَسماء کی تعلیم اِس نظریے سے میل نہیں رکھتا۔ اِس بنا پر یہ خلافتِ الٰہیہ فقط حضرت آدمؑ تک ہی محدود نہیں، بلکہ اُن کی ساری اولاد بغیر کسی اختصاص کے اِس میں برابر کی شریک ہے۔ یہ سلسلہ تا قیامِ قیامت جاری وساری رہے گا اور زمین، خلیفۃ اللہ کے وجود سے خالی نہیں رہے گی۔ خلیفہ وہ انسانِ کامل ہوتا ہے جو نبوت کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولایتِ عظمیٰ کے تمام اوصاف وکمالات کا جامع ہوتا ہے۔ تو اَسماء کی تعلیم کا معنی یہ ہوگا کہ انسان میں یہ علم اس طرح پیدا کیا جائے گا کہ اِس کے آثار تدریجاً ظاہر ہوں اور اُس کے لیے ایسی راہ پیدا ہو جائے جو اُسے قوت کے دائرے سے نکال کر فعل کے مرتبے پر لے جائے۔ جیسا کہ عمومِ خلافت سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔ ارشادِ باری ہے: اذ جعلکم خلفاء فی الارض، ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ثم جعلناکم خلائف فی الارض، ایک اور مقام پر فرمایا: و یجعلکم خلفاء الارض۔

میں کہتا ہوں کہ اِس موقف کی تائید زیرِ بحث آیت سے بھی ہوتی ہے۔ اِس میں انی جاعل فی الارض خلیفۃ جملہ اسمیہ ہے جو تسلسل ودوام کا معنی دیتا ہے۔ اِس لیے یہ نظریہ درست نہیں کہ خلافتِ الٰہیہ صرف حضرت آدمؑ میں منحصر ہے اور کوئی دوسرا اِس منصب پہ فائز نہیں ہوا۔

اِس کے بعد علامہ قدس سرہٗ کہتے ہیں:

ثانیاً: خدا نے بھی خلیفہ ارضی سے فساد وخون ریزی کی نفی نہیں کی۔ اِسی طرح ملائکہ کے دعویٰ تسبیح وتقدیس کی بھی تکذیب نہیں کی اور اُن کے دعویٰ کو تسلیم کیا۔ بلکہ اُس نے ایک اور چیز ظاہر کی، اور وہ یہ کہ خلافت ایسا امر ہے جسے اٹھانے کی استعداد ملائکہ میں نہیں۔ مگر خدا کا بنایا ہوا زمینی خلیفہ اُسے اٹھا سکتا ہے۔ وہ خدا کے امر کی حکایت کرتا ہے اور اُس کے راز کو اُٹھاتا ہے۔ جس کی طاقت ملائکہ کے پاس نہیں۔ اور لامحالہ اِس امر سے فساد وخون ریزی کا دفعیہ ممکن ہے۔ پھر اللہ نے (اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ) کو اِس قول سے تبدیل کیا: اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ اِس غیب سے مراد وہ اَسماء ہیں، نہ کہ حضرت آدمؑ کا اُن کے بارے میں علم مراد ہے۔ کیونکہ فرشتے نہیں جانتے تھے کہ یہاں کچھ ایسے بھی اسماء ہیں جن کا

انہیں علم نہیں۔ نہ یہ کہ وہ اِن اَسماء کے موجود ہونے کے بارے میں جانتے تو تھے، مگر اِس سے بے خبر تھے کہ آیا حضرت آدمؑ کو اِن کا علم ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا اُن سے اِن ناموں کے بارے میں سوال ہی نہ کرتا اور براہِ راست حضرت آدمؑ کو حکم دیتا ہے کہ فرشتوں کو اِن کے نام بتاؤ۔ تا کہ اُن پہ واضح ہو جاتا کہ حضرت آدمؑ کو اِن چیزوں کا علم ہے۔ نہ کہ وہ فرشتوں سے اِن کے متعلق سوال کرتا۔ اِس سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور سمجھ رہے تھے کہ حضرت آدمؑ اِس خلافت کے اہل نہیں۔ اور خلیفہ بننے کے لیے شرط تھا کہ وہ اَسماء کا علم رکھتا ہوں۔ اِس لیے خدا نے اُن سے اِن کے بارے میں سوال کیا تو وہ انجان ثابت ہوئے اور حضرت آدمؑ کے پاس اُن کا علم تھا۔ اِس امتحان سے حضرت آدمؑ کا خلیفہ کے لیے اہل ہونا اور فرشتوں کا نااہل ہونا ثابت ہو گیا۔ اِس کے بعد خدا نے فرمایا: (اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ) اِس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے جس منصب کا دعویٰ کیا اُس کے لیے اَسماء کا علم رکھنا لازمی تھا۔

میں کہتا ہوں: مخفی نہ رہے کہ جیسے روایات میں موجود ہے کہ آلِ محمدؐ خدا کے عرش پہ موجود ہیں۔ اور وہ اَسماء جو غیب میں تھے وہ محض حروف والفاظ کا مجموعہ نہیں تھے۔ بلکہ اُن سے مراد وہ مسمیاتؑ (چیزیں) ہیں جن پر اُن ناموں کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ وہ زندہ اور ذی شعور موجودات تھیں۔ وہ سب سے اولیٰ واعلیٰ اور ایک نور سے خلق ہوئی تھیں کہ جو خدائے واحد سے صادر ہوا تھا۔ وہ نور جو سب سے پہلے صادر ہوا اُس کے اور اُس کی ولایتِ عظمیٰ کے بارے میں علم کا بوجھ صرف مقرب فرشتہ یا حضرت آدمؑ کی مانند کوئی نبیٔ مرسل ہی برداشت کر سکتا ہے۔ یا وہ مومن کہ جس کے دل کا خدا نے امتحان لے لیا ہو۔ تو وہ آلِ محمدؐ کے اَسماء اور خدا کے امر وخلق کے ذریعے اُن سے صادر ہونے والی غیبی وشہودی صورتیں تھیں۔

اِس کے بعد علامہ طباطبائی لکھتے ہیں کہ اِس فرمانِ الٰہی: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اَسماء ومسمیات زندہ تھے اور عقل وشعور کے حامل تھے۔ مگر غیب کے حجابات میں پوشیدہ تھے۔ اور حضرت آدمؑ کا اُن کے بارے میں علم ایسے نہیں تھا جیسے ہمارے پاس چیزوں کا علم ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں تو فرشتے اُن سے سن کر

www.shiabookspdf.com

اُن جیسے عالم بن جاتے۔ پھر حضرت آدمؑ کی عزت و اکرام کا کوئی سبب باقی نہ رہتا۔ کیونکہ خدا نے انہیں اَسماء کا علم دیا اور فرشتوں کو اِس سے محروم رکھا۔ اگر وہ انہیں یہ اَسماء تعلیم کرتا تو وہ بھی حضرت آدمؑ کی طرح یا اُن سے آگے نکل جاتے۔

یہ کوئی ایسی بات نہیں جو اُن کے سوال کا تسلی بخش جواب ہو یا اُن کی پیش کردہ دلیل کو رد کرے۔ یہ بھلا کوئی اتمام حجت کا طریقہ ہے کہ خدا کسی شخص کو ایک زبان کا علم عطا کرے، پھر اُس پر مباہات کرے اور اپنے عزت و کرامت کے حامل فرشتوں کے آگے بطور حجت پیش کرے کہ جو کسی بات میں اُس سے آگے نہیں بڑھتے اور ہمیشہ اُس کے حکم کی پابندی کرتے ہیں۔ پھر اُن سے کہے کہ یہ میرا خلیفہ اور میری کرامت کا اہل ہے، نہ کہ تم!! اگر تم اپنے دعویٰ اور خلافت کے مطالبے میں سچے ہو تو مجھے اُن زبانوں کے بارے میں بتاؤ جنہیں اولادِ آدمؑ افہام و تفہیم کے لیے استعمال کریں گے۔ زبان کا کمال یہ ہے کہ انسان متکلم کے مافی الضمیر کو سمجھ لے۔ جبکہ فرشتوں کو اِس مقصد کے لیے بولنے والے کے بولنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ انہیں بلاواسطہ دلوں کے حالات کے بارے میں القاء کیا جاتا ہے۔ اِس طرح اُن کا کمال، بولنے کے کمال سے بالاتر ہے۔

www.shiabookspdf.com

خلاصہ یہ کہ فرشتوں کو جو علم حضرت آدمؑ کے بتانے سے ہوا وہ اُس علم سے مختلف تھا کہ جو انہیں خدا کی تعلیم سے اَسماء کی حقیقت کے بارے میں ہوا تھا۔ اِس طرح فرشتوں کے لیے ایک اَسماء کے بارے میں ایک صورت ممکن تھی اور دوسری نہ تھی۔ اور حضرت آدمؑ خلافتِ الٰہیہ کے مستحق اِس لیے ٹھہرے، کیونکہ اُن کے پاس اَسماء کا حقیقی علم تھا، نہ خبر کی حد تک۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے جواب میں کہا: سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ اِس طرح انہوں نے اَسماء کے بارے میں اپنے علم کی نفی کر دی۔

اِس بیان سے ظاہر ہوا کہ اَسماء کے بارے میں علم ایسا ہونا چاہیے جو اُن کے حقائق اور اعیانِ وجود کو ظاہر کرے، نہ فقط ظاہری مفہوم کی حد تک۔ لہٰذا وہ مسمیات خارجی حقائق تھے۔ البتہ وہ آسمانوں اور زمین کے غیب کے پردے میں چھپے ہوئے تھے۔ اُن کی حقیقت کا علم ارضی مخلوق کے پاس تھا، نہ کہ آسمانی۔ ثانیاً اِس علم میں خلافتِ الٰہیہ کا عمل دخل بھی تھا۔

اِس کے بعد موصوف ؒ لکھتے ہیں: جب آپ ان جہات، یعنی اَسماء کے عموم، اور اُن کے مسمیات کے حیات و علم کے حامل ہونے اور اُن کے آسمانوں اور زمین کے غیب میں سے ہونے کے بارے میں غور کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ اِس فرمانِ الٰہی پر منطبق ہوتے ہیں: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ [ہمارے پاس تمام چیزوں کے خزانے موجود ہیں اور ہم انہیں ایک مقررہ اندازے کے حساب سے نازل کرتے ہیں۔ (الحجر)]

یہاں خدا نے خبر دی ہے کہ ہر وہ چیز جس کا کوئی نام ہو سکتا ہے، اُس کے خدا کے پاس پوشیدہ خزانے موجود ہیں۔ جو اُس کے پاس ہمیشہ باقی رہتے ہیں اور ختم نہیں ہوتے۔ اُن کی نہ کوئی مقدار بیان کی جا سکتی ہے اور نہ ہی کوئی حد۔ اُن کی اندازہ گیری اور حد بندی اُن کے خدا کی طرف سے نازل اور خلق کیے جانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اِن خزانوں کی کثرت سے مراد کثرت عددی نہیں کہ جس کا لازمہ تقدیر و تحدید ہے۔ بلکہ اِس سے مراد تعددِ مراتب ہے۔

اِس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو اَسماء فرشتوں کے سامنے پیش کیے گئے وہ عالی شان ہستیاں تھیں۔ جو خدا کی حفاظت اور حجاباتِ غیب کے اندر مخفی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن تمام اسماء کو اِن کی خیر و برکت کے ساتھ دنیا میں نازل کیا اور اِن کے نور و فیض سے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو مشتق کیا۔ وہ کثرت عددی اور تفاوتِ شخصی کی بنا پر زیادہ نہیں، بلکہ وہاں کثرت سے مراد مراتب و مدارج کا زیادہ ہونا اور اُن کی طرف سے اِسم کا نزول ہے۔ دنیا میں اِسم کے نازل ہونے سے بھی یہی مراد ہے۔

اِس فرمانِ خدا [وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾] میں دو قسم کی چیزوں کا ذکر ہے، ایک وہ جسے فرشتے ظاہر کر رہے تھے اور ایک وہ جسے وہ چھپا رہے تھے۔ یہ دونوں غیب نسبی کی قسمیں معلوم ہوتی ہیں کہ جو بعض آسمانوں اور زمین سے متعلق ہوتا ہے۔ اِسی لیے اِس کا تقابل اِس فرمانِ الٰہی [اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ] کے ساتھ ہوا ہے۔ تاکہ وہ غیب کی دونوں قسموں کو شامل ہو جائے۔ یعنی ایک وہ جو عالمِ ارضی اور عالمِ سماوی سے خارج اور دوسری وہ جو اِن سے خارج نہیں۔ یہ بڑی معنی خیز بحث ہے، تفصیل کا ذوق رکھنے

والے قارئین اصل کتاب کی طرف رجوع کر کے اطمینانِ خاطر کر سکتے ہیں۔ ①

زیارتِ جامعہ کبریٰ اور دوسری بہت سی روایات میں آیا ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ علم الٰہی کے خزانے ہیں۔ جب تمام اسماء، خدا کے اسماء حسنیٰ کی طرف پلٹتے ہیں اور اُس کا ایک نام اَلْمُهَيْمِنُ ہے۔ لہٰذا وہ ہر شے پہ نگہبان ہے۔ اور اُس کے اسماءِ حسنیٰ تمام اسماء پر محافظ و نگران ہیں۔

جیسا کہ صحیح روایات میں آئمہ طاہرینؑ سے وارد ہوا ہے: نَحْنُ اَسْمَاءُ اللهِ الْحُسْنٰى الَّتِي يُدْعٰى بِهَا "ہم خدا کے وہ اسماءِ حسنیٰ ہیں جن سے اُسے پکارا جاتا ہے"۔ لہٰذا وہی اپنے جوہری، عرضی، تجردی اور حسی ظہور میں اُن اسماء کے مسمیات تھے۔ وہی اسماءِ الٰہی کے مظاہر، صورتیں اور ارکانِ توحید ہیں۔ حضرت محمد ﷺ اُس وقت بھی نبی تھے کہ حضرت آدمؑ ابھی پانی و مٹی کے درمیان تھے۔ خدا نے انہیں مخلوق کی آفرینش سے پہلے خلق کیا۔ لہٰذا وہ صادرِ اول ہیں۔

حضرت آدمؑ نے خدا کے عرش پہ اصحابِ کساء کے نور کو دیکھا۔ جیسا کہ اس کی تفصیل اوراقِ گذشتہ میں بیان ہوئی ہے۔ پھر جب حضرت آدمؑ علم الٰہی کے حامل قرار پائے تو خدا نے فرشتوں کو اُن کی تعظیم اور اُن کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا۔ خدا کے علم سے مراد آلِ محمدؐ ہیں۔ یہ وہی عالی مرتبت ہستیاںؑ ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ خدا نے شیطان کی سجدہ ٔ آدمؑ سے انکار پر سرزنش کی کہ [اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ] تو تکبر میں آ گیا ہے یا عالی مرتبہ لوگوں میں سے ہو گیا ہے؟

یہ ایک مخفی راز اور پوشیدہ کیا ہوا غیب ہے۔ جس کا علم اِس کے اہل کے پاس ہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنے خلیفہ کی تربیت کے لیے قرآن کریم نازل کیا۔ حضرت آدمؑ اپنی شخصیت میں خلیفۃ اللہ تھے، نہ کہ اِس خطاب کا تعلق صرف انہی کی ذات سے تھا۔ اِس پر دلیل یہی فرمانِ خدا ہے: اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ یہ جملہ اسمیہ ہے جو عموم و استمرار کا فائدہ دیتا ہے۔ انبیاء میں سب سے افضل و اولو العزم نبی ہیں اور اُن میں سب سے افضل حضور سرورِ کائنات کی ذات ﷺ ہے۔ پھر آئمہ طاہرینؑ بھی سوائے منصب نبوت کے وہی مقام رکھتے ہیں جو نبی ﷺ کا ہے۔ وہ زمین میں اللہ و رسولؐ کے خلفاء ہیں۔ اللہ سبحانہ و

① (تفسیر المیزان: جلد اول؛ سورۃ بقرہ: آیات ۳۰ تا ۳۳)

تعالیٰ ہمیشہ زمین میں موجود اپنے خلیفہ کی تربیت کرتا ہے۔ خلیفہ سے مراد اُس کی حجت ہے جو ظاہر بھی ہو سکتی ہے اور پردۂ غیب میں بھی۔

اگر وجودِ حجت نہ ہو تو زمین، اپنے ساکنوں و مکینوں سمیت دھنس جائے۔ بعد ازاں خلافتِ الٰہیہ کا سلسلہ ایک ترتیب کے ساتھ اُن کے علاوہ صالحین کے پاس آتا ہے کہ جو انبیاءؑ کے ہم قدم اور اُن کے علوم و سیرت کے وارث ہوتے ہیں۔ اور ساری مخلوق خدا کا لشکر بن جاتی ہے۔ مومن کوشش کرتا ہے کہ وہ خدا کی جماعت کا حصّہ بن جائے اور اُس کے ہاتھوں پہ افعالِ خدا جاری ہوں۔ وہ عزم و ہمت کا کوہِ بلند ہوتا ہے۔ اُس کی امید غیر خدا سے وابستہ نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنے خوان و مودبین کو نامِ خدا پر وقف کر دیتا ہے۔ وہ اپنے رب کے اسماء و صفات کا حامل بننے کی کوشش کرتا ہے تا کہ لوگ اُس سے فائدہ حاصل کریں۔ پس خدا ہمیشہ اپنی خلقت پہ فیض رسانی کرتا ہے اور اُس کا خلیفہ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کے درمیان انصاف قائم کرتا ہے۔ وہ اِن امور کو خدا کے فضل و کرم سے جوڑتا ہے اور اپنے وجود کی نفی کر دیتا ہے۔ اِس طرح وہ خدا کے لیے شاہد و شہید ہوتا ہے۔

www.shiabookspdf.com

نبی کریم ﷺ نے بحکم خدا اپنے بعد خلفاء پر نص قائم کرتے ہوئے فرمایا: یہ امر اُس وقت تک مکمل نہ ہو گا جب تک اِس میں بارہ خلفاء نہ گزر جائیں۔ (صحیح مسلم)

ایک مقام پر ارشاد فرمایا: لوگوں کا معاملہ اِسی طرح چلتا رہے گا، یہاں تک کہ اُن پر بارہ افراد حاکم بنیں۔ جو سب قریش سے ہوں گے۔

ایک مقام پر فرمایا: میرے بعد خلفاء کی تعداد نقباء موسیٰ علیہ السلام کی تعداد جتنی ہے۔

نیز فرمایا: یہ دین اسی طرح برقرار رہے گا، یہاں تک کہ تم پر بارہ خلفاء گزر جائیں۔

اِس معنی کی اخبار بہت زیادہ ہیں جو صحیح مسلم کتاب الامارۃ، کنز العمال ۱۲/ ۳۳۰۳۲ اور شیعہ و سنی دیگر مصادر میں موجود ہیں۔

سید عبد العظیم حسنی علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے مولا امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: مرحباً اے ابو القاسم! آپؑ ہمارے سچے ماننے والے ہیں۔ میں نے عرض کی: اے فرزندِ پیغمبرؐ! میں آپؑ کے

سامنے اپنا دین واعتقاد پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ خدا ایک ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے عبد اور رسول ہیں۔ آپؐ خاتم النبیینؐ ہیں۔ قیامت تک آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

میں عقیدہ رکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امام وخلیفہ اور ولیٔ امر مولا امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ اُن کے بعد امام حسنؑ، اُن کے بعد امام حسینؑ، پھر امام علی بن الحسینؑ، پھر امام محمد بن علیؑ، پھر امام جعفر بن محمدؑ، پھر امام موسیٰ بن جعفرؑ، پھر امام علی بن موسیٰؑ، پھر امام محمد بن علیؑ، پھر میرے مولا آپؑ۔

تو امامؑ نے فرمایا: میرے بعد میرا بیٹا حسن عسکریؑ۔ خدا جانے اُن کے بعد اُن کے جانشین کے بارے میں لوگ کس قدر عجیب وغریب حالت کا سامنا کریں گے!

میں نے پوچھا: مولاؑ! وہ کیسے؟ فرمایا: کیونکہ اُن کا وجود ظاہر نہ ہوگا اور اُن کا نام لینا بھی جائز نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ وہ خروج کریں گے اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: اے ابوالقاسمؒ! اللہ کی قسم، یہی خدا کا وہ دین ہے جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے منتخب کیا ہے۔ لہٰذا تم اِس پہ ثابت قدم رہو۔ اللہ تمہیں دنیا وآخرت میں اِس ثابت ومحکم اعتقاد پر قائم رکھے۔①

یہاں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُن چند روایات کو ذکر کریں وہ خلافتِ خصوصی کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ انہیں ہم بحارالانوار کی معجم المفہرس سے لے رہے ہیں۔

۱۔ جان لو کہ تمہارا رسول اور تمہارے خلفاءؑ خدا کے پاس زندہ ہیں۔②

۲۔ یارسولؐ اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں۔③

۳۔ تیرے باتقویٰ افراد، گواہ اور خلفاء۔④

① (بحارالانوار: ۲۰۱/۶۹)

② (۳/۱۸۳/۰۰۱)

③ (۶۵۲۳۲)

④ (۲۱/۳۵۸/۹۵)

۴۔ اُن کے گواہ زمین میں تیرے خلفاء ہیں۔①

۵۔ تیرے بندوں میں خلفاء اور شہروں میں تیری نشانیاں۔②

۶۔ اُس کے اولیاء تیرے اولیاء اور اُس کے خلفاء تیرے خلفاء ہیں۔③

۷۔ آپؐ کے اوصیاء، خلفاء اور آپ کے بعد خلق خدا میں سب سے افضل۔④

۸۔ اے اللہ! میں نے تیرے خلیفہ اور تیرے خلفاء کے بیٹے کی زیارت کی۔⑤

۹۔ ہدایت دینے والے آئمہؑ، جو تیری زمین میں تیرے خلفاء ہیں۔⑥

۱۰۔ زمین میں تیرے خلفاء جنہیں تو نے اپنے لیے منتخب کیا۔⑦

۱۱۔ انہوں نے اللہ، اُس کے رسولؐ اور اُس کے خلفاء کی مخالفت کی۔⑧

۱۲۔ انہوں نے خدا کے خلفاء کی عزت کی تو اُس نے اُن کے لیے جنت واجب کر دی۔⑨

۱۳۔ اُس کے بعد تیرے خلفاء کہ جو روشن ستارے ہیں۔⑩

۱۴۔ خدا کی وحی مکمل ہونے کے بعد اُس کی زمین میں اُس کے خلفاء۔⑪

۱۵۔ یہ تمہارے نبیؐ کی عترت اور اُس کے خلفاء ہیں۔⑫

① (۹/۲۰۳/۱۰۲)

② (۲۳/۱۸۷/۱۰۰)

③ (۷/۶۱۳/۰۸)

④ (۳/۲۱۳/۲۵)

⑤ (۵/۹۶/۲۰۱)

⑥ (۵/۱۴/۲۵)

⑦ (۷/۹۶۴/۰۹)

⑧ (۱۰/۱۰۴/۶۷)

⑨ (۰/۲۳/۴۴)

⑩ (۶/۳۴۱/۱۷)

⑪ (۹/۲/۳۴)

⑫ (۱۴/۲۵۸/۲۶)

www.shiabookspdf.com

١٦۔ ہم اُس کے خلفاء ہیں۔ ①

١٧۔ مولا علیؑ اُس کے حقیقی خلیفہ اور اُن کے خلفاء خدا کے خلفاء ہیں۔ ②

١٨۔ اُس کے خلفاء، خدا کے خلفاء ہیں۔ ③

١٩۔ انبیاء، بندوں پر خدا کے خلفاء ہیں۔ ④

٢٠۔ اللہ کی قسم! تم تورات میں نبی ﷺ کے خلفاء لکھے ہوئے ہو۔ ⑤

٢١۔ ہم زمین پر خدا کی حجت اور بندوں میں اُس کے خلیفہ ہیں۔ ⑥

٢٢۔ آئمہ طاہرینؑ نبی کریم ﷺ کے بعد بلافصل خلیفہ ہیں۔ ⑦

٢٣۔ اللہ کی حجتیں، اُس کے خلفاء، امین اور آئمہ۔ ⑧

٢٤۔ مولا علیؑ اور آپؑ کے خلفاء کی ولایت سے کفر کرنا۔ ⑨

٢٥۔ جو کہ مولا علیؑ اور آپؑ کے خلفاءؑ کی امامت پر مشتمل ہے۔ ⑩

٢٦۔ وہ انہیں حضرت محمدؐ، مولا علیؑ اور آپ کے خلفاءؑ کی ولایت کی دعوت دیتا ہے۔ ⑪

٢٧۔ خدا نے مولا علیؑ اور آپ کے خلفاءؑ کے شیعوں کی فضیلت بیان کی۔ ⑫

---

① (٠١/٦٠٣/٦٣)
② (٠١/٨٥٣/٤٣)
③ (٧/٢١١/٧٠)
④ (٥١/٢٥٣/٦)
⑤ (٨/٢٦١/٠١)
⑥ (٣/٥٣/٣٣)
⑦ (٨/٣٦١/٢٥)
⑧ (١/٦/٦٣)
⑨ (١١/٣٠١/٨)
⑩ (١/٠٢٣/٩)
⑪ (٣/٠٩٣/٦٣)
⑫ (٥/١٣٨/١١)

www.shiabookspdf.com

٢٨۔ خدا کے انصار اور اُس کے خلفاء پر سلام ہو۔ ①

٢٩۔ اللہ، اُس کے رسولؐ اور اُس کے خلفاءؑ کے اذن سے۔ ②

٣٠۔ خدا کے نبیوںؑ و خلفاءؑ کا وارث۔ ③

٣١۔ خدا نے مولا علیؑ کی خلافت واضح کی اور اُن کے بعد خلفاء کے بارے میں اس کا حکم صادر کیا۔ ④

٣٢۔ مولا علیؑ اور آپ کے خلفاء، جنبُ اللہ ہیں۔ ⑤

٣٣۔ مولا علیؑ اور آپؑ کے تمام خلفاءؑ و اولیاء کی شان میں۔ ⑥

٣٤۔ اِسے اُن کے خلفاء اور مومنینؑ میں سے اُن کی اتباع کرنے والے اپنے دین کا حصّہ سمجھتے ہیں۔ ⑦

٣٥۔ مسلمانوں پر اُن کے خلفاء کی اطاعت واجب ہے۔ ⑧

٣٦۔ اُس نے حضرت محمدؐ، مولا علیؑ اور اُن کے خلفاء کے بارے میں ایفائے عہد کیا۔ ⑨

٣٧۔ خدا میرے خلفاء پر رحم کرے۔ ⑩

٣٨۔ مولا علیؑ اور اُن کے بعد اُن کی عترت ہی میرے خلفاء ہیں۔ ⑪

---

① ٣/٣٣٣/٠٠١
② (٥/٨٣/١٠٣)
③ (٨/٩٣/١٠٣)
④ (٥/٦٦/٢٧)
⑤ (١٥/٢٢٨/٢١)
⑥ (١٣/٣٠٠/٨)
⑦ (٧/٣٣٠/١٠)
⑧ (١٥/١٣٩/٣٩)
⑨ (٢/٣٩٣/٧٠)
⑩ (٥/٢٥/٢)
⑪ (٧/٢٦/٧٢)

۳۹۔ میں انہیں زمین میں اپنی مخلوق پر خلیفہ بناؤں گا۔ ①

۴۰۔ امام حسینؑ کی ذریت میں سے نو افراد، تم پر میرے خلفاء ہیں۔ ②

۴۱۔ یہ میرے اوصیاء، خلفاء اور مسلمانوں کے امام ہیں۔ ③

۴۲۔ اے اللہ! تو اُسے دوست رکھ جو میرے خلفاء اور میری امت کے اماموں کو دوست رکھے۔ ④

۴۳۔ اے جابرؓ! یہ میرے خلفاء اور اوصیاء ہیں۔ ⑤

۴۴۔ بے شک میرے خلفاء و اوصیاء بارہ ہیں۔ ⑥

۴۵۔ اے جابرؓ! اولی الامر سے مراد میرے خلفاء ہیں۔ ⑦

۴۶۔ آپؐ نے کیا ہی بہترین خلیفہ (یعنی مولا علیؑ) پیچھے چھوڑا ہے۔ ⑧

۴۷۔ میں کہا: علیؑ۔ تو اُس نے کہا: تم نے کیا اچھا خلیفہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ ⑨

www.shiabookspdf.com

۴۸۔ میں نے تمہارے مابین اپنی عترت و اہل بیت کو بطورِ خلیفہ چھوڑا ہے۔ ⑩

۴۹۔ تاکہ وہ آئمہ طاہرینؑ کو امام مانے بے شک وہ میرے خلفاء و اوصیاء ہیں۔ ⑪

---

① (۵/۸۳/۲۳)
② (۹/۴۴۴/۲۳)
③ (۳/۲۵۴/۳۶)
④ (۱۷/۲۶/۳۶)
⑤ (۱۵/۲۵۲/۳۶)
⑥ (۱۸/۷۱/۵۱)
⑦ (۴/۲۵۰/۳۶)
⑧ (۲۱/۴۹۲/۵)
⑨ (۹/۱۲/۷۲)
⑩ (۹/۶۸/۲۲)
⑪ (۷/۲۹/۷۳)

۵۰۔ آئمہؑ سے مراد میرے خلفاء، اوصیاء اور اولیاء ہیں۔ ①

۵۱۔ میں نے تمہارے درمیان دو گراں مایہ چیزیں چھوڑی ہیں: کتابِ خدا اور میری عترت و اہل بیتؑ۔ ②

۱۲۔ امام کی پیروی اور اُس کی خدمت میں حاضر ہونا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ماہر طبیب تھے۔ خدا نے آپؐ کو حکم دیا کہ لوگوں کو تنبیہ اور وعظ و نصیحت کی ذمہ داری انجام دیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

قُمْ فَاَنْذِرْ

اُٹھیے اور لوگوں کو خبردار کیجیے۔ ③

اِس حکم کے آنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس خود لوگوں کے پاس آتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اِسلام کے آغاز میں خدا اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ امت کے پاس جا کر انہیں حق کی دعوت دیں۔ مگر دین کے بقاء کے معاملے میں امت کو حکم ہے کہ وہ اپنے وقت کی حجت اور خلیفہ رسولؐ کے دروازے پر آئے۔ جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے:

اِنَّ الْاِمَامَ كَالْكَعْبَةِ يُؤْتٰى وَلَا يَأْتِي، وَيُزَارُ وَلَا يَزُوْرُ

"بے شک امام کعبہ کی مثل ہوتا ہے۔ اُس کی خدمت میں جانا پڑتا ہے، نہ کہ وہ خود کسی کے پاس آتا ہے۔ اُس کی زیارت کی جاتی ہے وہ کسی کی زیارت کو نہیں آتا"۔

اِس لیے عوام الناس کی ذمہ داری ہے کہ وہ خدا اور رسولؐ کے دین پر ایمان لانے کے بعد آئمہ طاہرینؑ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور اُن سے ہدایت، معرفت اور دونوں جہانوں کی

---

① (۱۷/۳۳۳/۳۶)
② (۱۸/۱۰۹/۲۳:۸/۱۵/۸:۱۴/۱۵۱/۲۳)
③ (المدثر:۲)

نجات و سعادت حاصل کریں۔ جیسا کہ حدیثِ سفینہ بھی اس پر واضح طور پہ دلالت کرتی ہے۔ یہ انسان کے پاس نہیں آتی کہ اُسے غرق ہونے اور ہلاکت سے نجات دلائے۔ بلکہ یہ انسان کی اپنی ذمہ داری ہے کہ اُس کے پاس جا کر اُس پہ سوار ہو۔ تا کہ اُسے نجات ملے۔

مولا امیر المومنینؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

اپنے نبیؐ کے اہل بیتؑ کو دیکھو۔ اُن کے اوصاف اختیار کرو، اُن کے نقش قدم کی پیروی کرو۔ وہ تمہیں ہدایت سے نکلنے دیں گے نہ ہلاکت میں پڑنے دیں گے۔ اگر وہ بیٹھیں تو تم بھی بیٹھ جاؤ اور اگر وہ اٹھیں تو تم بھی اٹھ کھڑے ہو۔

ایک مقام پر آپؑ نے اہل بیتؑ کا دامن چھوڑنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

آثروا عاجلا و اخروا آجلا ، و ترکوا صافیا و شربوا آجنا ، کانی انظر الی فاسقهم و قد صحب المنکر فالفه

www.shiabookspdf.com

اُن لوگوں نے دنیا کو مقدم اور آخرت کو پیچھے کر دیا ہے۔ وہ صاف و شفاف چشمے کو چھوڑ کر گندے اور بدبودار گھاٹ پہ گر پڑے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ میں اُن کے فاسق کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اُس نے برائی کو اختیار کیا اور اُس کے پیچھے چل پڑا۔ [1]

آئمہ طاہرینؑ کے احوال و صفات کرتے ہوئے فرمایا:

جعلهم الله حیاة للانام و مصابیح للظلام ، و مفاتیح للکلام و عائم للاسلام ....فانهم عیش العلم و موت الجهل، هم الذین یخبرکم حکمهم عن علمهم و صمتهم عن منطقهم ، و ظاهر هم عن باطنهم ،لا یخالفون الدین و لا یختلفون فیه . فهو بینهم شاهد صادق و صامت ناطق و انهم الائمة قوام الله علی خلقه و عرفاؤه علی عباده ، و لا یدخل الجنة الا من عرفهم و عرفوه، ولا یدخل النار الا من

[1] (شرح نہج البلاغہ ۷/۷۶)

انکرهم و انکروه

"خدا نے انہیں لوگوں کے لیے باعثِ حیات، تاریکیوں کے لیے چراغ، کلام کی کنجیاں اور اسلام کا ستون بنایا ہے۔ وہ علم کی زندگی اور جہالت کی موت ہیں۔ وہ ایسے ہیں کہ اُن کا فیصلہ تمہیں اُن کے علم کے بارے میں، اُن کی خاموشی اُن کے کلام اور اُن کا ظاہر اُنکے باطن کے بارے میں خبر دے گا۔ وہ نہ دین کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ ہی اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ (دین) اُن کے درمیان سچا گواہ اور خاموش رہنے والا اور کم گو ناطق ہے۔ وہ آئمہ ہیں جو مخلوق پر خدا کے مقرر کردہ نمائندے اور بندوں پر اُس کے نگران ہیں۔ جنت میں وہی شخص جائے گا جو انہیں پہچانتا ہو گا اور جسے وہ پہچانتے ہوں گے۔ جہنم میں وہی جائے گا جو اُن سے انجان اور جس سے وہ نا آشنا ہوں گے۔

ہم خاص نشان، علماء، خازن اور ابواب ہیں۔ گھروں میں دروازوں کے راستے سے ہی داخل ہوا جاتا ہے۔ جو دروازے کے علاوہ کہیں سے داخل ہو اُسے چور کہا جاتا ہے۔

ہم وہ درمیانی راہ ہیں کہ پیچھے رہ جانے والا اُس سے ملتا ہے اور آگے بڑھ جانے والا اُس کی طرف پلٹتا ہے۔

ہم شجرۂ نبوت، رسالت کا مقام، فرشتوں کی آمد و رفت کا مرکز، علم کے معادن اور حکمت کے سرچشمے ہیں"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

معنا رایة الحق من تبعها لحق و من تأخر عنها غرق، الا و بنا یدرك ترة کل مومن و بنا تخلع ربقة الذل عن اعناقکم ، و بنا فتح الله ،لا بکم ، و بنا یختم ،لا بکم .

"حق کا پرچم ہمارے پاس ہے۔ جو اِس کے پیچھے آیا وہ ملحق ہو جائے گا اور

جو اِس سے منحرف رہا وہ غرق ہوگا۔ جان لو! ہمارے ذریعے سے ہر مومن کی مشکل کا ادراک کیا جاتا ہے اور ہماری وجہ سے ہی تمہاری گردنوں سے ذلت کا پٹا اتارا جاتا ہے۔ خدا نے ابتداءِ آفرینش ہم سے کی نہ کہ تم سے۔ اور اِسی طرح وہ اِس کا اختتام بھی ہم ہی پہ کرے گا، نہ کہ تم پہ۔"①

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اما انه ليس عند احد من الناس حق و لا صواب الا شيئ اخذوه منا اهل البيت و لا احد من الناس يقضي بحق و لا عدل الا و مفتاح ذلك القضاء و بابه. و اوله و سننه امير المومنين علي ابن ابي طالب عليه السلام

لوگوں کے پاس حق و صواب اُسی قدر ہے جتنا انہوں نے ہم اہل بیت سے لیا۔ کوئی بھی شخص حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ نہیں دے گا مگر یہ کہ اُس فیصلے کی کلید، اُس کا باب قائم کرنے والے، اُس کی تاویل کرنے والے اور اُس کے اصول مرتب کرنے والے مولا امیر المومنینؑ ہیں۔②

مولا امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اللہ کی قسم! میں نے کبھی اِس کا تصور بھی نہیں کیا اور نہ اِس کا خیال میرے دل میں آیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے جانے کے بعد اہل عرب اِس امر خلافت کو آپؐ کے اہل بیتؑ سے دور کر دیں گے۔ اور نہ ہی میں یہ سوچا تھا کہ آپؐ کے بعد اِسے مجھ سے بھی ہٹا لیا جائے گا۔ حتیٰ میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اسلام سے مرتد ہونے لگے ہیں اور دوسروں کو بھی دین محمدیؐ مٹانے کی دعوت دے رہے ہیں۔ ان حالات میں مجھے فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر اسلام میں رخنہ اور خلا دیکھ کر بھی اس کی اور اِس کے ماننے والوں کی

① (بحار الانوار: ۲۳/۱۰۵)

② (امالی مفید: ۹۶)

www.shiabookspdf.com

نصرت نہ کی تو یہ میرے لیے پہلے کی نسبت زیادہ بڑی مصیبت ہوگی"۔①

یہ صورتِ حال وہ ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد پیدا ہوئی۔ جس میں مولا علی علیہ السلام کو لوگوں کے مرتد ہو جانے کا خطرہ نظر آیا۔ اِس لیے آپؑ نے اپنے حق کے مطالبہ کے بارے میں خاموشی کو قرینِ مصلحت سمجھا۔ مگر آج ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ حق اور اہلِ حق کو پہچانے اور ہر لحاظ اُن کا ساتھ دے۔ تا کہ اُس کا شمار بھی انہی میں سے ہو۔ تو اے امت مسلمہ! تم حق اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

۱۳- ناجی فرقہ

حدیث سفینہ، امت کے افتراق کی حدیث کو بیان کرتی ہے۔ جیسا کہ نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

ستفترق امتي ثلاث و سبعين فرقة. و احدة ناجية و الباقي من الهالكين

"عن قریب میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ اُن میں سے ایک فرقہ نجات پائے گا اور باقی سب ہلاک ہوں گے"۔②

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لطف خاص ہے کہ آپؐ نے ناجی فرقہ کے بارے میں امت کو آگاہ کیا اور انہیں تاریکی میں نہیں چھوڑا۔ کیونکہ یہ روح نبوت کے منافی ہے۔ کہ جو ہدایت، سعادت اور لطفِ خدا سے عبارت ہے۔

آپؐ نے کئی ایک مقامات پر مختلف اسالیب و عبارات میں اِس حقیقت کو واضح کیا۔ ایسے موارد ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ اُن میں سے ایک حدیث سفینہ ہے۔ کیونکہ ناجی فرقہ وہی ہوگا جو اِس سفینہ پر سوار ہو۔ حدیث سفینہ یہ ہے: میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی

① (نہج البلاغہ: مکتوب: ۶۲)

② (متفق علیہ بین الفریقین)

ہے جو اِس پہ سوار ہوا اُس نے نجات پائی اور جس نے اِسے چھوڑا وہ غرق ہوا۔

یہ ناجی فرقہ ہمیشہ قلیل تعداد میں ہوتا ہے۔ اکثریت اِس سے عداوت رکھتی ہے کہ جو دنیا و آخرت میں ہلاک ہونے والی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی تکذیب کے سبب کافر مرتے ہیں اور اُن کا شمار ظالموں میں ہوتا ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا ہے قیامت میں سوائے اس ایک فرقے کے، باقی سب ہلاک ہوں گے۔
اگر چہ دارِ دنیا میں اُن پر اِسلام کے احکام جیسے طہارت، وراثت اور حلت نکاح وغیرہ لاگو ہوتے ہیں۔ مگر جس دن تمام پوشیدہ راز آشکار ہوں اور ہر شے کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اُس دن تمام باطل فرقے ہلاک ہو جائیں گے اور اہل حق کا گروہ نجات پائے گا۔ بندگانِ خدا میں شکر گزاری کرنے والے افراد کم ہی ہوتے ہیں۔ جبکہ زیادہ بے علم، بے عمل اور حق سے کترانے والے ہوتے ہیں۔

شیخ مفیدؒ نے امالی میں اپنی سند کے ساتھ ابی عقیلؒ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہم مولا امیر المومنینؑ کے پاس موجود تھے۔ آپؑ نے فرمایا:

لتفرقن هذه الامة على ثلاث وسبعين فرقة . و الذى نفسى بيده ان الفرق كلها ضالة الا من اتبعنى و كان من شيعتى

"یہ امت ضرور تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ اُس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تمام فرقے گمراہ ہوں گے۔ سوائے اُس کے جو میری اتباع کرے اور میرے شیعوں میں سے ہو۔"[1]

۱۴- جو کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہوا وہ صحابی نہ رہا

ارشاد خدا ہے: انه ليس من اهلك۔ جب انسان کا بیٹا کہ جو اُس کے جگر کا ٹکڑا ہوتا

[1] (امالی: مجلس: ۲۴)

ہے، مخالفت و نافرمانی کرنے سے اُس کا رشتہ کٹ جاتا ہے تو صحابیت بدرجہ اولیٰ ختم ہو جاتی ہے۔
اگر چہ وہ شب و روز ساتھ رہتا ہو۔ صرف چند منٹوں یا گھنٹوں کی صحبت کسی انسان کی فضیلت، طہارت اور عمل کی صحت و عدالت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے والا واقعہ اِس کی واضح ترین دلیل ہے۔ وہ اپنے والد کے سفینہ پہ سوار نہ ہوا کہ جو نبوت و نجات کا سفینہ تھا۔ نتیجتاً وہ ہلاک ہوا اور حضرت نوحؑ کے اہل خانہ میں سے بھی نہ رہا۔ حتیٰ اُسے نبیؑ کے گھر اور شب و روز ساتھ رہنا، بلکہ کوئی نسب و سبب کام نہ آیا۔ یہی معاملہ حضرت لوطؑ کی بیوی کا ہے۔ وہ ہلاک ہونے والوں میں قرار پائی اور زندگی کا ایک حصہ نبیؑ کے ساتھ گزارنا بھی اُس کے لیے فائدہ مند نہ ہوا۔ ہر دور میں نجات کا ضامن حق اور حق کی پیروی کرنا ہے۔ اِسی لیے کہا جاتا ہے کہ حق کو پہچانو، اہل حق کو خود ہی پہچان لو گے۔ فرمانِ نبویؐ شاہد ہے کہ حق مولا علیؑ کے ساتھ اور مولا حق کے ساتھ ہیں۔ آپؑ جدھر جائیں گے، حق آپؑ کے ساتھ ہوگا۔

قرآن کریم بھی اِس کی تائید کرتا ہے۔ جیسے خدا حضرت ابراہیمؑ کے قول کی حکایت کرتے ہوئے کہتا ہے: ومن تبعنی فانه منی میرے ساتھ تعلق فقط اُسی کا ہے جو میری پیروی کرے۔[1]

www.shiabookspdf.com

تو نجات کا معیار حق کی معرفت اور اُس کی پیروی کرنا ہے۔ نہ کہ صرف نسبی یا سببی رشتہ جیسے زوجیت، اور صحبت وغیرہ۔ انسان کے وجدان کی آواز بھی یہی ہے اور عقلی و نقلی دلائل بھی اِسی کے حق میں ہیں۔ بنا بریں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ جس نے بھی رسول خدا ﷺ کی صحبت پائی ہو وہ عادل ہوگا، اِس میں کوئی نقص موجود نہ ہوگا، اُس سے دین لیا جائے گا اور اُسے ہادی سمجھا جائے گا۔ کیونکہ یہ غیر معقول بات ہے۔ بلکہ جس شخص نے رسول خدا ﷺ کی زندگی میں اور بعد از وفات کے آپکے وصی اور برحق خلیفہ کے بارے میں آپکی وصیت کی اطاعت کی اور آپؐ کے حکم سے منہ نہ موڑا تو وہ بلاشبہ عادل صحابہ میں سے ہے جن پر خدا راضی ہے اور جن پر اُس کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ بصورتِ دیگر وہ ظالمین میں سے ہے اور ظالموں پر خدا کی لعنت ہے، حتیٰ وہ نوحؑ کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا شخص نہ اہل میں سے رہتا

[1] (سورۃ ابراہیم: ۳۶)

ہے اور نہ اصحاب میں سے۔

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے اپنی مقدس قربانی، اسلام کے دفاع، خونِ ناحق کے ذریعے ہمارے سامنے حق کو مجسم صورت میں پیش کیا۔ ربِ تعالیٰ نے اُن میں اپنے اسماء و صفات کی تجلی ظاہر کرتے ہوئے اپنی عرش پہ یہ تحریر لکھی: إِنَّ الْحُسَيْنَ مِصْبَاحُ الْهُدَى وَ سَفِينَةُ النَّجَاةِ (بے شک امام حسین علیہ السلام ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہیں۔) اِس بنا پر جو بھی اِس سفینہ حسینیہؑ میں داخل ہو وہ اصحاب نبیؐ ہے۔ کیونکہ رسالت مآبؐ نے فرمایا ہے: حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں۔ لہٰذا سفینۂ حسینیؑ، سفینۂ رسولؐ ہے۔ اِس پہ سوار نہ ہوا اور اِس کی ولایت کو چھوڑ کر اوروں کو اپنا ولی بنا لے اور اُن کے کہے پر عمل کرے وہ نبیؐ کے اہل و اصحاب میں سے نہیں، بلکہ وہ ہلاک ہونے والا اور جہنم کے نچلے طبقے میں جانے والا ہے۔ جس طرح فرزندِ نوح ہلاک ہوا۔ ہمارا کسی کے ساتھ ذاتی جھگڑا نہیں، ہم تو صرف حق کی بات کر رہے ہیں۔ آدمی کو حق کہنا چاہیے، خواہ وہ اُس کے خلاف ہی ہو۔ دین بھی ہمیں یہی درس دیتا ہے۔

www.shiabookspdf.com

۱۵- کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہونے والا کافر ہے

جس نے حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی پر سوار ہونے کے حکم کی خلاف ورزی کی وہ کافر ہوا، حتیٰ اُن کا بیٹا بھی، کہ جو اُن کا سب سے قریبی تھا۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ

(حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا:) اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں میں سے نہ بن۔

لہٰذا جو سوار نہ ہوا وہ کافر ٹھہرا اور اُس کا انجام غرقابی، ہلاکت اور دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ ہوا۔ یہ حکم اُس شخص کا بھی ہے جو آئمہ اہل بیتؑ کے ساتھ نہ ہو اور اُن کے سفینہ پہ سوار نہ ہو۔ کیونکہ اُن کی محبت ایمان اور اُن کا بغض کفر ہے۔ جیسا کہ کثیر تعداد میں روایات اِس پر دلالت کرتی ہیں۔

شیخ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن یعفور سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: میں لوگوں سے ملتا ہوں تو مجھے ایسے لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے، جو آپ آلِ محمدؐ کی ولایت نہیں رکھتے ہیں، بلکہ فلاں و فلاں کی ولایت رکھتے ہیں۔ لیکن (میری اُن سے محبت کی وجہ یہ ہے کہ) اُن میں امانت داری، راست گفتاری، اور وفاداری جیسی صفات موجود ہیں۔ مگر جو لوگ آپؑ کی ولاء رکھتے ہیں ان میں امانت، وفاداری، اور سچ بولنے والی صفات موجود نہیں (اسی وجہ سے میں ان پر کڑھتا ہوں)۔

یہ سن کر امامؑ سیدھے ہو کر بیٹھے اور غصے کی نگاہ سے میری طرف دیکھا۔ اور فرمایا: جو کسی ظالم امام کی ولایت کا قائل ہو جو خدا کا مقرر کردہ نہ ہو، اس کا کوئی دین نہیں۔ اور جو شخص خدا کی جانب سے مقرر کردہ عادل امام کی ولایت کا عقیدہ رکھے اس پر کچھ عتاب نہیں۔

عبد اللہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا کہ مولاؑ کیا واقعی اُن کا کوئی دین نہیں اور ان پر کچھ عتاب نہیں؟!

امامؑ نے فرمایا: جی ہاں اُن لوگوں کا کوئی دین نہیں اور اِن لوگوں پر کچھ عتاب نہیں۔ کیا تم نے یہ فرمانِ الٰہی نہیں سنا: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۥ یعنی خدا انہیں امام عادل کے ساتھ محبت و ولایت رکھنے کے سبب گناہوں کی تاریکی سے نکال کر توبہ و مغفرت کے نور کی طرف لے جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ بتاؤ کافر کے لیے کون سا نور ہوتا ہے جس سے اس کو نکالا جاتا ہے؟! لہٰذا اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے وہ پہلے اسلام کے نور میں تھے، لیکن جب انہوں نے ہر ظالم امام کے ساتھ محبت و ولاء رکھی جو خدا کی طرف مقرر کردہ نہ تھا۔ تو ایسوں کی ولایت کے سبب انہیں اسلام کے نور سے نکال کر کفر کی تاریکیوں میں جھونک دیا گیا۔ پھر اللہ کافروں کے ساتھ ان پر بھی جہنم واجب کر دی۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے: اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [1]

(۱) (بحار الانوار: ۲۳/ ۳۲۲، ۶۸/ ۱۰۴؛ غیبت نعمانی: ۶۵)

۱۶۔ جو کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہوا وہ ظالموں میں سے ہے

جب طوفانِ نوح میں بہت سے لوگ غرق ہوئے تو اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ظالموں میں سے تھے۔ اولاً انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ثانیاً اہل حق کے ساتھ دشمنی ،اور اُن کی اتباع نہ کر کے، اُن کے ساتھ ظلم کیا۔ خدائے بزرگ و برتر ہمیں اُن کے بارے میں اِس طرح خبر دیتا ہے:

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾

"اور قدرت کا حکم ہوا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل لے اور اے آسمان اپنے پانی کو روک لے۔ اور پھر پانی گھٹ گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہِ جودی پر ٹھہر گئی اور آواز آئی کہ ہلاکت قوم ظالمین کے لئے ہے"۔ ①

وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣٧﴾

"اور قوم نوح کو بھی جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں بھی غرق کر دیا اور لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا اور ہم نے ظالمین کے لئے بڑا دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے"۔ ②

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٤﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٥﴾

"اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے درمیان پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے پھر قوم کو طوفان نے اپنی گرفت

① (سورۃ ہود)

② (سورۃ الفرقان)

www.shiabookspdf.com

میں لے لیا کہ وہ لوگ ظالم تھے۔ پھر ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے ساتھ کشتی والوں کو نجات دے دی اور اسے عالمین کے لئے ایک نشانی قرار دے دیا۔ ①

فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ فَاسْلُكْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾

"تو ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ ہماری نگاہ کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور پھر جب ہمارا حکم آجائے اور تنور ابلنے لگے تو اسی کشتی میں ہر جوڑے میں سے دو دو کو لے لینا اور اپنے اہل کو لے کر روانہ ہو جانا علاوہ ان افراد کے جن کے بارے میں پہلے ہی ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے اور مجھ سے ظلم کرنے والوں کے بارے میں گفتگو نہ کرنا۔ کیونکہ یہ سب غرق کر دیئے جانے والے ہیں"۔ ②

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾

"اور ہماری نگاہوں کے سامنے ہماری وحی کی نگرانی میں کشتی تیار کرو اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرو۔ بلاشبہ وہ سب غرق ہونے والے ہیں"۔ ③

جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں اُن کی کشتی پر سوار نہ ہوا وہ غرق ہوا۔ خدا جانتا ہے کہ وہ کتنے لوگ تھے جن کے مقدر میں غرقابی و ہلاکت

① (سورۃ عنکبوت)

② (المومنون)

③ (سورۃ ہود)

آئی۔ اُن کے ساتھ جو لوگ کشتی میں باقی بچے وہ اُن کا عشر عشیر بھی نہ تھے۔
بالکل یہی صورت رسالت مآبؐ کے زمانے سے لے کر قیامت تک کی
ہے۔ اُن کے سفینہ پر بھی کم لوگ سوار ہوں گے۔ کہ جس کے بارے
میں آپؐ نے اس طرح خبر دی: میرے اہل بیت کشتی نوح کی مانند ہیں۔
بے شک حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہے۔
اِس میں کوئی شک نہیں کہ امام حسینؑ کی کشتی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کشتی ہے۔ جو
اس پہ سوار ہو گا وہ شقاوت، ہلاکت، عذاب اور غرق ہونے سے امان
پائے گا اور جو اِس سے روگردانی کرے گا وہ ہلاک ہو گا۔ اور دنیا و آخرت
دونوں میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔

www.shiabookspdf.com

۱۷- جو کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہو وہ جاہلوں میں سے ہے

ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٥﴾ اَنْ لَّا
تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ
الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا
نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى
لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ
فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَيٰقَوْمِ
لَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا
تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٩﴾

"اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ میں
تمہارے لئے کھلے ہوئے عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہوں۔ اور یہ کہ
خبردار تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا کہ میں تمہارے بارے میں
دردناک دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں۔ تو ان کی قوم کے بڑے لوگ
جنہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک
انسان سمجھ رہے ہیں اور تمہارے اتباع کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ
ہمارے پست طبقہ کے سادہ لوح افراد ہیں۔ ہم تم میں اپنے اوپر کوئی
فضیلت نہیں دیکھتے ہیں بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے
جواب دیا کہ اے قوم تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی
طرف سے دلیل رکھتا ہوں اور وہ مجھے اپنی طرف سے وہ رحمت عطا
کر دے جو تمہیں دکھائی نہ دے تو کیا میں ناگواری کے باوجود زبردستی
تمہارے اوپر لاد سکتا ہوں۔ اے قوم میں تم سے کوئی مال نہیں چاہتا ہوں۔
میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور میں صاحبان ایمان کو نکال بھی نہیں سکتا ہوں
کہ وہ لوگ اپنے پروردگار سے ملاقات کرنے والے ہیں البتہ میں تم کو ایک
جاہل قوم تصور کر رہا ہوں"۔ [1]

خدا نے جہالت کو تاریکی سے اور عقل و علم کو نور سے پیدا کیا ہے۔ پس عقل مند عالم وہ
ہے جو حق کی پیروی کرے، ہمیشہ اُس کا ساتھ دے، اُس سے منہ نہ پھیرے اور نہ اُس سے
منحرف ہو۔ بلکہ حق کے سفینہ پہ سوار ہو اور اُس کے ناخدا کی اطاعت کرے۔ کیونکہ وہ اُسے حق
اور خدا کی بندگی کی طرف بلاتا ہے۔ وہ سخت عذاب والے دن سے خائف رہتا ہے۔ وہ خدا کی
طرف سے آئی ہوئی واضح نشانی پہ قائم رہتا ہے اور خدا اُسے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ مگر
زیادہ لوگ حق کو پسند نہیں کرتے، اپنے نبیؐ پر افتراء کرتے ہیں، اور اپنے رب کا انکار کرکے
ہلاکت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

[1] (سورۃ ہود)

اِسی طرح جو شخص اہلِ بیتؑ کے حق میں حکمِ نبویؐ کی اطاعت نہ کرے اور نہ ہی اُن کے سفینہ پہ سوار ہو وہ بلاشبہ غرق ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ دُنیا میں خود کو اہلِ حق میں شمار کرتا ہو۔ کیونکہ حقیقت میں نجات کا دارومدار حق کی پیروی اور سفینۂ نجات پہ سوار ہونے پر ہے۔ جس کے پاس جو ہے وہ اُسی پہ قانع ہے۔ خوشا نصیب اُس کے جو خدا کا عبد، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی، مولا علیؑ کا ماننے والا، امام حسنؑ و حسینؑ اور باقی سب آئمہؑ اطاعت گزار ہو۔ وہ جو اُن کے چراغِ ہدایت سے ضیاء حاصل کرے اور اُن کی نجات کی کشتی پہ سوار ہو۔ بلاشبہ وہ آخرت میں نجات پائے گا۔ اور جنت میں صالحین کا ہم نشین ہوگا۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے انسان کو سرتوڑ کوشش کرنی چاہیے۔

۱۸- جو کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہو وہ گمراہ ہے

ارشادِ خدا ہے:

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۳ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۳۴

"اور میں تم سے یہ بھی نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس تمام خدائی خزانے موجود ہیں اور نہ ہر غیب کے جاننے کا دعوٰی کرتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ جو لوگ تمہارے نگاہوں میں ذلیل ہیں ان کے

www.shiabookspdf.com

بارے میں یہ کہتا ہوں کہ خدا انہیں خیر نہ دے گا۔ اللہ ان کے دلوں سے خوب باخبر ہے۔ میں ایسا کہہ دوں گا تو ظالموں میں شمار ہو جاؤں گا۔ ان لوگوں نے کہا کہ نوح آپ نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑا کیا۔ تو اب جس چیز کا وعدہ کر رہے تھے اسے لے آؤ اگر تم اپنے دعوٰی میں سچے ہو۔ نوح نے کہا کہ وہ تو خدا لے آئے گا اگر چاہے گا اور تم اسے عاجز بھی نہیں کر سکتے ہو۔ اور میں تمہیں نصیحت بھی کرنا چاہوں تو میری نصیحت تمہارے کام نہیں آئے گی اگر خدا ہی تم کو گمراہی میں چھوڑ دینا چاہے۔ وہی تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹ کر جانے والے ہو"۔ ①

اغواء، گمراہی اور انحرف کے معنوں میں ہے۔ جسے دنیا اور اُس کی باطل رنگینیاں جیسے مال و دولت، جاہ و مقام اور عورت و دوسرے لذائذ اپنے دامِ تزویر میں جکڑ لیتے ہیں تو اُس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور وہ اپنے سے کم تر لوگوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، باطل کی بنیاد پر لڑتا جھگڑتا ہے اور خدا کے عذاب سے بے فکر ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو کسی کی نصیحت فائدہ نہیں دیتی۔ وہ اس قدر گناہ و معصیت کا ارتکاب کرتا ہے کہ اُس دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اُس پر جہالت کی تاریکی غالب آجاتی ہے۔ خدا اُس کے علم کے باوجود اُسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور راہِ راست سے ہٹا دیتا ہے۔ مگر واضح رہے کہ خدا جبر نہیں کرتا، بلکہ اُس نے انسان کو ہدایت و ہلاکت کے دونوں راستے دکھا دیے ہیں۔ خیر اور جنت کا راستہ بھی اور شر و جہنم کی راہ بھی۔ اب جب وہ خود خیر کو چھوڑ کر شر اختیار کرتا ہے تو خدا اُس سے نیکی کی توفیق سلب کر لیتا ہے اور وہ شیطان کی راہ پر لگ جاتا ہے۔

اور شیطانِ رجیم کا ہدف بھی یہی ہے۔ کیونکہ اُس نے خدا کے جوارِ رحمت سے نکلتے وقت بھی کہا جاتا ہے کہ میں تمام اولادِ آدمؑ کو بہکاؤں گا، سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ خدا کے مخلص اور شکر گزاری کرنے والے بندے تعداد میں کم ہیں، جبکہ اکثریت سرکش اور بغاوت ظاہر کرنے والی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سفینہ نوحؑ اور سفینہ محمدیؐ کی سواری اختیار نہ کی،

① (سورۃ ہود)

اُلٹے پاؤں پھرے اور ولایت کو خلافتِ حقہ سے مرتد ہو گئے۔ یہ سلسلہ روزِ موعود تک اِسی طرح چلتا رہے گا کہ جب تک خدا نے شیطان کو مہلت دے رکھی ہے۔

ہر زمانے میں حق و باطل کے درمیان جنگ جاری ہے۔ ایک طرف یزید سفاک و شارب الخمر ہے اور دوسری طرف امام حسین سبط پیمبر علیہ السلام کا کردار ہے۔ ہر زمان و مکان میں لشکرِ یزید اور لشکرِ حسینؑ باہم آمنے سامنے ہیں۔ اِس بنا پر ہر روز، عاشور اور ہر زمین، کربلا ہے۔ بے شک دنیا و آخرت میں نجات اُس کے مقدر میں آئے گی جو سفینۂ حسینیؑ پہ سوار ہو۔ کیونکہ خدا نے اپنے عرش پہ لکھا ہوا ہے: اَلْحُسَیْنُ مِصْبَاحُ الْهُدٰی وَ سَفِیْنَةُ النِّجَاةِ "حسینؑ چراغِ ہدایت اور کشتیٔ نجات ہے"۔

۱۹- سفینہ پہ سوار نہ ہونے والا مجرم ہے

ارشادِ ربّ العباد ہے:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

"کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پاس سے گڑھ لیا ہے تو آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے گڑھا ہے تو اس کا جرم میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے جرائم سے بری اور بیزار ہوں"۔ ①

وحی الٰہی میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اُن کی قوم کے افراد انہیں کشتی بنانے کے دوران ایذاء پہنچاتے تھے، اُن کی تکذیب کرتے تھے اور بڑے گناہوں و جرائم کا ارتکاب کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اُن سے اور اُن کے جرائم سے اظہارِ بیزاری کیا۔ کیونکہ وہ بے دریغ جسارتیں کرتے تھے۔

① (سورۃ ہود)

www.shiabookspdf.com

یہی صورتِ حال پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ جس قدر ایذاء آپ کو پہنچی اتنی کسی نبیؑ کو نہیں پہنچائی گئی۔ حتیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری سانسوں میں کہ جب آپؐ زندگی و موت کی کش مکش میں تھے۔ تو لوگوں نے آپؐ پر جنون کی تہمت لگائی کہ جیسے اِس سے قبل کفارِ قریش آپؐ کے متعلق ایسی ہرزہ سرائی کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حاضرین میں سے بعض نے کہا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ ہذیان ہو گیا ہے۔ حالانکہ خدا نے الفاظِ وحی میں آپؐ کی طہارت و قداست کو اِس طرح بیان کیا:

ما ضل صاحبکم و ما غوی و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی

"تمہارا مالک اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ وہ وحی ہوتی ہے جو اُس کی طرف کی جاتی ہے"۔ ①

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے اکثر افراد نے اُن کے سفینہ، نبوت اور دعوت کے بارے میں اُن کی تکذیب کی۔ اِسی طرح امت محمدیہؐ کے بھی زیادہ افراد نے بھی قوم نوحؑ کے نقشِ قدم کو اپنایا۔ بلکہ جو جو خرابیاں گزشتہ امتوں میں تھیں وہ سب اِس امت کے لوگوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ شیعہ و سنی مصادر کی اِس پر شاہد ہیں۔ اکثر لوگوں نے مولا امیر المومنینؑ کے حق کو ناپسند کیا، آپؑ کی مخالفت کی، آپؑ کے حقوق غصب کیے، آپؑ کی زوجہ کو مظالم کا نشانہ بنایا اور آپؑ کی اولاد و اسباطِ نبیؐ کو شہید کیا۔ اِس طرح اِس امت کی اکثریت بھی مجرم یا مجرموں کی حامی ہے۔ اِس کے نجات پانے والے افراد وہی ہیں جو سفینۂ اہل بیتؑ پہ سوار ہوں۔ وہ جسے سفینہ حسینیؑ کہا جاتا ہے تو اُس کی وسعت و رفتار میں اضافہ میں ہو جاتا ہے۔ اور وہ بہت جلد انسان کو خدا تک پہنچا دیتی ہے۔ کیونکہ یہ سفینہ نبوت و امامت کا جامع ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور نو آئمہ اولادِ امام حسینؑ سے۔ امام عالی مقامؑ اپنی والدہ کی طرح نبوت و امامت کے نور کے جامع ہیں۔ اِس لیے آپؑ کا سفینہ تیز رفتار اور آپؑ کا چراغِ ہدایت زیادہ نورانی و ضو پاشی کرنے والا ہے۔

① (سورۃ النجم)

۲۰- اکثریت نافرمان اور فاسق ہے

اگر ہم کتابِ وحی قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کریں تو ایک حقیقت کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ مثل عینی شاہد ہے۔ وہ یہ کہ دینی معاملات اور آسمانی اعتقادات کے اعتبار سے لوگوں کی دو صنفیں ہیں۔ کچھ ایمان رکھتے ہیں اور کچھ کفر و انکار کرتے ہیں۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اُن کی اکثریت کا تعلق اِس دوسری صنف سے ہے۔ جیسا کہ درج ذیل ارشاداتِ الٰہیہ اِس پر گواہ ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾

"بے شک وہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ فضل و کرم کرنے والا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس کا شکریہ ادا نہیں کرتی ہے"۔ [1]

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

"اور اگر آپ روئے زمین کی اکثریت کا اتباع کریں گے تو یہ آپ کو راہِ خدا سے بہکا دیں گے"۔ [2]

قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٧﴾

"کہہ دیجئے کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔ [3]

وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾

اور آپ کسی قدر کیوں نہ چاہیں انسانوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے"۔ [4]

---

[1] (سورۃ غافر)

[2] (سورۃ الانعام:۱۱۶)

[3] (سورۃ الاعراف)

[4] (سورۃ یوسف)

www.shiabookspdf.com

فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٥٠﴾

"لیکن انسانوں کی اکثریت نے ناشکری کے علاوہ ہر بات سے انکار کر دیا ہے"۔ [1]

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧١﴾

"اور یقیناً ان سے پہلے بزرگوں کی ایک بڑی جماعت گمراہ ہو چکی ہے"۔ [2]

وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿٥٩﴾

"اور بے شک تمہاری اکثریت فاسق اور نافرمان ہے"۔ [3]

لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٨﴾

"یقیناً ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے لیکن تمہاری اکثریت حق کو ناپسند کرنے والی ہے"۔ [4]

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١٠﴾

"ان میں صرف چند مومنین ہیں اور اکثریت فاسق ہے"۔ [5]

وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٣﴾

"لیکن جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں اور ان میں کے اکثر بے عقل ہیں"۔ [6]

مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿١١١﴾

---

[1] (سورۃ الفرقان)

[2] (سورۃ الصافات)

[3] (سورۃ المائدہ)

[4] (سورۃ الزخرف)

[5] (سورۃ آل عمران)

[6] (سورۃ المائدۃ)

"وہ ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ خدا چاہے لیکن ان کی اکثریت جہالت ہی سے کام لیتی ہے"۔ ①

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾

"اور تو اکثریت کو شکر گزار نہ پائے گا"۔ ②

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾

"ہم نے ان کی اکثریت میں عہد و پیمان کی پاسداری نہیں پائی اور ان کی اکثریت کو فاسق اور حدودِ اطاعت سے خارج ہی پایا"۔ ③

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۚ

"اور ان کی اکثریت تو صرف خیالات کا اتباع کرتی ہے"۔ ④

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٣﴾

www.shiabookspdf.com

"یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں اور پھر انکار کرتے ہیں اور ان کی اکثریت کافر ہے"۔ ⑤

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾

"لیکن ان کی اکثریت حق سے ناواقف ہے اور اسی لئے کنارہ کشی کر رہی ہے"۔ ⑥

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾

---

①(سورۃ الانعام)
②(سورۃ الاعراف)
③(سورۃ الاعراف)
④(سورۃ یونس:۳۶)
⑤(سورۃ النحل)

"یا ان کا کہنا یہ ہے کہ رسول میں جنون پایا جاتا ہے جب کہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے اور ان کی اکثریت حق کو ناپسند کرنے والی ہے"۔ ①

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ

"کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ان کی اکثریت کچھ سنتی اور سمجھتی ہے ہرگز نہیں"۔ ②

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾

"اس میں ہماری نشانی ہے لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے"۔ ③

يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾

"وہ فرشتوں کی باتوں پر کان لگائے رہتے ہیں اور ان میں کے اکثر لوگ جھوٹے ہیں"۔ ④

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

"تو پھر کہہ دیجئے کہ ساری حمد اللہ کے لئے ہے اور ان کی اکثریت عقل استعمال نہیں کر رہی ہے"۔ ⑤

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤﴾

"بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان کی اکثریت کچھ نہیں سمجھتی ہے"۔ ⑥

---

①(مومنون)
②(الفرقان:۴۴)
③(الشعراء)
④(الشعراء)
⑤(العنکبوت)
⑥(سورۃ الحجرات)

جب ہم اِن آیات کریمہ میں تھوڑا غور وفکر کرتے ہیں تو اِن سے درج ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں:

۱- لوگوں کی اکثریت ناشکرگزاری کرنے والی، بے علم، بے ایمان اور عقل سے عاری ہے۔ وہ حق سے روگردانی کرتے ہیں اور اُسے پسند نہیں کرتے۔ وہ جرائم کے عادی، کافر، گمراہ، فاسق اور دروغ گو ہوتے ہیں۔

۲- یہ اکثریت حسب ذیل بری صفات کی حامل ہے: اگر ہم اِن کی اتباع کریں تو یہ ہمیں خدا کی راہ سے دور کر دیں۔ کیونکہ یہ خدا کو چھوڑ کر اپنی راہ اور اپنی ذات کی طرف بلاتے ہیں، خدا پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں، اِن کی کسی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی عہد و میثاق کا پاس ولحاظ کرتے ہیں۔ وہ محض خیالی باتوں کی پیروی کرتے ہیں جن سے حق تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ وہ اللہ کی نعمت کو پہچاننے کے بعد اُس سے انجان بنتے ہیں اور اُس کا انکار کردیتے ہیں۔ وہ رسول خدا ﷺ کے حکم کے مقابلے میں زبان درازی کرتے ہیں اور آپؐ کے ادب کا پاس نہیں رکھتے۔ اور جب رسول خدا ﷺ اُن کے سامنے حق بیان کرتے ہیں تو وہ اِس سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔

۳- حدیث افتراق اور حدیث سفینہ کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ حقیقت میں آنحضرت ﷺ کے طریقے پر قائم ہیں وہ قلیل تعداد میں مومنین ہیں۔ نیز یہ کہ عن قریب امت کے طور طریقے میں فرق آجائے گا، وہ حق سے مرتد ہو جائے گی اور اُسے ناپسند کرے گی۔ یہ امر عیاں راچہ بیان ہے کہ لوگوں کی اکثریت حق کو پسند نہیں کرتی اور اُس عقل کی لازوال نعمت سے محروم ہے، جس کے ذریعے خدا کی بندگی کی جاتی ہے اور اُس کی جنت حاصل کرنے کی راہ میں تگ و دو کی جاتی ہے۔ وہ کان رکھتے ہوئے بھی بہرے ہیں۔ وہ مثل چوپایوں کے، بلکہ اُن سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ خدا نے انہیں عقل جیسی نعمت عطا کی مگر انہوں نے اُس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا اور نہ اُسے اُس مقصد کے لیے استعمال کیا جس کے لیے اُس کی تخلیق ہوئی تھی۔ انہوں نے اِس فرمانِ الٰہی کی مخالفت کا عملی طور پر اظہار کیا ہے:

اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۔

(اگر رسول ﷺ دنیا سے چل بسیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟!) ①

رسول خدا ﷺ کی وفات کے بعد خدائی جزا و انعامات صرف شکرگزاری کرنے والوں کے لیے ہیں۔ اور وہ قلیل تعداد والے اہل ایمان ہیں۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: وقلیل من عبادی الشکور (میرے بندوں میں شکرگزار کم ہی ہیں۔) [سورۃ سبا: ۱۳] یعنی لوگوں کی اکثریت ناشکری اور کفران کرنے والی ہے۔ لہٰذا تعداد میں زیادہ ہونا حق کی دلیل نہیں۔ بلکہ تہتر (۷۳) میں سے ناجی فرقہ صرف ایک ہے۔ یہی خدا کی طرف سے حق ہے مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور اپنے کفریہ تعصب پہ ڈٹے رہتے ہیں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں، کیونکہ پہلی امتوں میں سے اکثر لوگوں نے ایسا ہی کیا اور ہلاک ہوئے۔

ہم نے حق بات لوگوں کے سامنے پیش کردی اور پیروانِ اہل بیتؑ کے ناجی فرقے کے اعتقادات کو قرآن و سنت کے قطعی اور محکم دلائل کی روشنی میں ثابت کر دیا مگر اکثریت میں لوگ حق سے اظہار ناپسندیدگی کرتے ہیں، خدا پر جھوٹے بہتان گھڑتے ہیں اور اپنی جہالت و تعصب کی وجہ سے حقائق میں تحریف کرتے ہیں۔ یہ لوگ عقل کے کورے اور اپنے سوء اختیار کے سبب راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے بڑوں کی جاہلانہ اور غیر منصفانہ باتوں پر مصر اور ذاتی خام خیالیوں پر اَڑے ہوئے ہیں۔ یہ ایمان لانے والے نہیں، مگر خدا چاہے تو۔ انہوں نے آیت تکمیل دین میں خدا کی نعمت کو پہچاننے کے بعد ہٹ دھرمی دکھائی اور اُس کا انکار کر دیا۔ پھر ان کے دل اِسی اِباء و انکار پر پکے ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن میں زیادہ تر لوگ کفران کرنے والے ہیں۔ انہوں نے حق سے منہ موڑا اور رسول خدا ﷺ کے بعد ولایت اہل بیتؑ سے مرتد ہوئے اور اُن گھروں پر آگ لے کر آ گئے جن میں کتابِ خدا اُتری۔ ان وحشی و سنگ دل ظالموں آل رسولؐ کو وطن سے بے وطن کیا، اُن کے ناحق خون سے صفحۂ اَرض رنگین کیا اور اُن سادگی و شرافت کے پیکروں کو مثل مجرموں کے پابند رسن کیا اور اُن کے گلوں میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر شہر بہ شہر اور کوچہ بہ کوچہ پھرایا۔ یوں لوگوں کی

① (سورہ مبارکہ آل عمران: ۱۴۴)

www.shiabookspdf.com

اکثریت کا عاصی، فاسق و ظالم ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ یاد رہے کہ ظلم کرنے والے بہت جلد سمجھ جائیں گے کہ وہ کیسے برے انجام کی طرف جا رہے ہیں۔ کچھ شک نہیں عاقبت بخیر اہل تقویٰ ہی کا مقدر ہے۔ خدا ظالموں کی کارستانیوں سے غافل نہیں، وہ انہیں مہلت دیتا ہے اور دنیا کا قلیل سا جاہ و مال دے کر اُن کی رسی ڈھیلی کر دیتا ہے تاکہ اُن کے گناہ اور عذاب بڑھ جائے۔

یہ حق ہے کہ انہوں نے نعمتِ الٰہیہ کا انکار کیا۔ اور وہ نعمت مولا امیر المومنین علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ آپؑ نے اِس فرمانِ خدا: [اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾] کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

نَحْنُ وَاللّٰهِ النِّعْمَةُ الَّتِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ بِهَا عَلٰی عِبَادِهٖ، بِنَا فَازَ مَنْ فَازَ

"خدا کی قسم! ہم ہی وہ نعمت ہیں جسے خدا نے اپنے بندوں کو عطا کیا ہے۔ جو کامیاب ہوا وہ ہماری وجہ سے ہی ہوا"۔ [1]

بعد از رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعمتوں کا سفینہ، اہل بیتؑ کا ہی ہے۔ البتہ امام حسین علیہ السلام کے سفینے میں دو الگ خاصیتیں موجود ہیں۔ پہلی خاصیت اس کا اہل بیتؑ کے دوسرے سفینوں کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہونا ہے۔ اس لیے جو بھی اِس پہ سوار ہو وہ نجات پائے گا، اگرچہ اُس کی پشت پہ تمام جن و انس کے گناہوں کا بوجھ ہو۔ کیونکہ جب وہ سفینۂ حسینؑ پہ سوار ہو گا اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جائے گا اور اُس کے اعمال کی کتاب ایسے صاف ہو جائے گی کہ گویا ابھی دنیا میں آیا ہے۔

دوسری خاصیت اُس کا باقی سفینوں کے مقابلے میں تیز رفتار ہونا ہے۔ اُس کی مدد خدا کی رضا و رحمت، اُس کے فیوضات قدسیہ اور ابدی سعادت کا ادراک بہت جلدی ہوتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا سفینہ، جس طرح سفینۂ نبوت ہے کہ حسین منی و انا من الحسین اُسی

[1] (بحار الانوار: ۵۵/۲۶؛ تفسیر قمی: ۷۵۰)

www.shiabookspdf.com

طرح یہ سفینۂ امامت و ہدایت بھی ہے۔ (و الائمة التسع من ولد الحسین) اور (الامام المهدی من ولد الحسین)

۲۱- اکثریت تکبر مزاج ہے

ارشاد باری ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾

"انہوں نے کہا: پروردگار! میں نے اپنی قوم کو دن میں بھی بلایا اور رات میں بھی۔ پھر بھی میری دعوت کا کوئی اثر سوائے اس کے نہ ہوا کہ انہوں نے فرار اختیار کیا۔ اور میں نے جب بھی انہیں دعوت دی کہ تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے اپنی انگلیوں کو کانوں میں رکھ لیا اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور اپنی بات پر اڑ گئے اور شدت سے اکڑے رہے"۔ [1]

کبریائی، خدائے سبحان کی ردا ہے۔ وہ کبیر، اکبر اور متکبر ہے۔ جو اُس کی ردا کے بارے میں اُس کے ساتھ جھگڑا کرے گا وہ اُسے اوندھے منہ جہنم کے آتشیں گڑھے میں جھونک دے گا۔ وہ اپنے بندوں سے تواضع و خشوع اور انکساری و بندگی چاہتا ہے۔ جو ایسا کرے گا وہ اُس کے لیے اپنی رحمت واسعہ دروازے کھول دے گا۔ کیونکہ عبودیت ایک جوہر ہے جس کی کنہ ربوبیت ہے۔ وہ اپنے بندوں کے تکبر کرنے اور دوسروں کے مقابلے میں بڑائی کا طلب گار ہونے پر راضی نہیں۔ وہ اِس عمل کی شدید مذمت کرتا ہے اور اِس کے نتیجے میں جہنم کی تہدید سناتا ہے۔ جہاں تک تواضع و انکساری کی بات ہے تو وہ ایسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور اُن کی

[1] (سورۂ نوح)

شان وشوکت میں اضافہ کرتا ہے۔ جو خدا کے سامنے جھکے تو وہ اُسے بلند کرے گا اور جسے وہ بلند کردے، اُسے کوئی پست نہیں کرسکتا۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ اُس نے بلاشبہ عزت اپنے لیے، اپنے رسولؐ اور اُن اہل ایمان کے لیے پسند کی ہے جو عزت، کرامت اور شرف کے اہل ہیں۔

اُس نے اپنی کتاب میں تکبر کرنے والوں کی مذمت بیان کی اور اُن سے جہنم کا وعدہ کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں انبیاءِ کرامؑ ہدایت، سعادت اور خدا کی مغفرت و رضوان کی دعوت دیتے تھے، مگر وہ آگے سے انگلیاں کانوں میں ڈال کر پیغام ہدایت کو سننے سے انکار کردیتے۔ لوگوں کی اکثریت کا حال یہی ہے۔ وہ عبادتِ خدا کے مقابلے میں تکبر ظاہر کرتے ہیں انہیں مادی زندگی نے اپنے جال میں پھنسا رکھا ہے۔ وہ دین کو چھوڑ خواہشات ولذائذ کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ جبکہ خدا کے صبر وشکر کرنے والے اور اللہ، رسولؐ اور اولی الامرؑ کی اطاعت کرنے والے افراد بہت کم ہیں۔ اولی الامر سے مراد وہ ہستیاں ہیں جو نجات کے سفینے، تاریکیوں کے چراغ، مخلوق کے نشانِ ہدایت، خدا کی حجتیں، ہدایت کے ارکان، بندگانِ خدا کے سردار اور وحی کے امین ہیں۔ (صلوات اللہ علیہم اجمعین)

۲۲۔ اکثریت معصیت کار ہے

ارشادِ خدا ہے:

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمۡ عَصَوۡنِیۡ وَاتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ یَزِدۡهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

(اور نوح علیہ السلام نے کہا کہ پروردگار ان لوگوں نے میری نافرمانی کی ہے اور اس کا اتباع کرلیا ہے جو مال واولاد میں سوائے گھاٹے کے کچھ نہیں دے سکتا ہے۔)[1]

[1] (سورۃ نوح)

بہت سے لوگ مال واولاد کی کثرت پہ فخر کرتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر اِن کے حقوق ادا نہ کیے جائیں تو یہ اُن کے لیے وبالِ جان بن سکتے ہیں اور اِن سے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اِن دو کی محبت انسان کو دین اور اطاعتِ خدا سے دور کردیتی ہے۔ پھر وہ خدا و رسولؐ کی نافرمانی کرتا ہے اور دنیا، مال دنیا اور وقت کے ظالموں کے پیچھے چلتا ہے۔ زیادہ لوگوں کا حال یہی ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ بات ہم تک پہنچائی ہے۔ انہوں نے نوسو پچاس سال اپنی امت کو دعوت وتبلیغ کی تاکہ وہ دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کرلیں، مگر انہوں نے جواب میں سرکشی دکھائی اور دنیا اور اہل دنیا کے پیچھے بھاگتے رہے۔ نتیجتاً انہیں سوائے خسارے کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

بعینہٖ یہی معاملہ اِس امت کا بھی ہے۔ اِس نے اہل بیتؑ کی حکم عدولی کی۔ اُن کے ہر فرد کو تیغ جفا سے یا زہرِ تلیا سے شہید کیا۔ غدیر وکربلا کے وقائع عظیمہ میں بدستور یہی طور اختیار کیا۔ ماسوائے چند نفوس زکیہ کے، جنہوں نے اپنی جان عزیز کو امر اہل بیتؑ کے احیاء، اُن کے ذکر کے فروغ، اُن کے مذہب کی ترویج اور اُن کے فضائل ومناقب اور اُن کے دشمنوں کے مظالم ومثالب کی تشہیر میں صرف کیا۔ یہی خدا چاہتا ہے کہ حق وباطل ہمیشہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ حق کی راہ پر چلنے والوں کی تعداد کم دیکھ کر وحشت و تنہائی کا احساس نہ کرے۔

www.shiabookspdf.com

کیونکہ شیطان لعین نے پہلے دن سے خدا کی عزت کی قسم کھائی ہوئی ہے کہ وہ اُس کے مخلص بندوں کے علاوہ تمام اولادِ آدمؑ کو گمراہ کرے گا۔ تاریخ ہمارے سامنے کبھی آدمؑ وشیطان کا مقابلہ پیش کرتی ہے، کبھی ہابیلؑ وقابیل کا، کبھی ابراہیمؑ ونمرود کا، کبھی موسیٰؑ وفرعون کا، کبھی عیسیٰؑ و یہوذا کا، کبھی خاتم الانبیاءؐ، ابوجہل اور دیگر کفار قریش کا۔۔۔ پھر یونہی یہ سلسلہ چلتے چلتے امام حسین علیہ السلام اور یزید پلید کے معرکے تک پہنچ جاتا ہے۔ اِس کے بعد ہر انسان حسینی لشکر کا حصہ ہوگا یا یزیدی لشکر کا۔ یہ سوال ہر ایک سے ہونا چاہیے۔ قیامت میں تو لامحالہ پوچھا جائے گا کہ تم کس جماعت سے ہو؟!

۲۳- اکثریت گمراہ ہے

خدائے بزرگ و برتر ارشاد فرماتا ہے:

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿٢٤﴾

"انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کردیا ہے اب تو ظالموں کے لئے ہلاکت کے علاوہ کوئی اضافہ نہ کرنا"۔ ①

مومن کو چاہیے، جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے بھی نہج البلاغہ میں ہمیں اِس بات کی تعلیم دی ہے کہ ہدایت کی راہ میں ساتھیوں کی کمی کو خاطر میں لا کر دل تنگ نہیں کرنا چاہیے۔

واقعاً انسان کو راہِ ہدایت میں اپنے ہم سفر لوگوں کی تعداد کے کم ہونے کی وجہ سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ دین ایسے الٰہی قوانین کا مجموعہ ہے جو انسان کو اُس کی لذتوں اور نفسِ امارہ خواہشوں پر چلنے سے روکتے ہیں۔ اور یہ انسان کے لیے تھوڑا مشکل ہے۔ کیونکہ وہ آزادی پسند ہے اور ہر قسم کی قید و بند سے آزاد رہنا چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ شرعِ مقدس کی قیود بھی اُس کے لیے ایک طرح کا بوجھ ہوتی ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں یہ قیود اُسے تمام اغیارِ خدا کی بندگی کی قید سے آزاد کر کے خدائے واحد کے سامنے جھکاتی ہیں۔ اور اُسے ایک آزاد انسان بناتی ہیں جس میں سچی آزادی و حریت پائی جاتی ہے جو اُس کی فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہے۔

مگر اِس کے باوجود وہ شیطانی وہم و وسوسے کی بنا پر آزادی کی تلاش میں شرعی احکام و قیود سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ اُس کا ہدف مکمل طور پر آزادی کا حصول ہے حتیٰ کہ دین سے بھی۔ وہ کفر و ظلم کا راگ الاپتے ہوئے کہتا ہے: دین کی کوئی حقیقت نہیں، یہ قوموں کا افیون ہے۔ اکثر لوگ حق و حقیقت سے گمراہ ہیں اور اپنی حیوانی خواہشات کی تکمیل کے لیے نفس کے بے لگام گھوڑے پر سوار ہیں اور دنیا پرستوں کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ حیوانوں جیسے، بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں۔ انہیں زندگی کے مفہوم سے آشنائی نہیں۔ یہ زندگی کی اصل سے دور رہ کر اپنا وقت گزارتے ہیں۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ بحیثیتِ

① (سورۃ نوح)

انسان زندگی کو اُس کے مقصد کے مطابق گزاریں۔ کیونکہ خدا نے تمام چیزیں اُن کے لیے خلق کیں اور انہیں اپنے لیے بنایا ہے۔ حدیث قدسی میں انسان کی شان میں ہے۔

خدا فرماتا ہے:

خلقت الاشياء من اجلك و خلقتك من اجلى

(میں نے چیزوں کو تیرے لیے اور تجھے اپنے لیے خلق کیا ہے)۔

انسان اپنے خوبصورت پیکر میں خدا کی زمین پر اُس کے اسماء و صفات کا خلیفہ بن کر آیا ہے۔ مگر افسوس کہ وہ شر اور جہنم کی راہ اختیار کر کے خود کو ذلت کی پستیوں میں گرا دیتا ہے۔

اگرچہ لوگوں کی اکثریت کھلی گمراہی کا شکار ہے، پھر بھی مومن کو حق کی راہ میں وحشت نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ اُسے ہمیشہ فرقہ ناجیہ سے جڑے رہنا چاہیے۔ کیونکہ روزِ قیامت اِس بارے میں سوال ہوگا۔ اور وہاں بڑوں کی تقلید یا حکامِ وقت کے خوف کا کوئی عذر کام نہ آئے گا۔

لہٰذا انسان پہ واجب ہے کہ نجات کے سفینہ پہ سوار کہ جو مذہب حسینیؑ سے عبارت ہے۔

www.shiabookspdf.com

۲۴- اکثریت اہلِ سو ہے

ارشادِ رب العزت ہے:

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾

"اور ہم نے ان لوگوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جو ہماری آیتوں کی تکذیب کیا کرتے تھے کہ یہ لوگ بہت بری قوم تھے تو ہم نے ان سب کو غرق کردیا"۔ ①

جب ہم حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نہایت قلیل جماعت ہے جو اُن کے ہمراہ کشتی میں سوار ہوئی۔ باقی سب کے سب غرق آب

① (سورۃ الانبیاء)

ہوئے۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ آیاتِ خدا کی تکذیب کرتے، اُن کا انکار کرتے اور اُن کے سامنے بغاوت کا اظہار کرتے تھے۔ اُنہوں نے اِس قدر برائیاں و بدعملیاں انجام دیں کہ اُن کے دل سیاہ ہو گئے۔ اب نہ اُن میں خدا کی رحمت داخل ہو سکتی تھی اور نہ ہی کسی کی نصیحت اُن کی اصلاح کر سکتی تھی۔ جب بھی انبیاء، اوصیاء اور صلحاء انہیں تقویٰ و ہدایت کی دعوت دیتے تو وہ انہیں جھٹلا دیتے، اُن سے جنگ کے لیے کھڑے ہو جاتے اور اُن پر ایسی ایسی تہمتیں لگاتے کہ خدا کا عرش لرز جاتا۔ لیکن یہ خدا کا وعدہ ہے کہ غلبہ اہل حق کا ہوگا اور وہ اپنے جلی و خفی الطاف سے مومنوں کی کمر مضبوط کرے گا اور ظالموں کو ابدی لعنت و پھٹکار کے طوق پہنائے گا۔

اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اُس کا شمار اہل حق و ہدایت میں ہو اور وہ ہر قسم کے برے انجام سے امان حاصل کرے تو اُسے چاہیے کہ وہ نجات کے سفینے پر سوار ہو جائے۔ جسے خدا نے صدیوں و سالوں سے باقی رکھا ہوا ہے۔ اِس زمانے میں وہ سفینہ، امام حسین علیہ السلام کے نام سے منسوب ہے۔ آپؑ کے کربلا کے انقلاب کے بعد کتنے فاسق و بدچلن حکمرانوں نے اِس کی طرف اپنے منحوس ہاتھ بڑھائے اور اپنے زہریلے نوکیلے پنجوں سے اِس کا قصہ ختم کرنا چاہا۔ مگر وہ خود ہی صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے اور اِس پہ خدا نے آنچ نہیں آنے دی۔ یہ خدا کا نور ہے، کافر اسے پھونکوں سے خاموش کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ شمع کیونکر بجھ سکتی ہے جسے خدائے ذوالجلال نے روشن کیا ہو۔ آئے دن سفینۂ حسینؑ کی کشش و رونق پہلے سے کئی گناہ زیادہ ہو رہی ہے اور نجات کے متلاشی اِس پہ سوار ہو کر دارین کی سعادتیں سمیٹ رہے ہیں۔ نبیؐ خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ حسین ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہے۔

۲۵۔ اکثریت حق سے دور بھاگنے والی ہے

قرآن کریم میں ارشادِ خدا ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾

"حضرت نوحؑ نے کہا: اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو شب و روز دعوتِ حق دی۔ مگر میرے بلانے سے اُن کے فرار و کنارہ کشی میں ہی اضافہ ہوا"۔ ①

مبلغ رسالی کہ جو انبیاء کے مقامات اور اُن کی دینی توجہات و مسئولیات میں اُن کا وارث ہوتا ہے، اُس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ شب و روز لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچائے۔ اگرچہ اُسے ہزاروں سال یہی کام کرنا پڑے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کیا۔ وہ اپنی قوم کو خدا کی طرف بلاتے تھے، اور اِس کام میں ذرا اکتاہٹ، تنگی اور سستی ظاہر نہ کرتے۔ اگرچہ اکثریت اُن کی باتوں پر کان نہ دھرتی اور اُن کے پاس سے اٹھ کر بھاگ نکلتی تھی۔ یہ سب خدا کی نگاہِ قدرت کے سامنے تھا۔

مگر وہ اپنے ہدایت و تبلیغ کے فریضے کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے اور یہ بات بھی اُن کے ذہن میں تھی کہ وہ جس قدر انہیں حق کی طرف بلاتے ہیں وہ اِسی قدر اُن سے دور ہوتے ہیں۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کی طرف بلانے والوں کی ذمہ داری کتنی بڑی ہے۔ وہ دن رات ایک کر کے قوم کو سدھارنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اور محض درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور تقاریر و خطبات پر اکتفاء نہیں کرتے۔ کیونکہ امت کی اصلاح اور اسلامی معاشرے کو سلامتی کی راہ پر لانے اور اُسے منحرف عقائد، بری ثقافتوں اور ہلاکت خیز علوم کے طوفان سے بچانے کے لیے اتنا کر دینا کافی نہیں۔

اِسی لیے وہ اپنی شب و روز کی محنتوں سے قوم کے ہر ہر فرد کو سید الشہداءؑ کی کشتیٔ نجات پہ سوار کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ جو اُن کی لازوال قربانی اور خونین انقلاب سے تشکیل پاتی ہے۔ یہ کشتی اپنی تمام تر برکات و اسلامی خوبیوں کے ساتھ ہر زمان و مکان میں موجود و سلامت رہے گی۔ اِس کا ہر آنے والا لمحہ گزرے ہوئے لمحے کی نسبت زیادہ ثمر دار ہوگا۔ یہ ہمیشہ ظلم اور ظالموں سے ٹکراتی رہے گی۔

① (سورۂ نوح)

www.shiabookspdf.com

۲۶-اکثریت باطل کا سہارا لے کر مجادلہ کرتی ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ

"اور ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں یہ ارادہ کیا ہے کہ اسے گرفتار کرلیں۔ اور (اس کے ساتھ) انہوں نے باطل کے سہارے جھگڑا فساد کیا تاکہ اس کے ذریعے حق کا قلعہ قمع کردیں"۔ [1]

اہل ضلال کی اکثریت میں ایک صفت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ وہ باطل کا سہارا کر حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہادیانِ برحق، یعنی انبیاء، اوصیاء اور علما وصلحاء کے مقابل صف آرا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی اکثریت بعد رسول خدا ﷺ الٹے پاؤں پھر گئی اور مولا علیؑ کو چھوڑ دیا کہ جو بنص رسولؐ مجسم حق تھے۔ یہ حدیث فریقین کے یہاں ثابت ہے اور اس کی لفظیں یہ ہیں: علی مع الحق و الحق مع علی مولا علیؑ حق کے ساتھ اور حق، مولا علیؑ کے ساتھ ہے۔ جب مولا علیؑ حق ہیں تو اُن کے بعد آئمہ طاہرینؑ بھی حق ہیں۔ اور جب علیؑ و اولادِ علیؑ حق ہیں تو لامحالہ جو بھی اُن کے مقابل آیا وہ باطل ہوگا۔ جس طرح حق کی مجسم صورتیں ہیں اُسی طرح باطل کے بھی کچھ پیکر و قالب ضرور ہیں۔

اکثریت باطل کے اصنام کے گرد حلقہ بگوش ہے۔ کیونکہ اُن سب کی جنس ایک ہے اور یہی ایک ہونے کی علت ہے۔ وہ لوگ اِن اہل باطل کو حق کے مقابل لاکھڑا کرتے ہیں تاکہ کسی طریقے سے حق کا خاتمہ ممکن بنایا جاسکے۔ خواہ کچھ دیر کے لیے ہی۔ تو اکثریت کے علَم برداروں نے رسول خدا ﷺ کو پکڑنے کی کوشش کی اور آپؐ پر معاذ اللہ ہذیان گوئی کی تہمت لگائی اور حق کی آواز کو خاموش کرنے کے لیے باطل کا سہارا لیا۔

اب یہ ہماری اپنی ذمہ داری ہے کہ نجات کے سفینے کو اچھی طرح پہچانیں اور ان سخت

[1] (سورۂ غافر: ۵)

www.shiabookspdf.com

طوفانوں سے بچنے کے لیے اُس پہ سوار ہو جائیں۔ کہیں ہمارا شمار بھی اُس اکثریت میں نہ ہو جائے کہ جن کے بارے میں خدا نے ہمیں خبردار کردیا ہے۔ وہ اپنی کتاب میں مثالوں سے بات واضح کرتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں۔ وہ سابقہ امتوں پر اپنے عذاب کا ذکر اس طرح کرتا ہے: پھر میں نے اُن کی بداعمالیوں پر انہیں پکڑ لیا۔ تو دیکھو، میرا انتقام کیسا سخت ثابت ہوا۔

۲۷-اکثریت کا اقلیت پر ظلم، اور اُن کا انجام

ارشاد رب العباد ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي ۖ لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾

"اور نوحؑ کی قوم نے بھی مرسلین کی تکذیب کی۔ جب ان کے بھائی نوحؑ نے ان سے کہا کہ تم پرہیزگاری کیوں نہیں اختیار کرتے ہو۔ میں تمہارے لئے امانت دار نمائندہ پروردگار ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں اس تبلیغ کا کوئی اجر بھی نہیں چاہتا ہوں۔ میری اجرت تو رب

العالمین کے ذمہ ہے۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ان
لوگوں نے کہا کہ ہم آپ پر کس طرح ایمان لے آئیں جبکہ آپ کے
سارے پیروکار پست طبقہ کے لوگ ہیں۔ حضرت نوح نے کہا کہ میں کیا
جانوں کہ یہ کیا کرتے تھے۔ ان کا حساب تو میرے پروردگار کے ذمہ ہے
اگر تم اس بات کا شعور رکھتے ہو اور میں مومنین کو ہٹانے والا نہیں ہوں۔
میں تو صرف واضح طور پر عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہوں ان لوگوں نے
کہا کہ اے نوح! اگر تم ان باتوں سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کردیں
گے نوح نے یہ سن کر فریاد کی کہ پروردگار میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے
اب میرے اور ان کے درمیان کھلا ہوا فیصلہ فرما دے اور مجھے اور میرے
ساتھی صاحبانِ ایمان کو نجات دے دے پھر ہم نے انہیں اور ان کے
ساتھیوں کو ایک بھری ہوئی کشتی میں نجات دے دی اس کے بعد باقی سب
کو غرق کردیا یقیناً اس میں بھی ہماری ایک نشانی ہے اور ان کی اکثریت
ایمان لانے والی نہیں تھی"۔ [1]

www.shiabookspdf.com

اگر ان آیات کو پڑھ کر آپ سے کہا جائے کہ قیامت کے دن لوگوں کی اکثریت ہلاک
ہوگی تو آپ تعجب نہیں کریں گے۔ مگر جو سوال بار بار ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ پھر خدا نے
انہیں خلق ہی کیوں کیا؟! آیا وہ انہیں ہلاکت وعذاب سے دوچار کرنا چاہتا ہے، جبکہ وہ رحمٰن و
رحیم ہے۔ اُس کی رحمت، غضب پہ حاوی ہے، وہ اصلاً لوگوں سے اُن کے کیے پر مواخذہ کرتا ہی
نہیں، بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے تا کہ وہ توبہ کرلیں۔ وہ شرک کے علاوہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔
کیا اس قدر کریم و مہربان خدا اپنی بیش تر مخلوق کو ہلاک کرسکتا ہے؟!

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکمتِ باری ﷻ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کو خلق کرے،
اُسے مافی الضمیر بیان کرنا سکھائے، اُسے خیر و شر کے دونوں راستے دکھادے اور پھر اُسے تکوینی
اور تشریعی دونوں طرح کے اختیار کا حامل بنائے۔ پھر اُس نے بندوں پر لطف و مہربانی کرتے

[1] (سورۃ الشعراء)

ہوئے رسولؐ ارسال کیے اور کتابیں نازل کیں۔ پھر اُس نے امتحان کا مرحلہ کامل کرنے کے
لیے اُن کے اندر نفس امارہ کو خلق کیا کہ جو لذائذ و شہوات کی جانب میلان رکھتا ہے۔ اِسے خدا
نے برائی و اچھائی سب الہام کردی ہے۔ یہ الہام اخلاق کی پہلی معجون ہے۔ یہ خدائی لطف
ہے۔ یعنی اِس کے ذریعے انسان اپنے رب کی اطاعت کے قریب جاتا ہے اور اُس کی نافرمانی
سے دُور بھاگتا ہے۔ یہاں اختیار و انتخاب کا معاملہ انسان کے ہاتھ میں ہے۔ سو جس نے اپنے
نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اِسے آلودہ کردیا وہ ناکام ٹھہرا۔ میں اِس دنیا کو ایک
باغ کی مانند دیکھتا ہے جس کا نگہبان و تخم ریزی کرنے والا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ

(بتاؤ! بھلا یہ کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں)

کسان پورے کھیت کو سیراب کرتا ہے۔ مگر زمین میں موجود کچھ بے کار سے تنکے پانی
سے سیراب ہو کر اُگ آتے ہیں۔ بعض اوقات وہ زائد اگنے والی نباتات درختوں اور پھلوں
کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں تو کسان انہیں بیچ میں سے اکھاڑ دیتا ہے۔ بعض درخت پھل دار
نہیں ہوتے اور اُن کی لکڑی کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ بعض درخت پھل دار
ہوتے ہیں، مگر اُن سے حاصل ہونے والے میوہ مختلف انواع کے ہوتے ہیں۔ آب پاشی سے
سیرابی تمام نباتات کو ملتی ہے، مگر کسان کا مقصد تو پھل دار درخت قد آور کھجوریں اور خوبصورت و
دلکش پھول ہوتے ہیں۔ بالکل اِسی طرح اللہ رب العالمین بھی اپنی رحمت رحمانیہ سے تمام
بندوں کو رزق دیتا ہے، انہیں فضل و کرم سے سیراب کرتا ہے اور اپنے رسولوں و کتابوں سے اُن
کی ہدایت کرتا ہے۔ لیکن اُن کی اکثریت بے کار زندگی کا انتخاب کرتی ہے۔ اور ظاہر ہے
جھاڑ تنکے اکھاڑ کر جانوروں کے آگے ہی ڈالے جاتے ہیں۔

حضرت نوحؑ کی قوم کی غالب تعداد کو شیطان نے اپنے فریب میں پھنسایا تو وہ آسانی
کے حصول اور ہوا و ہوس کی تسکین اور نفس امارہ کی آواز پہ لبیک کہتے ہوئے اُس کے ساتھ ہو
لیے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے نبیؑ اور دوسرے رسولوں کی تکذیب کی۔ وہ انہیں تقویٰ و صراط
مستقیم کی دعوت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ اُن کے خیر خواہ ہیں۔ وہ خدا کے امین پیغمبر تھے

اور اُن کی دعوت میں خیانت نہیں تھی۔ مگر ان کی قوم کے افراد نے اُنہیں جھٹلا دیا اور عذر یہ پیش کیا کہ آپؑ کی بات تو صرف وہی مانتے ہیں جو ہمارے مقابلے میں پست و حقیر ہیں۔ وہ فقیر و نادار ہیں اور ہماری گنتی میں اُن کا شمار انسانوں میں نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اُن کی اِس بے جا ہٹ دھرمی اور حجت خدا کی تکذیب پر خدا نے انہیں طوفان سے سامنا کرا دیا۔ پھر جو کشتیٔ نوحؑ پہ سوار ہوتا اُسے نجات ملتی گئی اور جو سوار نہ ہو وہ آبی موجود کے تلاطم میں غرق ہو گیا۔ یہ واقعہ خدا کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اِن قصص الٰہیہ سے درسِ عبرت حاصل کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی غافل ہوں اور کوئی طوفان آئے اور ہمیں اپنے ساتھ لے جائے۔ بلکہ ہمیں چاہیے کہ طوفان کے آنے سے پہلے نجات کے سفینے پر سوار ہیں اور مذہب حسینیؑ کو اپنی عملی زندگی کا حصہ بنالیں۔ اِسی لیے خدا نے اپنی کتاب میں اِس طرح کے وقائع و آثار ذکر کیے ہیں۔

۲۸۔ کشتی پہ سوار نہ ہونے والا اخروی انجام

خدا فرماتا ہے:

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۗ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۙ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٩﴾

"اور نوح کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی قوم کی کسی جماعت کا گزر ہوتا تھا تو ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ نوح نے کہا کہ اگر تم ہمارا مذاق اڑاؤ گے تو کل ہم اسی طرح تمہارا بھی مذاق اڑائیں گے پھر عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ جس کے پاس عذاب آتا ہے اسے رسوا کر دیا جاتا ہے اور پھر وہ عذاب دائمی ہی ہوجاتا ہے"۔ ①

① (سورۃ ہود)

www.shiabookspdf.com

یہ انسان کی بدبختی کی علامت ہے کہ اُسے داخلِ جہنم کیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے: فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴿١٠٦﴾ (پس جو لوگ بدبخت ہوں گے وہ جہنم میں رہیں گے جہاں اُن کے لئے صرف ہائے وائے اور چیخ پکار ہوگی۔) ①

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے زیادہ افراد پر بدبختی غالب آئی اور انہوں نے اپنے نبی کو جھٹلا دیا۔ جب وہ کشتی بنا رہے تھے تو اُن کے قوم کے بڑے اُن کے پاس سے گزرتے اور اُن کی تضحیک کرتے اور اُن کے فعل کا تمسخر اڑاتے تھے۔ جواب میں نبی خداؑ اُن سے یہ کہتے کہ آج تم مذاق بناؤ، کل ہم تمہارا مذاق بنائیں گے۔ اِس سے مراد روزِ طوفان اور روزِ قیامت ہیں۔ وہ انہیں خدا کے دائمی عذاب کی پکڑ سے بار بار متنبہ کرتے۔

یہی حال اِس امت کا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اِسے کشتیٔ نجات پہ سوار نہ ہونے کی صورت میں سخت انجام سے خبردار کر دیا ہے۔ تو جو بھی سفینۂ اہل بیتؑ پہ سوار نہ ہوگا وہ دنیا و آخرت دونوں میں عذاب و رسوائی کا حق دار ہوگا۔ کیونکہ اُس کے پاس خدا کی جانب سے پند و نصائح اور واضح آیات و براہین آچکے ہیں، مگر وہ بے جا تعصب، اندھی تقلید اور جہالت و سرکشی کی بنا پر اپنی غلطی پہ مصر ہے۔ اور نجات کے سفینے کو چھوڑ کر فلاں وفلاں کی پیروی کر رہا ہے۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جو شخص خدا کی ولایت میں نہ ہو وہ لامحالہ شیطان اور اُس کے چیلوں کی ولایت میں ہوتا ہے۔

۲۹۔ اہل ایمان کی قلت

ارشادِ رب العباد ہے:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ

① (سورۃ ہود)

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيۡلٌ۝

"حتی جب ہمارا امر آیا اور تنور سے پانی ابلنے لگا تو ہم نے کہا: کشتی میں ہر جوڑے کے دو افراد کو اور اپنے اہل خانہ کو سوار کر لو۔ سوائے اُن کے جن کے بارے میں عذاب کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اور انہیں بھی ساتھ لے لو جو ایمان لائے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ بہت تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے"۔ ①

آپ لوگ یہ سن کر حیران نہیں ہوں گے کہ انبیاءؑ کی بیویوں میں سے بعض کوتاہی کرنے والی ثابت ہوئیں اور اُن پہ خدا کا قہر نازل ہوا۔ آنحضورﷺ سے پہلے کچھ نبیؑ ایسے گزرے ہیں جن کی بیویاں عذابِ الٰہی کی سزاوار قرار پائیں۔ جیسے حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویاں۔ اِن دونوں کے بارے میں قدرت نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا تھا کہ یہ گرفتارِ عذاب ہوں گی۔ لہٰذا یہ دونوں باقی اکثریت کے ساتھ غرق ہوئیں اور لعنت کی مستحق ٹھہریں۔ رہے حضرت نوحؑ اور باقی انبیاء کرامؑ، حتیٰ آنحضرتﷺ بھی۔ تو اِن کے ہمراہ بہت ہی کم لوگ ایمان لائے۔

www.shiabookspdf.com

اِسی وجہ سے اِس امت کے تہتر فرقے بنے ہیں۔ جن میں سے نجات پانے والا صرف ایک ہے۔ یہ بات اسلامی وحدت کے منافی نہیں۔ بلکہ ہم سب اِس دنیا میں ایک باغ کی طرح ہیں جس میں اشجار اور غیر ضروری نباتات ہوتی ہیں۔ اور پانی اُن سب کو سیراب کرتا ہے۔ ہم میں سے نجات اِسی کے نصیب میں آئے گی جو کشتیٔ نجات پہ سوار ہوگا۔ اب یہ ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے کہ اُسے تلاش کرے اور اُن چیزوں کے بارے میں تحقیق کرے جن کے بارے میں روزِ قیامت سوال ہوگا۔ چنانچہ قیامت کے دن کہا جائے گا: وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡئُوۡلُوۡنَ (انہیں روکو! ابھی اِن سے پوچھنا باقی ہے۔) اب جب خدا نے کوئی سوال کرنا ہے تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ اُس کے بارے میں تحقیق کریں اور اُس کا جواب تیار رکھیں۔ تاکہ دنیا و آخرت میں خسارے سے بچ جائیں۔

① (سورۂ ہود)

۳۔ قلبِ سلیم

ربِ کریم ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ۝ اِذۡ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ۝

"اور بلا شبہ ابراہیمؑ اُن کے شیعہ تھے کہ جب وہ قلبِ سلیم کے ساتھ اپنے پروردگار کے پاس گئے"۔ ①

اِس کی ظاہری تفسیر تو یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے شیعوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے کہ جو قلبِ سلیم کی نعمت سے ممتاز تھے۔ یہ وہ قلب ہوتا ہے جس میں خدا کے سوا کوئی دوسرا نہ ہو۔ لہٰذا جو بھی حضرت نوح علیہ السلام کا شیعہ اور اُن کے سفینہ پہ سوار ہو وہ قلبِ سلیم رکھتا ہے۔ یعنی بھی نجات کے سفینے پر سوار ہو وہ اِس قلب کا حامل ہو جاتا ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ بعض اِس دنیا میں ہی ایسے قلب کے حامل بن جاتے ہیں اور بعض عالم احتضار، یا قبر یا عالم برزخ میں گناہوں اور کثافتوں سے پاک ہونے کے بعد اِس کے قابل ہوتے ہیں۔ اور بعض تو ایسے بامعرفت ہوتے ہیں کہ وہ اپنے کفن پہ یہ لکھ دیتے ہیں:

وفدت على الكريم بغير زاد   من الحسنات والقلب السليم

فحمل الزاد اقبح كل شيئ   اذا كان الوفود على الكريم

"میں ایک کریم و سخی کی بارگاہ میں نیکیوں اور قلبِ سلیم کے زادِ راہ کے بغیر جا رہا ہوں۔ کیونکہ جب کسی کریم کے یہاں جانا ہو تو زادِ سفر لے کر جانا سب سے زیادہ ناشائستہ ہے"۔

اِس کا دار و مدار دل کے شکوک و شبہات، جہالت، گناہوں، معاصی، حبِ دنیا اور ہر اُس چیز سے پاک ہونے پر ہے جو رضائے خدا کے برخلاف ہو۔ یعنی دل کو غیر خدا سے بالکل پاک رکھنا، پھر اُسے حبِ الٰہی، عبادات، ذکرِ جلی و خفی، اچھی عادات اور اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کرنا۔ اِس کے بعد اُسے انقطاع الی اللہ اور اُس کے اسماء و صفات میں فنا ہو جانے سے جلا دینا ہے۔

① (سورۂ صافات)

اور یہ جلا و نورانیت اُس وقت تمام ہوتی ہے کہ جب اُسے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے انوار سے ضوفشانی دی جائے۔ جن میں سب سے زیادہ نورانی و جلا بخش مصباح حسینؑ ہے۔ کیونکہ وہ نبیؐ سے اور نبیؐ اُن سے ہیں۔ وہ مومنین متقین کے لیے ہدایت کا چراغ ہیں۔ رہی بات گناہ گاروں کی تو ان پر لازم ہے کہ وہ نجات کے حصول کے لیے آلِ محمدؐ کے سفینوں پر سوار ہو جائیں۔

البتہ آلِ محمدؐ میں امام حسین علیہ السلام کی کشتیٔ نجات زیادہ وسیع اور جلد خدا کے قریب کرنے والی ہے۔ اس کے ذریعے ہر ایک کی نجات ممکن ہے، حتیٰ شراب خوار اور تارک الصلاۃ بھی۔ کیونکہ ایسا گناہ گار آخرت میں خدا کے پاس جائے گا اور وہاں اُس کی حالت و کیفیت بدل جائے گی۔ وہ اللہ جل جلالہ کے رنگ میں رنگ جائے گا۔ اُس پر قلبِ سلیم کی ہوا کے جھونکیں چلیں گے اور وہ ہر عیب سے پاک ہو جائے گا۔ پھر وہ امن و سلامتی اور قلبِ سلیم کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

www.shiabookspdf.com

۳۱-صبر وتقویٰ

خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

"یہ اُن غیب کی باتوں میں سے ہے جو ہم آپؐ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اس سے قبل نہ آپؐ انہیں جانتے تھے اور نہ ہی آپکی قوم والے۔ تو آپؐ صبر کریں۔ کچھ شک نہیں کہ بہترین انجام اہل تقویٰ ہی کا ہے"۔ ①

جب خدا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کر چکا تو اُس نے اس امر کی جانب اشارہ کیا کہ یہ سب باتیں بذریعہ وحی آپؐ تک پہنچی ہیں۔ اس سے پہلے نبی کریم

① ( )

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی قوم ان کے بارے میں علم نہیں رکھتے تھے۔ اس کے بعد خدا نے تمام واقعہ کا نتیجہ اور اس سے ملنے والا درسِ عبرت بیان کرتے ہوئے کہا:

حضرت نوح علیہ السلام تبلیغ رسالت کے مقام میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور شب و روز اُن تک خدا کا پیغام پہنچایا۔ یہ الگ بات ہے کہ اُن میں سے بہت سوں کے مقدر میں ہدایت نہ تھی اور جھوٹے و فاسق نکلے۔ اس کی وجہ اُن میں تقویٰ کی عظیم صفت کا عدم وجود تھا۔ لیکن آخر کار غلبہ خدا نے نبیوںؑ کو ہی ملتا ہے اور انجام بخیر متقی لوگوں کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا۔ تو اے رسولؐ! آپؐ بھی صبر کریں۔ بے شک اچھا انجام آپ کے اہل بیتؑ اور اُن کے باتقویٰ چاہنے والوں کا ہی ہے۔ وہ معدودے مسلمان ہیں۔ دنیا میں اُن کا شعار صبر، تقویٰ، ظہورِ قائمؑ کا انتظار اور حسنِ عاقبت ہے۔ وہ ایک دوسرے کو مولا امیر المومنینؑ کے حق، ولایت پہ قائم رہنے اور اس کی خاطر مصائب و آلام جھیلنے کی وصیت کرتے ہیں۔

۳۲-سلامتی و برکت

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۚ

"ارشاد ہوا: اے نوحؑ! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ کشتی سے اترو یہ سلامتی اور برکت تمہارے ساتھ کی قوم پر ہے"۔ ①

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

"ساری خدائی میں حضرت نوحؑ پر ہمارا سلام ہو ہم اسی طرح نیک عمل

①(سورۃ ہود)

"کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے

پھر ہم نے باقی سب کو غرق کر دیا"۔ [1]

خدا کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک السلام ہے۔ تو وہ خود سلام ہے، اُس کی طرف سے سلام آتا ہے اور اُسی کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ اُس کے سلام سے ہی نبیوںؑ اور رسولوںؑ پر رحمت و درود نازل ہوتا ہے۔ تو خدا کا دائمی سلام ہو حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت محمد اور باقی انبیاء پر اُس کے تعداد کے برابر کہ جو اُس کے علم میں ہے۔ صلوات اللہ علیہم و علی آل محمد اجمعین!

اِسی طرح المبارک بھی خدا کے اسماء میں سے ہے۔ برکت سے مراد خیر و امان کے ساتھ موجود ہونا اور اِسی حالت میں چلتے رہنا ہے۔ سو جب خدا حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے تھوڑے بہت ساتھیوں کو نجات کو دے اکثریت کو غرقِ آب کر چکا تو اُس نے آپؑ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے نوحؑ! ہماری طرف سے سلامتی اور اپنے اوپر اور اپنے ہمراہ موجود مخلوقات پر ہماری برکتوں کے ساتھ کشتی اتر جاؤ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا کی رحمت رحیمیہ شامل ہے۔ یہ محسنین میں سے ہیں۔ اِن کی ہر آنے والی نسل پر تمام عالمین میں خدا کا سلام و برکتیں ہوں۔ یہ اُس شخص کا صلہ ہے جو نیکوکار اور مومن ہو۔ جہاں تک غیر مومن کی بات ہے تو جیسے کل اُن کی قسمت میں ڈوبنا تھا آج بھی ڈوبنا ہے۔

www.shiabookspdf.com

یہ سنت الٰہیہ ہے جو اِس امت میں بھی حسبِ سابق جاری و ساری رہے گی۔ جو بھی مولا امیر المومنین علیہ السلام اور آپؑ کے اہل بیتؑ بالخصوص امام حسین علیہ السلام کے سفینہ پر سوار ہو وہ محسنین و مومنین میں سے ہے۔ اُس پر ہمیشہ خدا کا سلام اور برکتیں ہو۔ جو اُن کے دشمن، حقوق غصب کرنے والے اور فضائل کا انکار کرنے والے ہیں وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ اُن کی قسمت میں غرق ہونا ہی ہے۔

[1] (سورۃ الصافات)

۳۳- پریشانیوں سے نجات

رب کریم اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾

"اور نوحؑ کو یاد کرو کہ جب انہوں نے پہلے ہی ہم کو آواز دی اور ہم نے ان کی گزارش قبول کر لی اور انہیں اور ان کے اہل خانہ کو بہت بڑے کرب سے نجات دلا دی"۔ [1]

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾

"اور حضرت نوحؑ نے ہمیں پکارا تو کیسے اچھے پکار سننے والے ہیں۔ اور ہم نے انہیں اور اُن کے اہل خانہ کو بہت بڑی آفت سے امان دی"۔ [2]

یہ خدائے مہربان کی اپنے بندے پر بہت بڑی نوازش ہے کہ وہ اُس کی دعا سنے، اُس کے اعمال قبول کرے، اُس کی پریشانیاں دور کرے اور اُسے اُس کے افرادِ خانہ سمیت نجات دے۔ اُس نے اپنے انبیاءؑ کے ساتھ یہی طور اپنایا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ کے قصہ میں ہم نے پڑھا ہے۔ یہ سفینۂ نجات پہ سوار ہونے کے لوازمات میں سے ہے۔ جو سابقہ امتوں کے ساتھ ہوا بالکل ویسا ہی اِس امت کے ساتھ دہرایا جاتا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفینہ پہ سوار ہوگا اُس کے غم دور اور حاجات پوری ہوں گی۔

حضرت نوحؑ اور اُن کے پہلے ذکر شدہ انبیاءؑ کے واقعات میں جو بات دیکھی گئی ہے، وہ یہ کہ انہوں نے خدا کے حضور فریاد کی، تو خدا بہت خوب سننے والا ہے۔ اِسی طرح جو بھی مولا حسین علیہ السلام کے سفینے پر سوار ہوگا وہ اپنے اخلاق و اوصاف میں کثیر الدعا اور کثیر المناجات ہوگا۔

[1] (سورۃ الانبیاء)

[2] (سورۃ الصافات)

کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ دعا نہ کرے گا تو اُس کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ اُس کے امام اور سفینۂ نجات کے ملاح سید الشہداؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحے میں خدا سے مناجات ترک نہ کیں کہ جب وہ خاک وخون میں غلطاں تھے۔ انہوں نے قوم اشقیاء سے عاشور تک جنگ کو موخر کروایا تا کہ جی بھر کے خدا کی عبادت کریں۔ اُس رات آپؑ کے اور آپکے اصحاب کے خیموں سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھنانے کی مانند ذکر واذکار کی صدائیں آتی تھیں۔ کوئی محو نماز تھا تو کوئی قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا اور کوئی رخساروں پہ آنسو سجائے اپنے رب کے حضور دعا ومناجات میں مشغول تھا۔

اسی طرح امام علیہ السلام کے شیعہ کے اوصاف میں وارد ہوا ہے کہ کثرت دعا سے اُن کے چہرے زرد، گریہ کی زیادتی کے سبب اُن کی آنکھوں کی بینائی کم اور بھوک کی وجہ سے اُن کے پیٹ کمر کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ رات کو خوف ووحشت کے ساتھ گزارتے ہیں اور دن کے اجالے میں شیروں کی طرح اپنی ذمہ داریاں انجام دیتے ہیں۔ خدا کے معاملے میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

۳۴۔ بقاء ودوام

ارشاد خدا ہے: وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿٧٧﴾ (ہم نے ان کی اولاد ہی کو باقی رہنے والوں میں قرار دیا۔)[1]

خداوند سبحان نے انسان کے اندر کچھ حسیات اور عواطف وغرائز ودیعت کیے ہیں۔ علماء نفس نے اُن کی تعداد چودہ بتائی ہے۔ اُن میں سے ایک غریزہ حب بقاء ہے۔ ہر شخص اپنی طبیعت وفطرت کے لحاظ سے بقاء و ہمیشگی کو پسند کرتا ہے۔ لیکن خدا نے نظام کی حفاظت کے لیے فناء وموت کو انسان کی خلقت کا

[1] (سورۃ صافات)

www.shiabookspdf.com

حصّہ قرار دیا۔ ہاں اِس غریزے کو کسی حد تک پورا کرنے کے لیے اُس کچھ دوسرے اسباب پیدا کیے ہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ جب آدمی مرتا ہے تو اُس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے:

(۱) اُس کا کوئی نیک بیٹا ہو جو اُس کے لیے طلبِ مغفرت کرتا رہے۔ (۲) صدقہ جاریہ۔ (۳) وہ اپنے علمی آثار چھوڑ جائے جن سے لوگ استفادہ کرتے ہوں۔

یہ طریقہ فرد ومعاشرے دونوں کے حق میں ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی کوئی اچھی یادگار چھوڑنے کی فکر کرتا ہے۔ تا کہ اُس کا ذکر خیر باقی رہے۔ مثلاً وہ اپنے بچے کی اچھی تربیت کرتا ہے، یا رفاہ عامہ کے کام اور صدقاتِ جاریہ کا سلسلہ شروع کر جاتا ہے، یا مدرسہ، کتاب، لائبریری، یا شاگردوں جیسے علمی آثار چھوڑ جاتا ہے۔ تا کہ اُس کا ذکر خیر باقی رہے اور شہداء کی طرح لوگوں کے دلوں میں اُس کی یاد تازہ رہے۔ یہ لوگ زندہ ہوتے ہیں اور اپنے رب کے یہاں سے رزق پاتے ہیں جیسا کہ لوگوں کے دلوں میں بھی اُن یاد تازہ رہتی ہے۔ انہیں یہ سب اُن قربانیوں کے صلے میں ملتا ہے جو انہوں نے معاشرے کی بقاء، سعادت اور سلامتی کے لیے پیش کی ہوتی ہیں۔ انسان ہمیشہ باقی رہنے اور دائمی حیات کو چاہتا ہے۔ خدا نے یہ عنایت اپنے نبی حضرت نوح علیہ السلام پہ کی اور اُن کی ذریت کو باقی رہنے والا قرار دیا۔

اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خدا کے ارادے وحفاظت سے دائمی البقاء ہیں، آپؐ اپنے دین، مبدا، اخلاق اور آئمہ اطہار جیسی ذریت کے سبب ہمیشہ باقی رہیں گے۔ آپ کی بقاء اپنے بیٹے ونواسے امام حسینؑ کے ذریعے بھی ہے۔ آپؑ ہی بدولت اسلام کو بقاء ملی اور تا قیام قیامت اِس کا پرچم اطرافِ عالم میں لہراتا رہے گا۔ یہ دین اپنے آغاز میں محمدیؐ اور اپنی بقاء کے اعتبار سے حسینیؑ ہے۔

آیت اللہ العظمیٰ الشیخ محمد حسین کاشف الغطاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لولا شهادة ابي عبد الله صلوات الله عليه لكانت الشريعة اموية و لعادت الملة الحنيفية يزيدية. فحقا اقول: إن الاسلام علوي و التشيع حسيني.

"اگر امام حسین علیہ السلام کی شہادت نہ ہوتی شریعت آلِ امیہ کے طور طریقے کا نام ہوتا ہے اور دین حنیف یزیدی افکار و عادات کا مظہر ہوتا۔ میں یہ بات کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ اسلام مولا علیؑ کا مرہونِ منت ہے اور شیعیت امام حسین علیہ السلام کی مقروض ہے"۔ ①

عاشورہ، امام حسینؑ کا واقعہ اور شعائرِ حسینیہؑ ایک عجیب تاثیر یہ بھی کہ جو شخص ان کے قیام، دفاع اور احیاء میں جد و جہد کرے تو وہ تاریخ میں یادگار بن جاتا ہے، اُس کی تصویر دلوں اور امام بارگاہوں کی دیواروں پر نقش ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ اُسے اچھے لفظوں میں یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سب سید الشہداءؑ کی برکت کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ ہم نے حسینیؑ قافلوں کی خدمت میں معروف رہنے والوں، حسینیؑ تنظیموں کے ساتھ مل کر یا الگ سے اِس سلسلے میں خدمات انجام دینے والوں کی بقاء کا خود مشاہدہ کیا ہے۔ یہ جملہ سفینۂ حسینیہؑ کے فیوضات کا ایک کرشمہ ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ شعائرِ حسینیہؑ کے تمام قدیم وجدید آثار سفینۂ حسینیؑ کی تختیوں میں شمار ہوتی ہیں۔ جو بھی اِن شعائر کو قائم کرتا ہے وہ گویا سفینۂ نجات کی تختیوں کو از سرِ نو جوڑتا ہے۔

www.shiabookspdf.com

اے میرے مولاؑ، اے ابو عبد اللہؑ، اے عرشِ خدا کی زینت، اے بہارِ قلوبِ انبیاءؑ، اے رسولِ خدا کے لاڈلے، اے ہر مومن و مومنہ کے رونے کی علت! آپؑ پر سلام ہو۔ آپؑ امیر الاوصیاءؑ کے فرزند، عزیزِ زہراءؑ اور آئمہ اطہار کا دل ہیں۔ آپؑ وجود، تاریخ اور قلوب میں ہمیشہ باقی رہیں گے۔ اور جو بھی آپؑ کی پناہ میں آ گیا، جس نے آپؑ کا نام لیا اور آپؑ کے عاشورہ سے متعلق فرائض انجام دیے وہ بھی آپؑ کے ساتھ ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا۔

۳۵۔ بسم اللہ سے آغازِ سفر

ارشادِ باری ہے:

① (الآیات البینات: ۲۰)

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِيهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (۴۱)

"نوح نے کہا کہ اب تم سب کشتی میں سوار ہو جاؤ خدا کے نام کے سہارے اس کا بہاؤ بھی ہے اور ٹھہراؤ بھی اور بیشک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے"۔ ①

خدائے بزرگ و برتر نے اپنی کتاب میں ہمیں بہت ہی اعلیٰ آداب تعلیم کیے ہیں۔ اُس نے انبیاءؑ کے واقعات کے ضمن میں ہمیں بتایا کہ ہم کس طرح اچھے اخلاق اور آدابِ حسنہ کے ساتھ زندگی گزاریں۔ خدا کے بتائے ہوئے آداب و تعلیمات میں سے ایک یہ ہے ہر کام کا آغاز اور اختتام خدا کے نام اور اُس کے حمد کے ساتھ ہو۔ اِس لیے یہ بہت ہی مناسب ہے کہ انسان ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھے۔ جس کام کے آغاز میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے وہ بے نتیجہ اور برکت سے خالی ہوتا ہے۔

جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے کہا: اِس میں سوار ہو جاؤ، خدا کے نام کے ساتھ ہی اِس کا جاری ہونا اور ٹھہرنا ہے۔ ہر حال میں انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کام کا آغاز بسم اللہ کے ساتھ کرے۔ چاہے وہ حرکت ہو یا سکون، بلندی کی طرف جانے لگا ہو یا نیچے کی طرف آنے لگا ہو، پریشانی میں ہو یا راحت میں، رات میں ہو یا دن میں، حضر میں ہو یا سفر میں، انفرادی ہو یا اجتماعی اور پوشیدہ ہو یا اعلانیہ۔

جس پر خدا کا نام لیا جائے وہ حلال بھی ہوتا ہے اور پائیدار بھی۔ وہ اُس مردار کی طرح نہیں ہوتا جس میں روح موجود نہ ہو۔ بلکہ وہ عملی روحانیت اور دائمی حیات کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔

جس پر خدا کا نام لیا جائے وہ اُس کے اَسماء و صفات کی بقاء کے ساتھ باقی و جاویداں ہو جاتا ہے۔

جس پر خدا کا نام لیا جائے اُس میں دائمی خیر و برکت ہوتی ہے۔

① (سورۃ ہود)

جس پر خدا کا نام لیا جائے وہ شک و جہالت سے پاک ہوتا اور آسانی کے ساتھ خدا کی طرف بلند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پاکیزہ و خالص کلمات ہی خدا کی طرف بلند ہوتے ہیں۔

جس پر خدا کا نام لیا جائے اُس پر خدا، رسولؐ اور آئمہ طاہرینؑ کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اور جو ایسا ہو وہ حلال، طیب اور مبارک ہوتا ہے۔ اِسی لیے پاک سے پاک نکلتا ہے اور خبیث سے خبیث۔

اِس لیے ہم پر لازم ہے کہ امام حسینؑ کے سفینہ پر سوار ہوں۔ کیونکہ اُس کی حرکت و سکون خدا کے نام کے ساتھ ہے اور وہ بڑا مغفرت کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

۳۶۔حکمِ خدا کی خلاف ورزی و تکذیب کرنے والا بصیرت سے محروم ہے

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۵۹ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۶۰ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۶۱ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۶۲ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۶۳ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۶۴

"یقیناً ہم نے حضرت نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے قوم والو اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے علاوہ تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے بارے میں عذابِ عظیم سے ڈرتا ہوں۔ تو قوم کے رؤسا نے جواب دیا کہ ہم تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! مجھ میں گمراہی نہیں ہے بلکہ میں ربُّ العالمین کی

www.shiabookspdf.com

طرف سے بھیجا ہوا نمائندہ ہوں۔ میں تم تک اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ سب جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد پر ذکر نازل ہو جائے کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم متقی بن جاؤ اور شاید اس طرح قابل رحم بھی ہو جاؤ۔ مگر اُن لوگوں نے حضرتؑ کو جھٹلا دیا۔ تو ہم نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں نجات دے دی اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں غرق کر دیا۔ بلاشبہ وہ (عقل کے) اندھے تھے"۔ ①

بلاشبہ جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بہت ہی سبق آموز نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں۔ بالخصوص انبیاء و رسولوںؑ کے واقعات اور گزشتہ امتوں کے احوال میں۔ اِس میں کمالِ فصاحت و بلاغت کے ساتھ پہلے لوگوں کے قصے ذکر ہوئے ہیں۔ یہ قصص و واقعات زندگی میں ایک نیا رنگ بھرتے ہیں۔ اور جو شخص نورانیت کی زندگی و موت چاہتا ہے اُس کی راہنمائی کرتے ہیں۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے اِس واقعہ کو ہی لے لیں۔ اِسی میں بہت سے دروس و حکمتیں پنہاں ہیں۔ اِس میں کتنے ہی ایسے معالمِ نورانی ہیں جن سے ہدایت و معرفت کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ اِس میں خدا نے اپنے رسولؐ اور اُس کو جھٹلانے والوں کا ذکر کیا ہے۔ اُس نے حضرت نوح علیہ السلام اُن کے قوم کے پاس بھیجا تا کہ وہ انہیں حق اور زندگی گزارنے پاکیزہ اصولوں کی طرف دعوت دیں۔ وہ انہیں خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دیتے تھے جس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اُس کے علاوہ کوئی دوسرا عبادت کے لائق ہے۔

ایک خیر خواہ قائد کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنی امت کے لیے فکرمند ہوتا ہے، اُن کی ہدایت کا خواہش مند ہوتا ہے اور اُن کے بارے میں اُسے سخت عذاب میں مبتلا ہونے کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ مگر اربابِ جاہ و ثروت، دنیا کے فریب خوردہ اور شیطان کے جال کے قیدی

① (سورۂ اعراف)

ایسے نیک و خیر خواہ ہادیوں سے برسرِ پیکار ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ بالکل سیدھی راہ پر اور حق کے مطابق چل رہے ہیں، اور خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل اور اُن کے طریقہ پر چلنے والے علماء صالحین گمراہ ہیں۔ (العیاذ باللہ)

پیغمبرانِ خداؑ اُن پر اتمامِ حجت کے لیے کہتے ہیں کہ ہم گمراہ نہیں، بلکہ خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ لیکن اکثریت میں لوگ ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا واقعہ اِس پر شاہد ہے۔ اب خدا پر از روئے لطف یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے عبد اور اُس کے ساتھیوں کو نجات عطا کرے۔ لہٰذا اُس نے حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے ہمراہ کشتی میں سوار ہونے والے تھوڑے بہت لوگوں کو اپنے عذاب سے نجات دی اور بقایا سب کو غرقِ آب کر دیا۔ وہ آنکھوں کے باوجود بھی اندھے تھے۔ کیونکہ حق کی طرف نہ دیکھتے تھے۔ اور جو شخص اِس دنیا میں حق سے نظریں چرالیں وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اور اپنی راہ سے منحرف رہے گا۔

یہی معنی تمام امتوں کے لیے ہے۔ یہ سنتِ الٰہیہ ہے جو بدلتی نہیں۔ لہٰذا اِس امت میں بھی جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام، ولایت، وصایت اور خلافت کا انکار کرے، کتاب و عترت کو پس پشت ڈالے اور اُن کے سفینہ پہ سوار نہ ہو وہ دل کا اندھا ہے۔ اِن لوگوں کو بھی خدا جلائے عذاب کرے گا۔ اِن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

۳۷۔ متعدد گروہ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ ۖ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝

"ان سے پہلے بھی نوحؑ کی قوم اور اس کے بعد والے گروہوں نے رسولوں کی تکذیب کی ہے اور ہر امت نے اپنے رسولؐ کے بارے میں یہ ارادہ کیا

ہے کہ اسے گرفتار کرلیں اور باطل کا سہارا لے کر جھگڑا کیا ہے کہ حق کو اُکھاڑ کر پھینک دیں تو ہم نے بھی انہیں اپنی گرفت میں لے لیا تو تم نے دیکھا کہ ہمارا عذاب کیسا تھا؟!"[1]

اللہ کی جماعت ایک ہے۔ خدا خود واحد ہے، نہ اُس کا کوئی ثانی ہے اور نہ ہی وہ اجزاء سے مرکب ہے۔ لہٰذا جو بھی اُس پر اور اُس کے امر و نہی پر ایمان رکھتا ہے وہ اُس کی جماعت میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ سب بیکار اور مصنوعی چیزیں ہیں۔ اِن پر مغربیت کے فتنوں اور وہاں کی متعفن ثقافت کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ جس کے باہر مکر و فریب اور اندر عذاب و وحشت ہے۔ یہ جماعتیں اور یونینز بننا کوئی آج کی بات نہیں، بلکہ یہ سلسلہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔

یہ امتِ مسلمہ کو پارہ پارہ کر کے مختلف طبقات میں تقسیم کرنے اور استعمار کو مسلط کرنے کا حربہ ہے۔ عالمی استعمار روزانہ کی بنیاد پر نئے ناموں اور نئی چالوں کے ذریعے لوگوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں تاکہ اُن کے وسائل پر خود قابض ہو سکیں۔ موجودہ دور میں یونینز و لیگز وہ سواریاں ہیں، جن کی باگ ڈور شیاطین کے ہاتھوں میں ہے۔ اِن کی تاریخ بہت پرانی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام دور سے جا ملتی ہے۔

یہ سارا کھیل اکثریت کا شروع کیا ہوا ہے۔ جیسے جیسے جماعتوں، لیگز اور یونینز میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے بالکل اسی طرح یہ کھیل لمبا ہوتا جا رہا ہے۔ جبکہ اقلیت ایک ہاتھ اور ایک جماعت ہے۔ یہی جماعت غالب آئے گی، اگرچہ اِس پر ظلم و جبر کا سلسلہ کافی طویل ہو جائے۔ کیونکہ یہ زمین خدا کی ملکیت ہے اور وہ اِس کا وارث اپنے نیک و صالح بندوں کو بنائے گا۔

حزب اللہ، حسینیؑ جماعت کا دوسرا نام ہے کہ جو امامؑ کے سفینہ پہ سوار ہوئی اور آپؑ کے انقلاب اور اُس کے اسلامی معالم کو اپنے دل و دماغ، عقیدہ و ایمان اور سلوک و عمل میں مکمل طور پر جذب کیا۔

---

[1] (سورۃ غافر)

www.shiabookspdf.com

۳۸-نجات کی کشتی کا سوار انبیاءؑ کے ہمراہ ہوگا

ارشادِ رب العزت ہے:

وَنَادٰى نُوۡحُ ۨابۡنَهٗ وَكَانَ فِىۡ مَعۡزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارۡكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِيۡنَ﴿۴۲﴾

"اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے فرزند کو آواز دی جو الگ جگہ پہ تھا: اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کا ساتھی نہ بن"۔ ①

کلمہ [لا الہ الا اللہ] خدا کا قلعہ ہے جو اِس توحید کے قلعے میں آیا وہ خدا کے عذاب سے بچ گیا۔ یہی حال نبوت و امامت کا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں توحید کا تسلسل، اُس کا خلاصہ اور اُس کے مظاہر ہیں۔ لہٰذا نبی ﷺ اور وصیؑ کی ولایت اللہ کی ولایت ہے۔ ولایتِ امیر المومنینؑ خدا کا قلعہ ہے جو اِس میں داخل ہوا وہ خدا کی امان میں آگیا۔ یہی معنی سفینہ والی مثال میں بھی جاری ہوتا ہے۔ توحید کا سفینہ وہی نبی ﷺ کا سفینہ ہے اور وصیؑ کا سفینہ بھی وہی نبی ﷺ کا سفینہ ہے۔

جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ اُن کے سفینہ میں سوار ہوا وہ تمام زمان و مکان میں اُن کے ساتھ تھا۔ اِسی طرح وہ مبدا، عقیدہ، سلوک اور عمل بھی اُن کے ساتھ ہوگا۔ معیت کے لوازم میں یہ امور اور حقائق بھی ہیں۔ یہ نبی علیہ السلام کی اپنے اہل خانہ پہ شفقت تھی۔ وہ انہیں اور اپنے ساتھیوں کو تنبیہ کرتے اور کشتی میں سوار ہونے کا کہتے۔ اِسی شفقت پدری کے تحت انہوں نے اپنے بیٹے کو پکار کر کشتی میں سوار ہونے کے لیے بلایا تا کہ وہ بھی نجات پا لے، مگر اُس اپنی بدقسمتی کہ وہ باپ کی بات نہ مان کر اکثریت کے پیچھے ہولیا۔ جو خود بھی گمراہ تھی اور دوسروں کو بھی بدراہ کر رہی تھی۔

ایک خبر میں وارد ہوا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

① (سورۃ ہود)

أَنَا وَعَلِيٌّ ؑ أَبَوَا هٰذِهِ الْأُمَّةِ

(میں اور علی علیہ السلام اِس امت کے دو باپ ہیں)۔

لہٰذا امت پر واجب ہے کہ وہ مولا علیؑ کے باپ ہونے کے حقوق ادا کرے اور اُن کی اطاعت نہ کر کے یا انہیں ایذاء پہنچا کر نافرمان اولاد ثابت نہ ہو۔

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّي مَنْ آذَاهَا فَقَدْ آذَانِي

(فاطمہؑ میرا جزو بدن ہے جس نے اِسے اذیت دی اُس نے مجھے ایذاء پہنچائی)۔

یہ حدیث شیعہ و سنی دونوں کے یہاں متفق علیہ ہے۔ تو جنہوں نے جناب سیدہؑ کے گھر کو جلا کر، آپؑ کے چہرے پر طمانچے کی گستاخی کر کے، آپؑ کے بازو پہ ضرب لگا کر، آپؑ کے پہلو کو زخمی کر کے، آپؑ کے محسنؑ کو شہید کر کے، آپؑ کے فدک اور امیر المومنینؑ کی خلافت کو غصب کر کے آپؑ کو ایذاء پہنچائی، وہ، اُن کے چاہنے والوں اور اُن کے فعل پہ راضی افراد نے رسول خدا ﷺ کو کیونکر اذیت نہ دی اور کس طرح اُن کے عاق و نافرمان ثابت نہ ہوئے؟!! یہ لوگ سفینہ نجات کے سوار کیسے ہو سکتے ہیں اور کس طرح نبی ﷺ انہیں اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں؟! لامحالہ یہ غرق ہوں گے اور ہلاکت میں پڑیں گے۔

نجانے لوگ سوچتے کیوں نہیں؟! حق کو چھوڑ کر گمراہی ہی پلے پڑتی ہے!!

اَللّٰهُمَّ الْعَنْ اَوَّلَ ظَالِمٍ ظَلَمَ حَقَّ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَّ آخِرَ تَابِعٍ لَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ ... اَللّٰهُمَّ خُصَّ اَنْتَ اَوَّلَ ظَالِمٍ بِاللَّعْنِ مِنِّي وَابْدَأْ بِهٖ ثُمَّ الثَّانِيَ وَالثَّالِثَ وَالرَّابِعَ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ يَزِيْدَ خَامِسًا

www.shiabookspdf.com

بارہویں فصل

مولا حسینؑ کی زیارت، گویا عرش پہ خدا کی زیارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیتؑ کی زیارت کی اہمیت کے بارے میں کثیر تعداد میں نصوص وارد ہوئی ہیں۔ زیارت سے مراد زائر کا صاحبِ زیارت کی خدمت میں حاضر ہونا ہے تا کہ اِس طرح وہ صاحبِ زیارت سے اپنی محبت و ولاء کا اظہار کرے، اُس سے فیض و برکت کا کسب کرے، اپنی اطاعت و اتباع کے تسلسل کو برقرار رکھے، اُس کی سیرت و اخلاق میں خود کو ڈھالے اور اجر و ثواب کے حصول کا مستحق قرار پائے۔ اِس کے ضمن میں اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو فلسفۂ زیارت اور اُس کے ثواب و فضائل کے باب میں ذکر کی جائیں گی۔

www.shiabookspdf.com

ہمارے آقا و مولا کریم کربلا کی زیارت کے متعلق بے شمار روایات نقل ہوئی ہیں جو آپؑ کی زیارت کی فضیلت، برکات اور دنیا آخرت میں اِس کے آثار کو بیان کرتی ہیں۔ یہ زیارت ایک اعتبار باقی تمام زیارتوں سے ممتاز ہے کہ جو انبیاءؑ اور دوسرے اوصیاءؑ کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔ اور وہ یہ کہ جس نے آپؑ کی زیارت کی اُس نے گویا عرش پہ خدا کی زیارت کی۔ یہ بہت ہی عظیم امر اور دشوار و کٹھن مرحلہ ہے جس کا تحمل کوئی مقرب فرشتہ، خدا کا بھیجا ہوا نبی یا وہ مومن ہی کر سکتا ہے کہ جس کے دل کو خدا نے ایمان کے لیے آزما لیا ہو۔ عرش پہ خدا کی زیارت سے مراد اُس کے اَسماء و صفات کی تجلی ہے۔ یہ ثواب اُس شخص کے لیے ہے جو امامؑ کے حق اور بلند مقام کی معرفت رکھتے ہوئے آپؑ کی زیارت کرے۔ امام عالی مقام کا زائر آپؑ کے وجود، حیاتِ مبارکہ اور سیرتِ طاہرہؑ میں خدا کے اَسماء و صفات کی جلوہ نمائی دیکھتا ہے۔ اِسی معنی کے اعتبار سے جو امامؑ کی زیارت کرے اُس نے جیسے خدا کی زیارت کی۔ کیونکہ آپؑ کی ذات پاک اپنے وجودِ مقدس میں خدا کی سب سے بڑی آیت ہیں جو خدائے واجب الوجود جل جلالہ کی

طرف ہماری راہنمائی کرتی ہے۔ آپؑ میں تمام صفاتِ جمال و کمال و جلال جمع ہیں۔

یہ معنی آئمہ طاہرینؑ کی احادیث میں بھی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوںؑ نے اُن سے سوال کیا: یا روح اللہ! ہم کس کے ساتھ میل جول رکھیں؟ تو انہوں نے فرمایا: جس کو دیکھ کر تمہیں خدا کی یاد آئے، جس کے بولنے سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جس کا عمل تمہیں آخرت کی طرف راغب کرے۔

امام حسین علیہ السلام اِس حدیث کا مل ترین مصداق ہیں کہ جن کی زیارت خدا کی یاد دلاتی ہے۔ حتی اگر دیکھنے والا غافل و غیر متوجہ بھی ہو کہ وہ امام حسینؑ کے پاس جا کر خدا کی زیارت کرتا ہے اور وہاں جا کر خدا کے حضور میں پہنچ جاتا ہے۔ بنابریں امام عالی مقامؑ کے پاس اُن کے حرم میں جانا گویا خدا کے پاس اُس کے عرش و علم میں حاضر ہونا ہے۔ سو جس نے امامؑ کے حرم میں یا حرم سے باہر آپؑ کے حق و مقام کی معرفت رکھتے ہوئے زیارت کی اُس نے گویا خدا کے عرش میں اُس کے قدس و کرامت کے ساتھ عزت پا کر اُس کی زیارت کی۔

۱- امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ فرماتے ہیں کہ میں اور حارث ہمدانیؒ امیر المومنینؑ کی خدمت میں موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ آخری زمانے ایک قوم آئے گی جو میرے بیٹے حسینؑ کی قبر کی زیارت کو آئے گی۔ تو تم سن لو! جس نے حسینؑ کی زیارت کی اُس نے گویا میری زیارت کی۔ اور جس نے میری زیارت کی اُس نے خدا کی زیارت کی۔ سب سن لو! جس نے حسینؑ کی زیارت کی اُس نے گویا عرش پہ خدا کی زیارت کی۔

۲- بشیر الدھان سے روایت ہے انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: جس شخص نے امام حسینؑ کے حق کی معرفت رکھتے ہوئے اُن کی قبر مبارک کی زیارت کی۔ وہ ایسا ہے گویا اُس نے عرش پہ خدا کی زیارت کی۔

۳- امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جس نے عاشورہ کے روز امام حسینؑ کے حق کی معرفت رکھتے ہوئے آپؑ کی قبر کی زیارت کی وہ ایسے ہے کہ گویا اُس نے عرش پہ خدا کی زیارت کی ہو۔

۴- زید شحامؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے صادق آلِ محمدؑ سے سوال کیا: جو شخص امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کرے اُس کا کیا اجر و ثواب ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا: وہ اُس شخص کی مانند ہے جس نے عرش پہ خدا کی زیارت کی ہو۔

۵- امام رضا علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ جس نے نہرِ فرات کے کنارے امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کی وہ اُس شخص کی طرح ہے جس نے عرش پہ خدا کی زیارت کی ہو۔

۶- آپؑ ہی سے روایت ہے کہ جس نے بغداد میں میرے بابا (امام موسیٰ کاظمؑ) کی قبر کی زیارت کی وہ اس شخص جیسا ہے جس نے رسول خدا ﷺ اور مولا امیر المومنینؑ کی زیارت کی ہو۔ اس کے بعد فرمایا: جس نے فرات کے ساحل پر قبرِ حسینؑ کی زیارت کی وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے عرش پہ خدا کی زیارت کی ہو۔

ظاہر ہے کہ عرش پہ زیارت سے مراد قربِ الٰہی کی انتہاء کی طرف کنایہ ہے۔

کہا گیا ہے کہ اہلِ معرفت کے یہاں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان کی خدا کی طرف سیر و سلوک کی کچھ منازل ہیں جو خدا کی اطاعت سے شروع ہوتی ہیں اور قربِ خاص پہ جا کر ختم ہوتی ہیں کہ جسے فنا فی اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ عبد کے لیے کمالِ عبودیت اور انتہائے قرب کا آخری مقام ہے۔ اس مرتبے پر وہ جوہر عبودیت کو پالیتا ہے کہ جس کی کنہ ربوبیت ہے۔

یہ مقام اِس سے عبارت ہے کہ انسان کا علم، علمِ الٰہی میں مستہلک، اُس کی قدرت، قدرتِ الٰہیہ میں مضمحل اور اُس کا ارادہ، ارادۂ باری کے آگے ناپید ہو جائے۔ اُس کی کوئی ذاتی رائے یا فیصلہ نہ ہو، بلکہ وہ خود کو خدا کی حکمت و مصلحت کے ماتحت قرار دے۔ وہ اپنے لیے خدا کی قوت و طاقت کے بغیر کوئی قوت تصور نہ کرے اور ارادۂ الٰہیہ کے خلاف کوئی ارادہ نہ کرے۔

جب بندہ اس قدر تسلسل کے ساتھ اِس عرفانی کیفیت پہ قائم رہے کہ یہ اُس کے وجود کے اندر ایک راسخ ملکہ کی صورت اختیار کر لے۔ اور وہ اِس ملکہ کی مجسم صورت اختیار کر کے اپنے رب میں فنا ہو جائے۔ خدا کے حکم کے علاوہ اُس کا کوئی ذاتی فیصلہ و حکم نہ ہو۔ اِس صورت میں وہ اپنے رب کے اسماء و صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ اُس کی عزت کرنا خدا کی عزت کرنا، اُس کی زیارت خدا کی زیارت اور اُس کی توہین خدا کی توہین ہوتی ہے۔

www.shiabookspdf.com

جیسے ایک خبر میں مولا امیر کائنات علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

من وقر عالما وقر ربه

”جس نے عالم کی عزت کی اُس نے اپنے رب کی عزت کی“۔ ①

حقیقی عالم، علمِ الٰہی کا مظہر ہوتا ہے اور اُس کی عزت کرنا خدا کی عزت و تکریم کرنا کہلاتا ہے۔ جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ خداوند متعال نے اپنے کسی نبیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا: میں بیمار تھا اور تم میری ملاقات کو نہ آئے؟ جب اُس نبیؑ نے اِس کی وضاحت پوچھی تو ارشادِ خدا ہوا: میرے پاس فلاں شخص بیمار تھا۔ اور تم اُس کی عیادت و ملاقات کے لیے نہ گئے۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی سے ملنے اُس کے گھر جائے تو خدائے عز و جل اُس سے کہتا ہے: تو میرا مہمان اور مجھ سے ملنے کے لیے آیا ہے۔ تیری عزت بنانا میرا کام ہے۔ تم اپنے اِس بھائی سے محبت کرتے ہو اِس لیے میں نے اپنی جنت تمہارے لیے واجب کر دی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص بغیر کسی ذاتی مطلب کے اپنے مومن بھائی سے ملاقات کے لیے اُس کے گھر جائے تو وہ خدا کے زائروں میں سے لکھا جاتا ہے۔ اور یہ خدا کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے زائر کی عزت و تکریم کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: جو شخص اپنے کسی بھائی سے ملنے جائے جس سے دوستی محض رضائے خدا کی خاطر ہو تو خدائے عز و جل اُسے مخاطب کر کے فرماتا ہے: تو میری ملاقات کو آیا ہے اور تیرا ثواب بھی میرے ذمہ ہے۔ میں تیرے لیے جنت سے کم ثواب پہ راضی نہیں۔

آپؑ سے مروی ہے کہ اگر کسی کے پاس اُس کا مومن بھائی ملاقات کو آئے اور وہ اُس کی عزت خاطر کرے تو اُس نے گویا خدا کی عزت کی۔

قرآن کریم میں ہے کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے رسول خدا ﷺ کے ہاتھ پہ بیعت کی انہوں نے اللہ کے ہاتھ پہ بیعت کی۔ جس طرح کہ جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے تیر مارنے کو بھی خدا نے اپنی طرف منسوب کیا۔

---

① (غرر الحکم: ۲۸۵)

تو امام حسین علیہ السلام سید الشہداء ہیں۔ آپؑ نے عاشورہ والے دن خدا کی راہ میں اپنے عزیز و اقرباء کی قربانی پیش کی۔ اپنی اور اپنے اہل بیت و اصحاب کی جانیں خدا کے دین پہ صرف کیں۔ اِس قربانی اور اِس کے علاوہ اسباب جیسے عصمت و ولایت سے قابَ قوسین او ادنیٰ کی منزل پہ پہنچ گئے۔ حتیٰ کہ مظہرِ خدا قرار پائے، اور اُس کے اسماء و صفات میں فنا ہو گئے۔ اِسی وجہ سے جو اُن کی زیارت کرتا ہے وہ گویا عرش پہ خدا سے ملاقات کرتا ہے۔

امام عالی مقامؑ کی زیارت میں بڑی عظمت اور بہت زیادہ ترغیب وارد ہوئی ہے، حتیٰ کہ آپؑ کے زائر کو خدا کا زائر کہا گیا ہے۔ لہٰذا زائر کو چاہیے کہ وہ اِس عظیم المرتبہ عبادت کے امتیازی پہلوؤں کی طرف متوجہ رہے۔ اور امامؑ کے حرم میں جا کر اُن کی زیارت کو خدا سے ملاقات جیسا سمجھے۔ یہ بہت وزنی و گراں قدر معمہ ہے جو عام لوگوں کی عقل میں نہیں سما سکتا۔ اِس امر کی اہمیت کا اندازہ اِس بات سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ سید مہدی بحر العلومؒ نجف اشرف میں عارفِ کبیر شیخ حسین المعروف کی خدمت میں گئے اور اُن سے اپنی مشکلات کا ذکر کیا۔ اُن کے مسائل میں سے ایک مسئلہ امام مظلومؑ کے زائر اور آپؑ پہ گریہ کرنے والے کے اجر و ثواب سے متعلق تھا کہ روایات میں اِن اعمال کا بہت زیادہ ثواب بیان ہوا ہے۔ عقل دنگ ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے اعمال اتنے بڑے ثواب کے حامل کیسے ہو سکتے ہیں؟!

تو عارف کبیرؒ نے جواب دیا: امام حسین علیہ السلام خدا کی مخلوق اور اُس کے عبد تھے۔ انہوں نے عبد ہونے کے ناطے اپنا سارا مال و دولت، عزت و ناموس، جاہ و جلال، بھائی و بیٹے اور اپنی روح حتیٰ کہ بعدِ شہادت اپنے زخمی بدن کو بھی خدا کی محبت اور اُس کی رضا کے حصول کے لیے پیش کر دیا۔

اِس کے بدلے میں اگر خداوند کریم بھی اپنا سب کچھ امام حسینؑ کو دے دے تو تم اِسے زیادہ کیوں سمجھتے ہو؟!

یہ جواب سن کر سید مہدیؒ مطمئن ہو گئے اور اس کی تعریف فرمائی۔ [1]

[1] (المراقبات: ۱۴۸)

خاتمہ

زیارتِ عاشورہ کی اسناد و مطالب

زیارتِ عاشورہ اُن زیارات سے ایک جن کی آئمہ طاہرینؑ نے تاکید کی اور بالخصوص امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے بہت سے مقامات پہ اِسے تلاوت کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔ یہ اپنی سند و مضمون کے اعتبار ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ یہ ایک الٰہی ترانہ ہے جو ایک صاحبِ مرتبہ فرشتے جناب جبرائیلؑ کی زبان پہ گونجا ہے۔ انہوں نے بامر خدا نبی ﷺ اور آسمانوں و زمین کی تمام مخلوقات کو اِس کی بشارت سنائی تھی۔

یہ زیارت دو اسناد سے مروی ہے۔

www.shiabookspdf.com

پہلی سند

کامل الزیارات کے صفحہ ۳۳۳ پر محدث جلیل ابن قولویہ قمی نے صحیح سند کے ساتھ علقمہ بن محمد حضرمی اور محمد بن اسماعیل کے واسطہ سے صالح بن عقبہ سے روایت کی۔ انہوں نے مالک جہنی سے اور انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: جو دسویں محرم امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو جائے اور وہاں گریہ کرے تو وہ قیامت کے روز خدا سے اِس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اُسے دو لاکھ حج، دو لاکھ عمرہ اور دو لاکھ غزوات میں شریک ہونے کا ثواب عطا کرے گا۔ اور اُن میں سے ہر حج، عمرہ اور جہاد کا ثواب اُس شخص کے ثواب کی مانند ہو گا جس نے رسول اللہ ﷺ اور آئمہ طاہرینؑ کے ساتھ یہ اعمال انجام دیے ہوں۔

مالک کہتا ہے: میں نے عرض کی: قربان جاؤں! جو شخص دور کے علاقوں میں موجود ہو اور وہ اُس دن میں حرم امام حسینؑ میں نہ پہنچ سکتا ہو، وہ کیا کرے؟

فرمایا: وہ اُس روز کسی صحرا و بیابان میں نکل جائے یا اپنے گھر کی سب سے اونچی چھت پہ چلا جائے۔ اور وہاں امامؑ کی ضریحِ مقدس کی طرف اشارہ کر کے سلام کہے، اُن کے

قاتلوں کے لیے بد دعا کرے اور اِس کے بعد دو رکعت نماز ادا کرے۔ اُسے چاہیے کہ وہ یہ عمل دن کے آغاز میں اور زوال سے پہلے انجام دے۔ پھر امام حسینؑ پہ بلند آواز میں گریہ کرے اور فریاد بلند کرے۔ اپنے اہل خانہ کو اُن پر رونے کا کہے۔ اپنے گھر میں اُن کا ماتم برپا کرے۔ اور مومنین ایک دوسرے کے گھروں میں جا کر روئیں اور امام مظلومؑ کی تعزیت پیش کریں۔ جب وہ ایسا کریں گے میں خدا کی طرف اُن کے لیے مذکورہ اجر وثواب کا ضامن ہوں۔

مالک کہتا ہے: میں نے کہا: میں آپؑ کے صدقے! اگر وہ اِس طرح اعمال انجام دیں تو واقعی آپؑ اِس اجر کے ضامن ہیں؟!

امامؑ نے فرمایا: جی ہاں، جو شخص اِن اعمال کو انجام دے گا اُس کے اجر کا میں ضامن ہوں۔

میں نے پوچھا: تو بتایئے، مومنین کس طرح ایک دوسرے کو تعزیت پیش کریں؟

مولاؑ نے فرمایا: وہ یہ کہہ کر تعزیت پیش کریں:

عَظَّمَ اللهُ أُجُوْرَنَا بِمُصَابِنَا بِالْحُسَيْنِ وَجَعَلَنَا وَ إِيَّاكُمْ مِنَ الطَّالِبِيْنَ بِثَارِهٖ مَعَ وَلِيِّهِ الْإِمَامِ الْمَهْدِيِّ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ

”خدا امام حسینؑ پر گریہ کی وجہ سے ہمارے اجر میں اضافہ کرے اور ہمیں اور تمہیں اُن کے ولی مہدیؑ آل محمدؐ کی رکاب میں اُن کا انتقام لینے والوں میں شامل کرے“ (آمین)

اگر تمہارے لیے ممکن ہو تو اِس دن روزی کی تلاش کے لیے گھر سے نہ نکلو۔ یہ نحوست والا دن ہے۔ اِس دن تمہارا کام نہیں ہوگا۔ اور اگر ہو بھی گیا تو اُس میں خیر و برکت نہ ہوگی۔ اُس دن اپنے گھر کے لیے کچھ ذخیرہ نہ کرو۔ اُس دن جو بھی اپنے گھر کے لیے کچھ اکٹھا کرے گا وہ اُس کے لیے اور اُس کے گھر والوں کے لیے برکت کا باعث نہ ہوگا۔ جو شخص اِن احتیاطی نکات کا لحاظ رکھتے ہوئے عاشورہ کو سوگ و تعزیت میں گزارے گا اُس کے لیے دس لاکھ حج، دس لاکھ عمرہ اور دس لاکھ غزوات میں شریک ہونے کا

www.shiabookspdf.com

ثواب لکھا جائے گا۔ اور وہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہ کر یہ اعمال انجام دینے کا ثواب ہوگا۔ اِس کے علاوہ ایسے شخص کے لیے دنیا کے خلق ہونے سے قیامت تک ہر نبی، رسول، صدیق اور شہید کی مصیبت کے برابر ثواب درج ہوگا جو چاہے طبعی طور پر دنیا سے رخصت ہوئے ہوں یا شہید کیے گئے ہوں۔

صالح بن عقبہ جہنی اور سیف بن عمیرہ کہتے ہیں: علقمہ بن محمد حضرمی کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے سرکارِ باقر العلوم علیہ السلام سے درخواست کی کہ مجھے اِس دن کے حوالے سے کوئی دعا تعلیم فرمائیں جب میں قریب سے امامؑ کی زیارت کروں تو اُسے تلاوت کروں۔ ایک دعا ایسی جسے میں دور کے علاقے اور اپنے مکان کی چھت سے امامؑ کی ضریح کی جانب اشارہ کر کے سلام کرتے وقت پڑھوں۔

تو امامؑ نے فرمایا:

اے علقمہؓ! جب تم امامؑ کی طرف اشارہ کر کے سلام کرنے کے بعد دو رکعت نماز ادا کر لو۔ اور پھر آپؑ کی طرف منہ کر اِس طرح (السلام علیك یا ابا عبد الله - [مکمل زیارتِ عاشورہ]) کہو تو گویا تم نے امامؑ کی زیارت کو آنے والے تمام فرشتوں کی دعاؤں کے برابر دعا کی۔ اِس کے اجر میں خدا تمہارے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھے گا، دس لاکھ گناہ مٹائے گا، اور دس لاکھ درجے بلند کرے گا۔ تم اُن لوگوں کی طرح ہوگے جو امام عالی مقامؑ کی رکاب میں شہید ہوئے۔ حتیٰ تم اُن کے درجات میں بھی شریک قرار پاؤ گے۔ تمہیں انہی شہداء میں محسوب کیا جائے گا جو امامؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔ اور تمہیں امام حسینؑ کی شہادت کے روز سے زیارت کو آنے والے تمام نبیوںؑ اور رسولوںؑ کی زیارت کا ثواب ملے گا۔

راوی کہتا ہے کہ امامؑ نے فرمایا: اے علقمہؓ! اگر تم ساری زندگی روزانہ اِس زیارت کو پڑھ سکو تو پڑھو۔ ان شاء اللہ تمہیں مذکورہ تمام ثواب ملے گا۔

دوسری سند

سیف بن عمیرہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں صفوان بن مہرانؒ اور چند ساتھیوں کے ہمراہ غری (نجف اشرف) گئے۔ اُس وقت امام صادق علیہ السلام وہاں سے مدینہ کی طرف نکل چکے تھے۔ چنانچہ ہم حیرہ سے شہر چلے گئے۔ جب ہم زیارت سے فارغ ہوئے تو صفوان نے امام حسینؑ کے روضے کی طرف دیکھا اور کہا: تم لوگ یہاں امیر المومنینؑ کے سرہانے کی طرف سے مولا حسینؑ کی زیات کیا کرو۔ کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی یہیں سے ہی امام مظلومؑ کی ضریح کی طرف اشارہ کر کے آپؑ کو سلام کہا تھا۔ اُس وقت میں اُن کے ساتھ تھا۔

سیف کہتا ہے: پھر صفوان نے وہ زیارت پڑھی جو علقمہ بن محمد نے روزِ عاشورہ کے حوالے سے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی تھی۔ پھر اُس نے امیر المومنینؑ کے سرہانے دو رکعت نوافل ادا کیے اور اِس کے بعد مولاؑ کو وداع کیا۔ پھر اُس نے اپنا منہ امام حسینؑ کی ضریح کی طرف کیا اور انہیں وداع کیا اور بعد ازاں یہ دعا پڑھی: یا اللہ یا اللہ یا مجیب دعوۃ المضطرین۔ جیسا کہ یہ تفصیل کے ساتھ مفاتیح الجنان میں زیارتِ عاشورہ کے بعد موجود ہے۔

www.shiabookspdf.com

سیف کہتا ہے: میں نے صفوان سے کہا کہ علقمہؒ نے تو امام باقر علیہ السلام یہ دعا نقل نہیں کی، بلکہ انہوں نے تو زیارت والی دعا نقل کی ہے۔ میری بات سن کر صفوانؒ نے کہا: میں اپنے مولا صادقِ آلِ محمدؑ کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ انہوں نے یہی اعمال انجام دیے تھے جو اب ہم نے بجالائے ہیں۔ انہوں نے بھی نوافل ادا کیے، جیسے ہم نے ادا کیے ہیں۔ اِس کے بعد وداع کرتے ہوئے انہوں نے یہ دعا پڑھی۔ پھر انہوں نے وداع کیا جیسے ہم نے کیا ہے۔

اِس کے بعد صفوانؒ نے کہا:

امام صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اِس زیارت کو اپنا معمول بناؤ جیسے ہمارے خاندان کے بزرگ ہر روز پابندی کے ساتھ اِس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اور اِس دعا کو بھی پڑھو اور زیارت کرو۔ جو بھی دُور یا نزدیک سے اِس زیارت اور دعا کو پڑھے میں اُسے خدا کی طرف ضمانت

دیتا ہوں کہ اُس کی زیارت قبول ہوگی، اُس کی محنت کا اجر دیا جائے گا، اُس کا سلام امامؑ تک پہنچے گا اور بیچ میں کوئی حجاب حائل نہ ہوگا، اُس کی حاجت مستجاب ہوگی، اُس کا مقصد پورا ہوگا اور اُسے ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

اے صفوانؒ! میں نے اِس زیارت کو اپنے بابا سے اِسی ضمانت کے ساتھ پایا ہے۔ میرے بابا نے اپنے بابا علی بن الحسینؑ سے اِسی ضمانت کے ساتھ اِسے پایا، انہوں نے اپنے باباؑ سے اِسی ضمانت کے ساتھ نقل کیا ہے، انہوں نے اپنے بھائی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور مولا امیر المومنینؑ کی ضمانت کے ساتھ اُن سے نقل کیا ہے، انہوں نے رسول خدا ﷺ سے اِس کے بارے میں یہ ضمانت بیان کی، رسول خدا ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ سے یہ ضمانت نقل کی، اور انہوں نے خدائے عزوجل سے یہ ضمانت نقل کی۔

خدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ جو بھی شخص دور یا نزدیک سے اِس زیارت و دعا کو پڑھ کر امام حسینؑ کی زیارت انجام دے گا تو میں اُس کی زیارت قبول کروں گا، اِسے اُس کی حاجت کے پورا کرنے میں شفیع قرار دوں گا۔ اور جو اُس کا مقصد ہوا پورا کروں گا، وہ جس چیز کے بارے میں سوال کرے گا اُسے عطا کروں گا اور وہ مجھ سے نامراد ہو کر واپس نہیں جائے گا، میں اُس کی حاجت پوری کر کے، اُسے جنت کے حصول میں کامیابی اور جہنم سے امان دے کر اُس کی آنکھیں ٹھنڈی کروں گا اور اُسے خوش و خرم واپس پلٹاؤں گا۔ میں سوائے ناصبی اور اہل بیتؑ سے دشمنی کرنے والے کے، ہر شخص کے متعلق اُس کی شفاعت قبول کروں گا۔ خدا نے اِن چیزوں کے بارے میں اپنی عزت کی قسم کھائی اور ہمیں اور اپنی ملکوت کے ملائکہ کو اِس پر گواہ بنایا۔

پھر جبرائیلؑ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! خدا نے مجھے آپؐ کی طرف

خوشخبری و بشارت کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور ایک طرح کا سرور و بشارت علی
بن ابی طالب، جنابِ سیدہؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور تا قیامت اُن کی نسل
سے آنے والے آئمہ طاہرینؑ سے متعلق ہے۔ تو اے محمدؐ! آپؐ، علیؑ،
فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ، باقی آئمہ طاہرینؑ اور آپ کے شیعوں کا سرور قیامت
تک برقرار ہوگا۔

اس کے بعد جناب صفوانؒ نے مجھ سے کہا:

امام صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے صفوانؒ! جب تمہیں کوئی حاجت
ہو اور تم جہاں کہیں بھی موجود ہو تو اِس زیارت اور دعا کو تلاوت کر کے خدا
سے سوال کرنا۔ خدا کی طرف تمہاری حاجت روائی کے اسباب پیدا ہو
جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے جو وعدہ کیا وہ اپنے کرم
سے اُس کے خلاف نہیں کرے گا۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ [1]

www.shiabookspdf.com

زیارت کے مفاہیم

اس عالی قدر زیارت میں کئی مفاہیم و مطالب ذکر ہوئے ہیں جن سے ہدایت کے انوار
پھوٹتے ہیں۔ اِس میں جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ امر ولایت ہے۔ یعنی اللہ،
رسولؐ اور آئمہ طاہرینؑ سے محبت و ولاء اور اُن کے دشمنوں سے اظہارِ بیزاری کرنا۔ ولایت کا مظہر
درود بھیجنا اور بیزاری کا اظہار لعنت کرنا ہے۔ اور عجیب نکتہ یہ ہے کہ لعنت، درود پر مقدم ہے۔

علمِ اخلاق کی رو سے تخلیہ، تحلیہ سے پہلے ہوتا ہے۔ اِس کے بعد جو اہم چیز ہے وہ لعنت
کے مصادیق کو بیان کرنا ہے اور واضح کرنا ہے کہ کون کون لعنت کے مستحق ہیں۔ تاکہ کسی بھی
حوالہ سے بات شبہ میں نہ رہے۔ اِس سلسلے میں کلام بہت زیادہ شرح و تفصیل کا محتاج ہے۔
زیارت کی شرح اور اِس کے مفردات کی وضاحت کے لیے ایک الگ جلد درکار ہے۔ اس لیے
میں زائر کی معرفت کے لیے اِس زیارت کے ایک جملے (السلام علیك یا ابا عبد الله)

[1] (بحار الانوار: ۹۸/۳۰۰؛ مصباح المتہجد ۵۴۲)

کی طرف اجمالی اشارہ اور اِس کے بعض معالم کو بیان کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

مخفی نہ رہے کہ یہ زیارت خدائے عز و جل کی طرف سے ہے۔ یعنی عالم انوار و عالم
اشباح میں سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرنے والی ذات حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔
وہ خدائے جل جلالہ ہی ہے جس نے ولادت سے قبل آپؑ کو ابو عبد اللہ کی کنیت عطا کی۔ اب اِس کا کیا
معنی ہے؟، اِس کے لیے ہمیں زیارت کے پہلے جملے کے تین کلمات کے بارے میں الگ سے
بحث کرنا ہوگی۔ اور وہ کلمات یہ ہیں: السلام، العبادۃ، الابوۃ۔

اِسلام میں، سلام کی اہمیت

خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک سلام ہے۔ جیسے سورۃ الحشر میں ارشاد باری ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ

"وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ حاکم مطلق ہے، پاک ہے اور سلامتی بخشنے والا ہے"۔ ①

اِسے خدا نے مسلمانوں کا سلام بنایا ہے۔ اسلام، سلامتی کا ہی نام ہے۔ ہر قوم کے لیے ملنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے یہاں ملتے وقت سلام کہا جاتا ہے۔ اِس کا مطلب خداوند سلام سے سلامتی کا سوال کرنا ہے۔ تو خدا خود سلام ہے اور اُس کی طرف سلام پلٹتا ہے۔ اِس لیے اُس نے پسند فرمایا کہ اہل جنت کا تحفہ بھی سلام ہو۔

سلام ایسا سنت عمل ہے کہ خدا نے اِس کا جواب دینا واجب قرار دیا ہے۔ حتیٰ اگر انسان خدا کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہو، جیسے دورانِ نماز، تو ایسی حالت میں اِس کا جواب دینا واجب ہوتا ہے۔ اِس معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی نظر میں اِس کی اہمیت کس قدر ہے۔ جو سلام کرنے میں ابتداء کرے اُسے ۶۹ نیکیاں ملتی ہیں اور جو اُس کا جواب دیتا ہے اُسے ایک نیکی ملتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ کسی نے سلام کرنے میں آپؐ پر سبقت نہیں کی۔ بہت سی قرآن کی آیات اور روایاتِ شریفہ میں سلام کی فضیلت ذکر ہوئی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ

"اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے

①(آیت:۲۳)

ہیں تو ان سے کہئے السلام علیکم۔ ①

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ

"اور وہ اصحابِ جنت کو آواز دیں گے کہ تم پر ہمارا سلام ہو"۔ ②

دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ

"وہاں ان کا قول یہ ہوگا کہ خدایا تو پاک اور بے نیاز ہے اور ان کا تحفہ سلام ہوگا"۔ ③

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۴

"کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا ہے اور اب آخرت کا گھر تمہاری بہترین منزل ہے"۔ ④

یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۲

"اور ان سے ملائکہ کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو اب تم اپنے نیک اعمال کی بنا پر جنت میں داخل ہو جاؤ"۔ ⑤

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝۴۷

"ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی نشانی لے کر آئے ہیں اور ہمارا سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے"۔ ⑥

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ۝۵۵

"تم پر ہمارا سلام کہ ہم جاہلوں کی صحبت پسند نہیں کرتے ہیں"۔ ⑦

①(سورۃ الانعام:۳۶)
②(سورۃ الاعراف:۳۶)
③(سورۃ یونس:۱۰)
④(سورۃ الرعد)
⑤(سورۃ النحل)
⑥(سورۃ طٰہٰ)
⑦(سورۃ القصص)

www.shiabookspdf.com

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ

"تو اس کے خزانہ دار کہیں گے کہ تم پر ہمارا سلام ہو تم پاک و پاکیزہ ہو لہٰذا ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ"۔ (1)

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

"اور جب جاہل ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کا پیغام دے دیتے ہیں"۔ (2)

(1) (سورۃ الزمر)

(2) ( )

مخلوق کا خدا کی بندگی کرنا

اللہ تعالیٰ آسمانوں، زمین اور اِن کا مابین موجود تمام چیزوں کا رب ہے۔ اور یہ چیز مقامِ الوہیت و ربوبیت کے لوازم میں سے ہے کہ اُس کے سوا تمام چیزیں اُس کی عبد کہلائیں۔ انسان میں عبودیت میں فنا ہونے کے حساب سے خدا کے اسماء و صفات میں اُس کی خلافت کا اہل بنا ہے۔ کیونکہ عبودیت ایک جوہر ہے جس کی حقیقت ربوبیت ہے۔ حدیث قدسی میں ارشاد خدا ہے:

عبدی اطعنی اجعلك مثلی . اقول للشیئ : کن فیکون، و تقول للشیئ: کن فیکون

(اے میرے بندے! تو میری اطاعت کر تو میں تجھے اپنی مثل بنا دوں گا۔ جیسے میں کسی چیز سے ہونے کا کہتا ہوں تو وہ ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح تو بھی جس چیز کے لیے کن کہے گا وہ ہو جائے گی۔)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اُسے پسند کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اُسے پسند کرتا ہوں تو اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ یہ انسان میں خدا کی عبودیت کی حقیقت ہے جو تمام مخلوقات میں جاری ہوتی ہے۔

سورۃ مریم میں خدا فرماتا ہے: اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا [زمین و آسمان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کی بارگاہ میں بندہ بن کر حاضر ہونے والا نہ ہو۔]

عبادت کی علامات اور اُس کی حقیقت خدا کو پاک اور تمام عیوب سے مبرا جاننا ہے۔ وہ کمالِ مطلق اور مطلقِ کمال ہے۔ اُس کے سوا تمام مخلوقات اپنی جوہری و ذاتی حرکت میں اُس کی

www.shiabookspdf.com

جانب گامزن ہیں۔ یعنی ہر شے خدا کی عاش ہے اور اُس حمد وجلال کے ساتھ تسبیح کر رہی ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾

"اور اپنے تمام بندوں پر غالب اور صاحب حکمت اور باخبر رہنے والا ہے"۔ ①

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١﴾

"محو تسبیح پروردگار ہے ہر وہ چیز جو زمین و آسمان میں ہے اور وہ پروردگار صاحبِ عزت بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی ہے"۔ ②

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ

"ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اس کی تسبیح کر رہے ہیں"۔ ③

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ

"گرج اس کی حمد کی تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے حمد وثنا کرتے رہتے ہیں"۔ ④

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ

"اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس کی تسبیح نہ کرتی ہو یہ اور بات ہے کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو"۔ ⑤

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا

①(سورۃ الانعام)
②(سورۃ الحدید)
③(بنی اسرائیل:۴۴)
④(سورۃ الرعد:۱۳)
⑤(سورۃ بنی اسرائیل:۴۴)

www.shiabookspdf.com

يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لئے زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اور فضا کے صف بستہ طائر سب تسبیح کر رہے ہیں اور سب اپنی اپنی نماز اور تسبیح سے باخبر ہیں اور اللہ بھی ان کے اعمال سے خوب باخبر ہے"۔ ①

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ

"زمین و آسمان کا ہر ذرہ خدا کی تسبیح کر رہا ہے کہ اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہی ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے"۔ ②

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ

"اور ہم نے حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑ مسخر کر دیے۔ وہ تسبیح بیان کرتے تھے اور پرندوں کو بھی"۔ ③

تو ساری خلق خدا اُس کی عبادت و تسبیح میں مشغول ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں انکار کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ جیسا کہ اس پر عقلی و نقلی دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔ تمام خلائق اپنی جوہری حرکت میں اپنے معبود و معشوق کی طرف محو حرکت ہیں۔ بلاشبہ یہ سب چیزیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عاشق و عابد ہیں۔

ارشاد القلوب میں صاحب کتاب نے اپنی سند کے ساتھ اور اسی طرح شیخ مفید نے بھی حضرت سلمان فارسیؓ سے نقل کیا ہے کہ مولا امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا:

یا سلمان! الویل کل الویل لمن لا یعرف لنا حق معرفتنا و انکر فضلنا

اے سلمانؓ! ہلاکت ہی ہلاکت ہے اُس کے لیے جو ہماری کما حقہ معرفت

①(سورۃ نور)
②(سورۃ تغابن:۱)
③(سورۃ الانبیاء:۹۷)

نہیں رکھتا اور ہماری فضیلت کا انکار کرتا ہے"۔

اے سلمانؓ ! بتاؤ رسول خدا ﷺ افضل ہیں یا حضرت سلیمان علیہ السلام ؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت سلیمانؑ۔

مولاؑ نے فرمایا: نہیں، رسول خدا ﷺ افضل ہیں۔ اے سلمانؓ ! دیکھو آصف بن برخیا کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اور وہ اِس علم کی بدولت یہ قدرت رکھتا تھا کہ تختِ بلقیس کو چشم زدن میں فارس سے سبا لے آیا۔ تو کیا میں یہ کام نہیں کرسکتا، جبکہ میرے پاس ہزار کتابیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیثؑ پر پچاس صحیفے نازل کیے، حضرت ادریسؑ پر تیس، حضرت ابراہیمؑ پر بیس، تورات، انجیل، زبور اور فرقان۔

یہ سن کر میں نے کہا:

میرے مولاؑ ! آپؑ کا فرمان برحق ہے۔ امامؑ نے فرمایا: اے سلمانؓ ! ہمارے امور اور علوم شک کرنے والا ہماری معرفت اور ہمارے حقوق کے بارے میں مزاح کرنے والے کی مانند ہے۔ اللہ جل جلالہ نے ہماری ولایت کو اپنی کتاب میں بہت سے مقامات پر فرض کی ہے اور اُس چیز کو واضح طور پر بیان کیا جس کے ساتھ عمل انجام دینا واجب ہے۔ اور یہ بالکل عیاں ہے، کوئی ڈھکا چھپا نہیں۔ ①

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ کچھ لوگ مولا حسین علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کی: اے ابوعبداللہؑ ! ہم سے اپنی وہ فضیلت بیان کیجیے جو خدا نے آپ آلِ محمدؐ کو عطا کی ہے۔ تو امامؑ نے اُن سے فرمایا: تم برداشت نہ کرپاؤ گے، تم میں طاقت نہیں۔

انہوں نے کہا: نہیں، ہم برداشت کرلیں گے۔

امامؑ نے فرمایا:

اگر تم سچے ہو تو ایسا کرو کہ تم میں سے دو افراد الگ ہوجائیں۔ میں تم سے کسی ایک کے سامنے بیان کروں گا۔ اگر اُس نے برداشت کرلیا تو تمہیں بھی بتادوں گا۔ چنانچہ اُن میں سے دو

①(بحارالانوار: ۲۶/۲۲۲؛ ارشادالقلوب: ۲/۲۲۸)

افراد الگ ہوئے اور اُن میں سے ایک کے سامنے امام عالی مقامؑ نے اپنے فضائل بیان کیے۔ تو اُس کی عقل زائل ہوگئی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اُس کے ساتھیوں نے اُسے بلایا تو اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ دیکھ کر وہ واپس چلے گئے۔

عبدالعزیز بن کثیر سے روایت ہے کہ کچھ لوگ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ہمیں اپنے فضائل کے بارے میں کچھ بتائیں تو امامؑ نے فرمایا:

تم میں انہیں برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ تم مجھ سے دور ہوجاؤ، میں تم میں سے کسی ایک کو بتاؤں گا۔ اگر اُس نے برداشت کرلیا تو تم سب کو بتادوں گا۔ یہ سن کر وہ امامؑ سے دور ہٹ گئے۔ امامؑ نے اُن میں سے ایک شخص کے سامنے اپنے فضائل بیان کیے تو مدہوش ہوگیا اور آپؑ سے منہ دوسری طرف کرکے ازخود رفتہ ہوگیا۔ وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتا تھا۔ یہ دیکھ کر باقی لوگ وہاں سے پلٹ گئے۔ ①

www.shiabookspdf.com

ہمارے یہاں کثیر تعداد میں ایسی احادیث موجود ہیں جن میں محمد وآلِ محمدؐ کے اسرار کے تحمل کی دشواری کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ اِس کے قدر مشکل وگراں ہیں کہ انبیاء و ملائکہ کے بس میں بھی نہیں کہ انہیں برداشت کرسکیں۔

اکثر اوقات میں جو باتیں السلام علیک یا ابا عبد اللہؑ ! کے متعلق کہتا ہوں انہیں بھی ہر کوئی نہیں تحمل کرسکتا۔ انہیں برداشت کرنے کی صلاحیت بڑی بڑی آزمائشوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اِس لیے وہ باتیں اُسی کے اندر سماتی ہیں جس کے دل کو خداوند عالم آزمائش کے مرحلے سے گزار چکا ہوتا ہے۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب اہل ایمان کو آئمہ طاہرینؑ کی معرفتِ تامہ اور معرفتِ جمالیہ، بلکہ معرفتِ کمالیہ سے بھی نوازے۔ اور ہم اپنی بشری طاقت و استعداد کے مطابق اپنے آقاؤں و مولاؤںؑ کی کماحقہ معرفت حاصل کریں۔ (آمین ثم آمین بجاہ محمد و آلہ المعصومینؑ)

①(موسوعہ کلمات الحسین: ۵۸؛ الخرائج والجرائح: ۲/۷۹۵)

ابوت و بنوت

اِبن، در لغت و اصطلاح

یہ بَنَی یا بَنَوَ سے حاصلِ مصدر ہے۔ پہلی صورت میں یہ عمارت کے معنوں میں ہے۔ کبھی یہ اَبِنَ سے ہوتا ہے اور اِس کا معنی کٹنا اور جدا ہونا ہے۔ اِس کا اطلاق اولادِ نرینہ پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ روایات میں ہے: اولادنا اکبادنا یا فلذۃ من اکبادنا۔ [ہمارے بیٹے، ہمارے جگر (یا ہمارے جگر کے ٹکڑے) ہیں۔] یا ان الولد یبتنی فی وجودہ علی والدہ، (بیٹے کا وجود اپنے والد کے وجود پر بنتا ہے۔) جیسے ایک روایت میں ہے: الولد علی سر ابیہ (بیٹا اپنے باپ کے راز پر ہوتا ہے۔)

اَب، در لغت و اصطلاح

یہ اصل میں اَبَوٌ ہے اور اِس کے تینوں حرف متحرک ہیں۔ اِس کی جمع آبَاءٌ ہے جیسے قَفَا کی اَقْفَاءٌ اور رَحَی کی جمع اَرْحَاءٌ ہوتی ہے۔ اِس میں سے واؤ ساقط ہو جاتی ہے۔ اور تثنیہ کے صیغہ میں واپس آجاتی ہے۔ اَبَوَانِ، اَبٌ والد کو کہتے ہیں اور اَبَوَانِ، والد و والدہ دونوں کو کہتے ہیں۔ اَبٌ اور والد سے مراد وہ کہ جو کسی چیز کے وجود میں آنے یا اُس کی اصلاح کا سبب واقع ہو۔ چونکہ والد ہی اپنے بیٹے کی تربیت اور اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اِس لیے اُسے اَب کہا جاتا ہے۔

لفظ اَب کا اطلاق مختلف مصادیق پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اخبار شریفہ میں وارد ہوا ہے کہ باپ تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں: ایک وہ جس نے تمھیں پیدا کیا، ایک وہ جس نے اپنی بیٹی تمھارے نکاح میں دی اور ایک وہ جس نے تمھیں تعلیم و تربیت دی۔ یہ والا باپ باقیوں سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ تو معلم اور استاذ کو بھی باپ کہا گیا ہے، بلکہ یہ اُن دوسرے دو کی نسبت

زیادہ مرتبہ کا حامل ہے۔ کیونکہ یہ بچے کی اُس کی روح کی تربیت و تزکیہ کرتا ہے جسے قیامت تک باقی رہنا ہے۔ بخلاف پیدا کرنے والے اور بیٹی دینے والے باپ کے۔ کیونکہ اِن دونوں کا تعلق جسم سے ہے جس نے فنا ہونا ہے۔ ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ والد بچے کا روحانی و جسمانی دونوں لحاظ سے باپ ہوتا ہے۔ یوں ایک شخصیت میں دو فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں۔

علاوہ بریں شیعہ و سنی کے یہاں موجود بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ اِس امت مرحومہ کے والد ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: انا و علی ابوا ھذہ الامۃ (میں اور علیؑ اِس امت کے باپ ہیں)۔

امام مظلومؑ حسین و منی والی حدیث کے اعتبار سے نفسِ رسولؐ ہیں۔ اِس لیے امت کا باپ ہونے میں وہ بھی اپنے جدِ عظیمؐ کی طرح ہیں۔ کیونکہ آپؑ نے عالم انوار ہی میں ساری مخلوق کو تعلیم دینا شروع کی ہے۔ آپؑ نے تسبیح کی تو آپؑ کی سن کر فرشتوں نے بھی خدا کی تسبیح کی۔ آپؑ، آپؑ کے جد، بابا، والدہ، بھائی اور معصومؑ بیٹوں کے سبب ہی خدا کی پہچان ہوئی اور اُسے لائق عبادت سمجھا گیا۔ جیسا کہ صحیح اخبار میں وارد ہوا ہے۔ یہ سب ایک نور سے ہیں اور سب کے سب محمدؐ ہیں۔ یہ تمام مخلوق کے لیے باپ و معلم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ہر اُس کے باپ ہیں جو خدا کا عبد ہے۔ اور ساری کائنات خدا کی عبد ہے۔

www.shiabookspdf.com

کنیت کی اقسام

اہل عرب کے یہاں کنیت اب، ام اور ابن کی نسبت سے ہوتی ہے۔ جیسے ابو علی۔ بنیادی طور پر اِس کی دو قسمیں ہیں: کنیت حقیقی اور کنیت تشریفی۔

پہلی قسم میں کنیت کا اطلاق اُس شخص پر ہوتا ہے جسے خدا بیٹا عطا کرے، وہ اُس کا کوئی نام رکھے اور پھر اُسے اُس کی کنیت سے بلایا جائے۔ جیسے مولا امیر المومنینؑ کو امام حسنؑ کی وجہ سے ابوالحسن کہا گیا۔

دوسری قسم میں کنیت کا اطلاق اُس شخص پر ہوتا ہے جو صاحب کنیت کا ہم نام ہو۔ لہٰذا اُس پر اِس کنیت کا اطلاق ہوتا ہے، اگرچہ اُس کا اِس نام سے کوئی بیٹا نہ ہو۔ چنانچہ جس امام کا

نام علی اُسے ابوالحسن کہا گیا۔ جیسے امام علی زین العابدین اور امام علی بن موسیٰ رضا علیہما السلام کے لیے یہ کنیت استعمال کی گئی۔ سرکارِ زین العابدینؑ کو ابوالحسن ثانی اور سرکارِ رضاؑ کو ابوالحسن ثالث کہا گیا۔

لیکن امام حسین علیہ السلام کی کنیت ابوعبداللہ کا تعلق اِن دونوں قسموں سے نہیں۔ کیونکہ اُن کے بڑے بیٹے کا نام علیؑ کا تھا اور ثانیاً وہ اپنے سے پہلے کسی ہستی کے ہم نام بھی نہ تھے۔ سیدالشہداءؑ اِس اعتبار سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہیں۔ جیسے کہ دیگر موارد میں بھی آپؑ کی اُن کے ساتھ شراکت ہے جن کی تعداد بیس کو پہنچتی ہے۔

حاصلِ کلام

اب جب امام عالی مقامؑ کی اِس کنیت کا تعلق سابقہ دونوں قسموں سے نہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ کنیت کی ایک تیسری قسم بھی ہے اور وہ ہے کنیتِ تکوینی۔ یہ صرف اور صرف امام حسینؑ کی کنیت ہے اور اِسے آپؑ کے امتیازی خصائص وفضائل میں شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ساری مخلوق کو اُن کے وجودِ ذی جود کی برکت سے وجود ملا اور وہ نفسِ نبیؐ ہونے اعتبار سے صادرِ اول اور فیضِ الٰہی کا واسطہ تھے۔ آپؑ کی علتِ وجود خدا اور آپؑ ساری مخلوق کے وجود کی علت ہیں۔ جیسا کہ آپؑ ہی معلمِ خلائق ومعلمِ بشریت ہیں۔ معلم، باپ ہوتا ہے اور مخلوق، خدا کی عبد ہے۔ یوں امام حسین علیہ السلام ابوعبداللہ ہیں۔

امام عالی مقامؑ کی یہ کنیت زیارتِ عاشورہ میں ابتدائے خلق وازل سے خدا کی زبان پہ جاری ہے۔ تو اے میرے مولا، اے ابوعبداللہؑ! آپؑ پر خدا کا درود وسلام ہو، جب تک میں باقی رہوں اور جب تک لیل ونہار کا سلسلہ چلتا رہے، اُس تعداد کے برابر جو خدا کے علم میں ہے۔ خدا ہمیں دنیا میں آپؑ کی زیارت اور آخرت میں آپؑ کی شفاعت عطا کرے۔ خدا ہمارا حشر آپؑ کے زمرہ میں کرے اور آپؑ کی راہ میں شہادت عطا کرے کہ جو خدا کی راہ ہے۔

رَبَّ الْحُسَيْنِ، بِحَقِّ الْحُسَيْنِ اِشْفِ صَدْرَ الْحُسَيْنِ بِظُهُوْرِ الْحُجَّةِ (اے پروردگارِ حسینؑ! تجھے امام حسینؑ کے حق کا واسطہ، ظہورِ حجت سے اُن کے سینے کو ٹھنڈا فرما)۔

www.shiabookspdf.com

کشف الغمہ میں ہے: کمال الدین بن طلحہ نے کہا ہے کہ امام حسینؑ کی کنیت صرف ابو عبداللہ ہے۔ اِس کے علاوہ کوئی نہیں۔ البتہ آپؑ کے القاب بہت سے ہیں: اَلرَّشِيْدُ، اَلطَّيِّبُ، اَلْوَفِيُّ، اَلزَّكِيُّ، اَلْمُبَارَكُ، اَلتَّابِعُ لِمَرْضَاةِ اللهِ، اَلسِّبْطُ اور اَلسَّيِّدُ (عوالم العلوم: ۱۷/۲۸۰؛ بحارالانوار: ۴۳/۲۳۷)

محقق شیخ جعفر شوشتری کہتے ہیں کہ خدا نے امام حسینؑ کی کئی طریقوں سے مدح کی ہے۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ آپؑ اپنے والد کے لیے وہ اعلیٰ فرد ہیں کہ جن کے ساتھ خدا نے اُن پر احسان کرنے کا ارادہ کیا۔ خدا کہتا ہے: میں اِس والد پر ایسا احسان کبھی نہیں کیا۔
(خصائص حسینیہ: ۴۶)

عرشِ الٰہی سے متعلق بحث کا خلاصہ

عرش، وہ تخت ہوتا ہے جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے۔ بعض اوقات اِس سے مقامِ سلطنت کی طرف کنایہ کیا جاتا ہے۔ راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ اصل میں عرش کسی چھت نما چیز کو کہتے ہیں اور اُس کی جمع عروش ہے۔ جیسے ارشادِ قدرت ہے: وھی خاویۃ علی عروشھا جب آپ کسی بیل نما پودے کو چھت کی صورت میں پھیلا دیتے ہیں اور کہتے ہیں: عرشت الکرم، تو اُس کا معنی بھی یہی ہوتا ہے۔ عرش، عورت کے محمل کی شبیہ ہوتا ہے۔

آگے کہتا ہے: جہاں تک عرشِ الٰہی کی بات ہے تو آدمی اُس کے بارے میں صرف نام کی حد تک واقف ہے۔ اِس سے زیادہ اُس کے علم میں کچھ نہیں کہ وہ درحقیقت ہے کیا چیز؟ نہ ہی وہ اُس طرح ہے جیسے لوگ اُس کے بارے میں وہم کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر اُن کا وہم درست مان لیا جائے تو وہ خدا کو اٹھائے ہوئے گا۔ نہ کہ خدا اُسے سنبھالنے والا ہوگا۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ۔ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ گر نہ جائیں۔ اگر کسی اور نے انہیں اٹھایا ہوتا تو یقیناً اب تک گر گئے ہوتے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عرش سب سے اوپر والا آسمان ہے اور کرسی ستاروں والا آسمان ہے۔ وہ بطورِ دلیل یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات آسمان اور سات زمینیں کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے وسیع و عریض زمین میں ایک چھلا پڑا ہوا ہو۔ اور عرش کے مقابلے میں کرسی کی حیثیت بھی یہی ہے۔

قدیم عرصے سے یہ عادت چلی آ رہی ہے کہ لوگوں پہ حکمرانی کرنے والے اور حکومت کے خاص افراد اپنے امورِ مجلس کے لیے خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ اِس طریقے سے وہ باقی لوگوں سے ممتاز کیے جاتے ہیں۔ وہ بادشاہِ مملکت کے لیے ایک خاص طرز کا تخت بناتے ہیں

www.shiabookspdf.com

جسے عرش کہا جاتا ہے۔ وہ سب سے بڑا اور سب سے اونچا ہوتا ہے۔ وہ حاکمِ وقت کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ کرسی کا اطلاق اُس پر بھی ہوتا ہے اور اُس کے علاوہ مسندوں پر بھی ہوتا ہے۔ رواج اور تلازم کا تقاضا یہ ہے کہ بادشاہ کی شناخت عرش سے ہو، جس طرح کہ شروع میں عرش کو حکومت کے لفظ سے پہنچانا جاتا ہے۔ لہٰذا عرش حکومت کے معنی کا حامل ہے۔ یعنی اس پر مقامِ سلطنت کا قیام ہوتا ہے اور اِسی سے حکومت کی تدابیر کے امور انجام پاتے ہیں۔

اور یہ ارشادِ باری: ثم استوی علی العرش خدا کے اقتدار سنبھالنے اور تدبیرِ امور کرنے سے کنایہ ہے۔ یہیں سے ہر چھوٹی بڑی تدبیر صادر ہوتی ہے اور نظامِ کائنات کی تفاصیل ظاہر ہوتی ہیں۔ یہیں سے ہر کوئی اپنا مقصد حاصل کرتا ہے اور یہیں سے حاجت مند کی حاجت روائی ہوتی ہے۔

جس طرح اِس آیتِ کریمہ اور اس جیسی دوسری آیات کے ضمن میں علماء کے اقوال مختلف ہیں اُسی طرح لفظ عرش کے معنی میں لوگوں کے مابین اختلاف موجود ہے۔ اکثر اہل سنت اور سلفی علماء اِس نظریے کے قائل ہیں کہ یہ اور اِسی جیسی دوسری آیات متشابہ ہیں اور اِن کی حقیقت کا علم خداوند تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ یہ لوگ دینی حقائق کے بارے میں بحث کرنے اور کتاب و سنت کے ظواہر سے ہٹ کر اُن کے اسرار و علل کو جاننے کو بدعت سمجھتے ہیں۔

لیکن عقلِ سلیم اُن کے اِس قول و نظریے کو مبنی بر خطا ثابت کرتی ہے۔ یہ نظریہ کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیاتِ الٰہیہ میں غور و فکر کرنے اور تذکر و تفکر اور عقلی دلائل سے خدا کی معرفت کو کامل کرنے کی طرف بہت زیادہ رغبت دلائی گئی ہے۔ سنتِ متواترہ کے متفرقات باہم موافق ہونے کا معنی دیتے ہیں۔ یہ کوئی عقل میں آنے والی بات نہیں کہ ایک چیز کے شروع کرنے کا حکم ہو مگر اُس کے نتیجہ سے روک دیا جائے۔ بھلا اِن سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ لوگ تو کتاب و سنت کے حقائق کی بحث کو حرام کہتے ہیں اور اِسے بدعت شمار کرتے ہیں۔ اِس لیے ہم انہیں اِن کے حال پر چھوڑتے ہیں۔

تو جن لوگوں نے اِس موضوع پر بحث کی، انہوں نے عرش کے معنی میں درج ذیل اقوال کی صورت میں اختلاف کیا ہے:

۱- اس طبقے نے عرش کو ظاہری معنوں میں لیا ہے۔ لہٰذا اُن کے یہاں عرش، تخت کی مانند ایک مخلوق ہے، اُس کے پائے بھی ہیں اور وہ آسمانِ ہفتم پر موجود ہے۔ معاذ اللہ خدا ہمارے دنیا کے بادشاہوں کی طرح اُس پہ بیٹھا ہوا ہے۔ اِس کے آگے اِن میں عرش و کرسی کے بارے میں دو طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں لیکن اکثریت کی رائے یہ ہے کہ عرش و کرسی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ یہ مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے جسے مشبہہ کہتے ہیں۔ کتاب، سنت اور عقل اِن کے اِس نظریے کی تردید کرتی ہیں اور خدا کو اِس امر سے پاک ثابت کرتی ہے کہ اُس کی مخلوق میں سے کوئی چیز اُس ذات، صفت یا فعل میں اُس کے مشابہ ہو۔

۲- عرش، آسمانِ نہم ہے جو عالم جسمانی کو محیط ہے۔ اور جہات وستاروں سے خالی اطلس کی حدبندی کرنے والا ہے۔ اپنی روزانہ حرکت سے زمانے کی نشان دہی کرتا ہے۔ اُس کے بیچ میں کرسی وہ چیز ہے جسے مس کیا جاسکتا ہے۔ وہ آٹھواں آسمان ہے جس میں ہمیشہ ایک حالت پہ برقرار رہنے والے ستارے موجود ہیں۔ کرسی کے اندر سات کلی آسمان ہیں جو سات سیاروں کے افلاک کہلاتے ہیں۔ وہ بالترتیب یوں ہیں: زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر۔ اِن میں سے بعض، بعض پر محیط ہیں۔ یہ نظریہ بطلیوس کے قدیم فلسفے سے ملتا جلتا ہے۔ قرآن وسنت کے ظواہر سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں: عرش کے پیچھے حجابات وسرادقات ہیں، عرش کے پائے ہیں، اُس کے کچھ اٹھانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ عن قریب آسمانوں کی بساط اِس طرح لپیٹے گا جیسے خطوں کا طومار لپیٹا جاتا ہے اور آسمان میں فرشتے سکونت پذیر ہیں وغیرہ۔ یہ چیزیں بظاہر اُس مفروضہ کے منافی ہیں جو سابقاً علماء فلسفہ اور طبیعات نے پیش کیا تھا۔ اور اب تو جدید فلسفے اور حس وتجربہ کی بحث سابقہ مفروضوں کو باطل ثابت کر چکی ہے۔ انہوں نے عرشِ الٰہی کے بارے میں جو جو فرضی اور من گھڑت باتیں کہیں اب اُن کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔

۳- عرش کا خارج میں کوئی مصداق موجود نہیں، اور آیات کریمہ میں جو استواء علی العرش کے کلمات وارد ہوئے ہیں، وہ خدا کے عالم پر اقتدار ظاہر کرنے سے کنایہ ہیں۔ اور اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز پر سیدھا ہونے کا اطلاق اُس پر غلبے سے کیا جاتا ہے۔ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

قد استوی بشر علی العراق

من غیر سیف و دم مهراق

ایک شخص عراق پر سیدھا ہو گیا۔ اِس کے لیے اُس نے نا تو تلوار اٹھائی اور نہ ہی اُسے خون بہانے کی ضرورت پیش آئی۔

یا عرش پر مستوی ہونے کا معنی تدبیر امور شروع کرنا ہے۔ چنانچہ بادشاہ جس وقت امورِ مملکت کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں تو اپنے تختوں پر بیٹھتے ہیں۔ اِس سے لازم آتا ہے کہ استواء علی العرش کنایہ ومجاز ہے۔ لیکن اِس پر یہ اعتراض عائد ہوتا ہے کہ یہ اِس امر کے منافی نہیں کہ وہاں کوئی حقیقت موجود ہو جس پر یہ عنایت لفظی اعتماد کرے۔ لہٰذا یہ فرمانِ خدا: ثم استوی العرش ایک تمثیل ہے جو بیان کرتی ہے کہ خدا اپنی مملکت کی تدبیر پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کوئی مرحلہ حقیقیہ موجود ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں تمام امور اپنی کثرت واختلاف کے باوجود جمع ہوتے ہیں۔ اِس پر دوسری آیات بھی دلالت کرتی ہیں جن میں صرف عرش کا ذکر ہے اور اُس کی نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے۔ جیسے: وھو رب العرش العظیم ...... الذین یحملون العرش ...... ومن حوله ویحمل عرش ربك فوقھم یومئذ ثمانیة حافین من حول العرش

اِن آیات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حقائقِ عینیہ میں سے ایک حقیقت اور امورِ خارجیہ میں سے ایک امر ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اِس فرمانِ الٰہی: ثم استوی علی العرش میں ایک مصداقِ خارجی موجود ہے۔ سو عالم وجود میں عرشِ الٰہی موجود ہے۔ جہاں سے تمام امور وحوادث کے بارے میں احکام صادر ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ بادشاہ کے عرش میں مملکت کے امور طے ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ عرش وہ مقام ہے جس میں تدابیر عامہ والٰہیہ پیدا ہوتی ہیں اور اوامرِ تکوینیہ کا صدور ہوتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیات کریمہ میں اس کا ذکر موجود ہے:

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾

www.shiabookspdf.com

"وہ صاحبِ عرش مجید ہے جو چاہتا ہے کرسکتا ہے"۔ ①

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ

"اور تم دیکھو گے کہ ملائکہ عرش الٰہی کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے اپنے رب کی حمد کی تسبیح کر رہے ہیں اور لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا"۔ ②

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ

"جو فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد معین ہیں سب حمد خدا کی تسبیح کر رہے ہیں اور اسی پر ایمان رکھتے ہیں اور صاحبانِ ایمان کے لئے استغفار کر رہے ہیں"۔ ③

www.shiabookspdf.com

حاملین عرش کچھ اشخاص ہیں جن کے سہارے یہ بلند مقام اور عظیم مخلوق کھڑی ہے۔ جو کہ تدابیر الٰہیہ کا مرکز و مصدر ہے۔ اس میں تمام حالات و واقعات کی ایک اجمالی صورت موجود ہے جو ہمیشہ خدا کے پاس موجود رہتی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خدا فرماتا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴

"پھر اُس نے عرش پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے یا زمین سے خارج ہوتی ہے اور جو چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے اور آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے اور وہ تمہارے ساتھ

① (سورۃ البروج)
② (سورۃ الزمر:۷۵)
③ (سورۃ غافر:۷)

ہے تم جہاں بھی رہو اور وہ تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے"۔ ①

اِس کے علاوہ اصحاب کے طبقے سے عرش، کرسی اور دیگر قرآنی حقائق حتیٰ کہ اصولِ معارف جیسے مسائلِ توحید اور اُن ملحقہ امور کے بارے میں کوئی حقیقی بحث نقل نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ صرف دین کے ظواہر تک ہی محدود رہتے۔ یہی طریقہ اُن کے بعد تابعین اور قدیم مفسرین کا رہا۔ حتیٰ سفیان بن عیینہ سے نقل ہوا ہے کہ اُس نے کہا: قرآن کریم میں جہاں بھی خدا نے اپنی ذات کے بارے میں کچھ بیان کیا ہے تو اُس تفسیر یہ ہے کہ اُس کی تلاوت کی جائے اور اُس کے معنی کے بارے میں خاموش رہا جائے۔

مالکیوں کے امام مالک بن انس کے حوالہ سے نقل ہے کہ ایک شخص اُس کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا: اے ابو عبداللہ! خدا عرش پہ کیسے مستوی ہے؟ راوی کہتا ہے: میں نے مالک بن انس کو اتنا کسی چیز پر غضب ناک نہیں دیکھا جتنا جس اِس پر سوال پر دیکھا۔ اُس کے پسینے چھوٹ گئے اور لوگوں نے اپنے سر نیچے کر لیے۔ کچھ دیر کے بعد امام مالک کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اُس نے کہا: اِس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی، استواء مجہول نہیں، اِس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اِس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو گمراہ نہ ہو جائے۔ اِس کے بعد امام مالک کے کہنے پر اُس شخص کو اُن کی محفل سے نکال دیا گیا۔

امام مالک نے جو جواب دیا وہ ام المومنین جناب ام سلمہؓ سے مروی حدیث سے ماخوذ ہے کہ جو انہوں نے اِس فرمانِ الٰہی: الرحمٰن علی العرش استوی کی تفسیر میں ارشاد فرمائی۔ انہوں نے کہا:

الکیف غیر معقول، و الاستواء غیر مجهول، و الاقرار به ایمان و الجحود به کفر

(اِس کی کیفیت عقل سے ماورا ہے، استواء معلوم ہے، اِس کا اقرار کرنا ایمان اور انکار کرنا کفر ہے"۔

یہ ہے اُن کے مسالک کا حال اور یہ ہے اُن کی علمی پسماندگی۔ ان کے پاس حقائق

① (سورۃ الحدید)

قرآن سے متعلق کوئی علمی ورثہ ہے اور نہ تحصیل، سوائے اُس کلام کے کہ جو امیر المومنینؑ اور باقی آئمہ طاہرینؑ کی احادیث میں وارد ہوا ہے۔

المختصر یہ کہ عرش کوئی تخت نما چیز نہیں۔ البتہ وہ ایک محدود مخلوق اور تدبیر شدہ چیز ہے۔ اُس کا مالک پروردگارِ عالم ہے۔ وہ ایسے مالک نہیں جیسے ایک چیز دوسری چیز پر ہوتی ہے۔ بلکہ وہ عرش، آسمانوں، زمین، ان کے اندر اور اُن کے مابین سب چیزوں کا حامل ہے۔ اُس نے عرش کو چار طرح کے انوار سے خلق کیا ہے: سرخ نور جس سے سرخی پیدا ہوئی۔ سبز نور، جس سے سبزی پیدا ہوئی، یہ معرفت کا نور ہے۔ زرد نور جس سے زردی پیدا ہوئی۔

اور سفید نور جس سے سفیدی پیدا ہوئی۔ اِس سے مراد وہ علم ہے جو خدا نے حاملین کے سپرد کر رکھا ہے۔ یہ نور، اُس کے نورِ عظمت کا حصّہ ہے۔ اُس کی عظمت و نور سے ہی مومنوں کے دل بابصیرت ہوئے ہیں۔ اُس کی عظمت و نور کے ذریعے ہی آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات مختلف اعمال و ادیان کے ذریعے اُس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتی ہیں۔ ہر چیز کو خدا اپنے نور، عظمت اور قدرت سے اٹھائے ہوئے ہے۔ کوئی بھی چیز اپنے ذاتی نفع، نقصان، موت و حیات اور دوبارہ زندہ ہونے پر قادر نہیں۔ ہر چیز محمول ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے اٹھانے والا، زوال سے بچانے والا اور حفاظت کرنے والا ہے۔ وہ ہر چیز کی زندگی اور ہر چیز کا نور ہے۔ اُس کی شان اہل باطل کی افترا بازیوں سے بہت بلند و بالا ہے۔

حاملینِ عرش سے مراد علماء ہیں جنہیں خدا نے اپنا علم عطا کیا ہے۔ خدا نے اپنے ملکوت میں جو کچھ خلق کیا ہے وہ چار سے باہر نہیں۔ یہ وہی ملکوت ہے جو اُس نے اپنے برگزیدہ بندوں اور اپنے خلیل کو دکھلائی۔ لہٰذا تمام چیزیں عظمت و قدرتِ الٰہیہ کے نور سے ظاہر ہوئی ہیں۔ اور اِس سے مراد خدا کا عرش ہے جو اُس کی ذات کے علاوہ تمام چیزوں پر محیط ہے۔ وہ اِس نور کا حامل ہے۔ پھر جن ہستیوں کے لیے خدا نے اِس نور کو ظاہر کیا، وہ باذن خدا اِس کے حامل ہیں۔ تو اللہ حامل و محمول دونوں کا اٹھانے والا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ثم استوی علی العرش میں استواء علی العرش سے مراد حکومت ہے۔ اور یحمل عرش ربك میں عرش سے مراد علم ہے۔

www.shiabookspdf.com

حقیقت میں یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے تمام چیزیں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ تمام تر تدابیر کے اجمال کا مرکز ہے۔ پس عرش سے مراد ملکوت اعلیٰ ہے۔ اور عرش و کرسی غیب کے دو سب سے بڑے باب ہیں۔ یہ دونوں غیب ہیں اور اِس اعتبار سے باہم ملے ہوئے ہیں۔ کیونکہ کرسی اُس غیب کا ظاہری باب جس سے خلائق کی خلقت ظاہر ہوتی ہے۔ اور عرش غیب کا باطنی باب ہے جس سے علمِ کیف، علمِ کائنات، علمِ قدر، علمِ حد، علمِ این، علمِ مشیت و صفۃ الارادۃ، علمِ الفاظ و حرکات و ترک اور علمِ عود و بدء موجود ہیں۔ یہ دونوں علم میں باہم ملے ہوئے ابواب ہیں۔ کیونکہ عرش کی حکومت، کرسی کے اقتدار سے مختلف ہے۔ اور اُس کا علم، کرسی کے مقابلے میں غیب تر ہے۔ اِسی لیے خدا نے فرمایا: رب العرش العظیم یعنی عرش کی صفت کرسی کی صفت کے مقابلے میں عظیم تر ہے۔

عرشِ الٰہی چوکور ہے۔ کیونکہ جن کلمات پر اسلام کی بنیاد قائم ہے اُن کی تعداد چار ہے اور وہ یہ ہیں: سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اِس کی تفسیر علم کی طرف پلٹتی ہے۔

خدا نے بر و بحر میں جو کچھ بھی خلق کیا ہے اُس کا عکس عرش میں موجود ہے۔ یہ اِس فرمانِ خدا کی تاویل ہے: و ان من شیئ الا عندنا خزائنه و ما ننزله الا بقدر معلوم لہٰذا اشیاء کی صورتوں اور عکوس کو موجود ہونا وہ حقیقت ہے جو اِس آیت پہ مبنی ہے۔ تمام اشیاء عرش کے مقابلے میں ایک چھلّے کی طرح ہیں جو کسی وسیع و عریض میدان میں پڑا ہو۔ عرش علمی کے حاملین آٹھ ہیں۔ چار اولین میں سے ہیں اور چار آخرین میں سے۔ اولین میں سے چار حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور آخرین میں سے چار حضرت محمد، مولا علی، امام حسن مجتبیٰ اور سرکار سید الشہداء علیہم السلام ہیں۔ جیسے کہ آٹھ فرشتے بھی اُس کے اٹھاتے ہیں اور کچھ فرشتے عرش کے گرد موجود رہتے ہیں اور مومنین کے حق میں طلب مغفرت کرتے ہیں۔

و کان عرشه علی الماء جس دن خدا نے آسمانوں اور زمینوں کو پانی پر خلق کیا، اُس دن اُس کا عرش پانی پر تھا۔ یہ اِس امر سے کنایہ ہے کہ اُس روز خدا کی حکومت پانی پر مستقر تھی

کہ جو مادۂ حیات ہے۔ المختصر یہ کہ بادشاہ کا تخت اُس کی حکومت کا مظہر ہوتا ہے اور اُس کا اپنے محل استقرار پہ قرار پکڑنا اُس کا حکومت کرنا ہوتا ہے۔ جیسے کہ اُس کا عرش پہ مستوی ہونا، ملک پہ حاوی ہونا اور تدبیر کا کرنا ہوتا ہے۔ لیکن مقامِ فکر یہ ہے کہ خدا نے اپنے اسی وسیع عرش پہ معرفت کے سبز رنگ کے ساتھ یہ تحریر لکھی ہوئی ہے:

اِنَّ الْحُسَیْنَ مِصْبَاحُ الْهُدٰی وَسَفِیْنَةُ النَّجَاةِ

قارئین کرام! ہم نے اِس حدیث کی شرح میں جو باتیں ذکر کی ہیں، انہیں بار بار پڑھیں اور اِن میں خوب غور وفکر کیجیے۔ انشاء اللہ آپ کو عجیب عجیب نکات ہاتھ آئیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

www.shiabookspdf.com

یادداشت
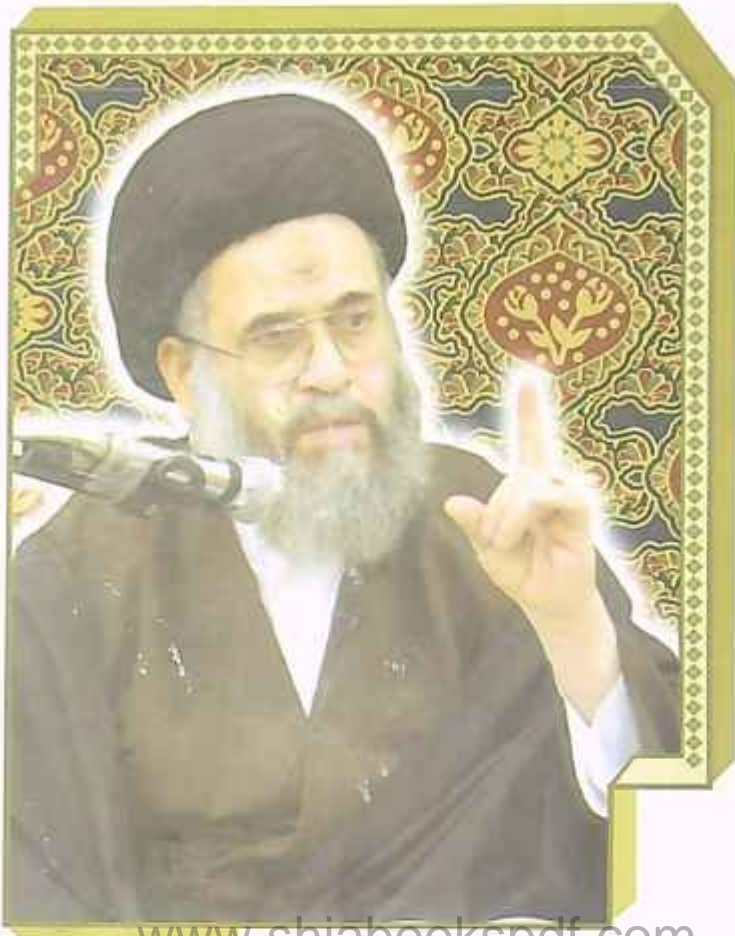
www.shiabookspdf.com

آیت اللہ سید عادل علوی کی کتب کے

زیر طبع تراجم

علی علیہ السلام اور نقطہ باء	فاطمہ سلام اللہ علیہا اور راز وجود
قائم علیہ السلام اور جدید نظریات	اہل بیت علیہم السلام اور لوح محفوظ
ولایت کیا ہے	

SABEEL E SAKINA

W: www.ziaraat.com
P: +92 (0) 321 4664 333 (LHR)
@: webmaster@ziaraat.com
f: fb.com/ziaraatdotcom.official
: +92 (0) 348 8640 778

ISBN: 978-969-720-015-3
Price: Rs 600/-